امام الدنیا
سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
تحریر و ترتیب
شاہ نواز
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
زاویہ پبلشرز
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ، لاہور

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے انسانی طاقت اور اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کی تحریر، نفسِ مضمون، حوالہ جات اور دیگر فنی اصولوں کو بہر صورت مدِ نظر رکھا اور لکھنے میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

لیکن اس کے باوجود بشری تقاضوں سے اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ازالہ کیا جائے گا اور ہم آپ کے انتہائی ممنون ہوں گے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

تحریر و ترتیب

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

زاویہ پبلشرز

(C-8 محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 042-7248657

موبائل: 0300-9467047 - 0300-4505466

Email:zaviapublishers@yahoo.com

زاویہ پبلشرز

جملہ حقوق محفوظ ہیں

طباعت اوّل : شعبان 1430ھ/اگست 2009ء

باراوّل ———— 1000

ہدیہ ———— 250 روپے

زیر اہتمام ———— نجابت علی تارڑ

تحریر وترتیب : شاہ نواز ایڈووکیٹ

17-جناح سٹریٹ شاہ جمال پارک، لاہور

0333-4253159

shah_nawaz52@yahoo.com

مکتبہ اہل سنت امین پور بازار، فیصل آباد	0321-6639552
کتاب گھر، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5552929
مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفیٰ سرکلر روڈ گوجرانوالہ	055-4237699
احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی	051-5558320
مکتبہ یا شیخ سلطان حیدرآباد	0321-3025510
مکتبہ المدینہ، فیصل آباد/راولپنڈی/ملتان/حیدرآباد/کراچی	021-2203311
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک، راولپنڈی	0333-5205014
حنفیہ پاک پبلی کیشنز نزد بسم اللہ مسجد کھارادار کراچی	
مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467
مکتبہ قادریہ سبزی منڈی کراچی	021-4944672

انتساب

اپنے والدین مرحوم ومغفور کے نام

جن کی اعلیٰ تربیت سے مجھ میں علم وآگہی

اور

شعور کے دیے روشن ہوئے۔

فہرست

❀	تقاریظ	21
❀	پیش لفظ	24
❀	کچھ اپنے بارے میں	28
باب اوّل:	مختصر حالاتِ زندگی	31
❀	نام ونسب	31
❀	حضرت امام کی ولادت ووفات	35
❀	امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مولد	38
❀	حضرت امام کا وطن کوفہ	42
❀	تابعیت	45
❀	حالاتِ زندگی	49
❀	امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت تاجر	49
❀	اصحابِ رسول کا زمانہ	51
باب دوم:	حیرت انگیز فقہی فیصلے	53
❀	ایک رومی سے مناظرہ	53
❀	قرأت خلف الامام پر مناظرہ	54

❀ سیاہ بال چن لو 54
❀ ایک رافضی سے مناظرہ 55
❀ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ فیصلہ 55
❀ خصی کے تین سوال 56
❀ چور پکڑا گیا اور طلاق واقع نہیں ہوئی 57
❀ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم اور لوگوں کا احتیاج 58
❀ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خواب اور ابن سیرین کی تعبیر 59
❀ باغ کا واقعہ 59
❀ قاضی ابن شبرمہ نے وصیت تسلیم کر لی 60
❀ دہریوں کو وجودِ خدا کا ثبوت دیا 61
❀ خوارج کی توبہ 62
❀ قاضی ابن ابی لیلٰی پر تنقید 63
❀ امام ابویوسف کو تادیب 64
❀ جولاہا بھی کہیں دستاویز لکھ سکتا ہے؟ 65
❀ امام باقرؒ نے ابوحنیفہ کی پیشانی کو بوسہ دیا 66
❀ ابوحنیفہ وقت پر سوچتے ہیں جہاں دوسروں کا خیال بھی نہیں پہنچتا 67
❀ خوارج کے ساتھ مناظرہ 69
❀ سانپ اور دیت 71
❀ ابوحنیفہ کا فعل مذموم نہیں بلکہ محمود تھا 72
❀ امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس وندامت 73

❀ ابوحنیفہ کا علم حضرت خضر کے علم سے مستفاد ہے 74
❀ محدثین عطار اور فقہا اطباء ہیں 75
❀ امام ابوحنیفہ کی رہنمائی کام کر گئی 75
❀ قیاس ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دلچسپ لطیفہ 77
❀ کل ترکہ اور جمیع ورثاء کی تعیین کر دی 78
❀ ایک شرعی تدبیر اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقیہانہ بصیرت 79
❀ عورت اس کو ملی جس کی بیوی تھی 80
❀ گمشدہ مال کی تلاش اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عمدہ قیاس 81
❀ علمی جواب، موقع شناسی 82
❀ ایک لونڈی اور نضر بن محمد 83
❀ دنیا کی کوئی شے انسان سے زیادہ حسین نہیں 85
❀ اجتہاد اور پریشانی 86
❀ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا 87
❀ غیبی آواز 87
❀ خلیفہ منصور اور بیوی 88
❀ اہلِ کوفہ کو قتلِ عام سے بچالیا 88
❀ کعبہ دیکھو تو یہ دعا مانگو 89
❀ حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟ 89
❀ یہ مومن ہے یا کافر 90
❀ شفقت و ہمدردی اور انسانی مروت کا حیرت انگیز واقعہ 91

❀ ابوحنیفہ کا زندگی میں پہلا اور آخری عدالتی فیصلہ 92
❀ ابوحنیفہ کی تدبیر سے گمشدہ متاع مل گئی 93
❀ غسل جنابت بھی ہوگیا اور طلاق بھی واقع نہ ہوئی! 94
❀ ایک مظلوم حمامی کی نصرت کا واقعہ 94
❀ کوتوال کی شرارت 95
❀ ہمسائے کا حق 97

باب سوم: علم اور اہلِ علم سے تعلق 99

❀ علم کی طرف رغبت 99
❀ تحصیل علم کی ابتداء 100
❀ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور علومِ عصریہ 101
❀ تدریس کی ابتداء 101
❀ استاد سے پہلا اختلاف 102
❀ استاد کا احترام 102
❀ حماد کا حلقہ درس 103
❀ امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ 104
❀ امام صاحب کے دیگر اساتذہ 105
❀ امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہ 112
❀ امام جعفر بن صادق رضی اللہ عنہ 113
❀ امام قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ 114
❀ حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ 115

❀ امام شعبہ بن الحجاج رضی اللہ عنہ 115
❀ حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ 115
❀ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ 116
❀ حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ 116
❀ حضرت سلیمان بن مہران رضی اللہ عنہ 117
❀ حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ 117
❀ حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ 117
❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ 118
❀ حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ 121
❀ حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ 122
❀ امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ 122
❀ استاد کا ادب واحترام 123
❀ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد کی نظر میں 123
باب چھارم: خُلق الامام 125
❀ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ واخلاق 125
❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاقی کردار 131
❀ سخاوت 134
❀ امانت داری 137
❀ صبر وحلم 139
❀ عبادت وریاضت 140

❀ استقامت 145

❀ والدین سے حسن سلوک 148

❀ اساتذہ کا ادب 150

❀ علماء کے وقار کا خیال 152

❀ امام صاحب بحیثیت استاد 152

باب پنجم: مندرجاتِ فقہ حنفی 155

❀ دستورِ اسلامی و تدوین فقہ حنفی 155

❀ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اہل افتاء 156

❀ کیفیت تدوین فقہ 159

❀ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر 162

❀ شرکاء تدوین فقہ 163

❀ تدوین فقہ کی ضرورت کیوں پیش آئی 175

❀ تدوین کا دستور 176

❀ کتب فقہ ابی حنیفہ 177

❀ کتب ظاہر الراویۃ 178

❀ کتب نوادر 182

❀ تقرر حاکم شرعی 183

❀ انتخاب امام کا طریقہ 184

❀ حاکم شرعی کے اوصاف 185

❀ حکومت کے فرائض 186

❀ حاکم عادل 187

❀ اقلیتوں کے ساتھ 187

❀ اجتہاد کا درجہ 188

❀ معاشی مسائل 199

❀ معاشرت 202

❀ معاشرتی حقوق 206

❀ مغربی و دیگر اصحاب کی آراء 209

❀ پروفیسر لا میر 209

❀ پروفسر بوار کاز 210

❀ ڈاکٹر سانتیلانا 210

❀ ڈاکٹر سلیم باز جو 210

❀ پروفیسر دمبری 211

❀ پروفیسر ہوکنگ 211

❀ ڈاکٹر عبدالسلام ذہبی 211

❀ وان کریم 211

❀ علامہ کرمانی 212

❀ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ 213

❀ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ 213

❀ یحییٰ بن سعید القطان 213

❀ محدث ابوداؤد 214

❀ مکی بن ابراہیم 214
❀ امام احمد بن حنبل 215
❀ امام شعرانی 215
❀ حفص بن عبدالرحمن 215
❀ عبداللہ بن مبارک 215
❀ امام ابو یوسف 216
❀ امام مالک 217
❀ امام شافعی 217
❀ مسعر بن کدام 217
❀ امام ابن تیمیہ 218
باب ششم: عظمتِ امام 223
❀ حلقۂ درس 223
❀ حلقۂ درس کی مقبولیت 226
❀ قیام مکہ معظمہ 228
❀ قیام کوفہ 229
❀ گرفتاری اور وفات 235
❀ عہدۂ قضاء سے انکار 235
❀ قضاء سے انکار کا سبب 236
❀ بغاوت کا الزام 237
❀ گرفتاری 240

❀ وفات 240

❀ صلوٰۃ جنازہ اور تدفین 241

❀ امام صاحب کا مقبرہ 241

❀ بعد وفات ابی احنیفہ رحمۃ اللہ علیہ 242

❀ مزار کی برکتیں 244

❀ مناقب مکی کی روایت 245

❀ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث 246

❀ امام صاحب اور اصول حدیث 247

❀ محدثین کی آراء 247

❀ باطنی فراست 251

❀ قاضی القضاۃ امام ابو یوسف 254

❀ وصایا اور نصیحتیں 257

❀ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نام 258

❀ حاکم کے ساتھ محتاط طرزِ عمل 258

❀ عوام کے ساتھ محتاط طرزِ عمل 259

❀ ازدواجی آداب 260

❀ معاشرتی آداب 262

باب ہفتم: اصحابِ امام 265

❀ فقہ کی فضیلت، قرآن میں 265

❀ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کن صحابہ رضی اللہ عنہم کا علم حاصل کیا 271

❀ شانِ فقہاء	272
❀ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی بصیرات	275
❀ فقہ کی ابتداء	278
❀ امام اعظم کے تلامذہ	284
❀ 1-امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ	284
❀ 2-امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ	286
❀ 3-امام زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ	287
❀ 4-امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ	289
❀ 5-امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ	290
❀ 6-امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ	291
❀ 7-امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ	292
❀ 8-امام یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ	292
❀ 9-امام یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ	293
❀ 10-امام یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ	293
❀ 11-امام عبدالرزاق بن ہمام	294
❀ 12-امام ابو عاصم النبیل رحمۃ اللہ علیہ	294
❀ 13-امام مکی بن ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ	294
❀ امام اعظم ائمہ دین کی نظر میں	295
❀ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ	295
❀ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ	295

❀	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	296
❀	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	296
❀	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	296
❀	امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ	297
❀	امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ	297
❀	حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ	297
❀	حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ	298
❀	حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ	298
❀	یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ	298
❀	امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ	298
❀	حضرت یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ	299
❀	حضرت حسن بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ	299
❀	حضرت حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ	299
❀	حضرت علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ	300
❀	حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ	300
❀	حضرت ابوعاصم رحمۃ اللہ علیہ	300
❀	حضرت وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ	300
❀	حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ	301
❀	حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ	301
❀	امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ	301

❀	حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ	301
❀	حضرت عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ	302
❀	حضرت خارجہ بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ	302
❀	حضرت ابراہیم بن رستم رحمۃ اللہ علیہ	302
❀	حضرت یزید بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ	302
❀	حضرت محمد بن میمون رحمۃ اللہ علیہ	303
❀	حضرت ابراہیم بن فیروز رحمۃ اللہ علیہ	303
❀	امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ	303
❀	حضرت محمد بن المروزی رحمۃ اللہ علیہ	303
❀	حضرت ابن زیاد حسن رحمۃ اللہ علیہ	303
❀	امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ	304
❀	حضرت شداد بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ	304
❀	امام سیدی علی خواص شافعی رحمۃ اللہ علیہ	304
❀	ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ	304
❀	امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ	305
❀	امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ	305
❀	امام شعرانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ	305
❀	حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ	305
❀	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور فقہ حنفی	305
❀	نماز میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھیں	306

❀	امام کے پیچھے قرأت کرنا منع اور نا جائز ہے	307
❀	امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا سنت ہے	308
❀	نماز میں رفع یدین جائز نہیں، منسوخ ہے	309
❀	نماز جنازہ میں قرأت جائز نہیں	312
باب ہشتم:	جواہر الکوفہ	317
❀	امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ	317
❀	کوفہ کی عظیم درسگاہ	320
❀	ابو جعفر منصور کو جواب	321
❀	امام شافعی کا فرمان	322
❀	امام احمد بن حنبل کا فرمان	322
❀	مناظرے	323
❀	پہلا مناظرہ......اندھے کی گواہی	324
❀	دوسرا مناظرہ......ایک خارجی سے	324
❀	فقہی کمالات	326
❀	عدل وانصاف اور دیانت کی ایک نادر مثال	331
باب نہم:	صفاتِ محمودہ	335
❀	اولین درس گاہ کوفہ	335
❀	کوفہ اور علم حدیث	336
❀	درس گاہِ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت	337
❀	عالم الدنیا	337

❀ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام حسنات اور صفاتِ محمودہ کے جامع تھے 338
❀ کتب فقہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ 339
❀ عباسی شہزادے اور فقہ حنفیہ 341
❀ سیرت امام پر ایک نظر 342
❀ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ اور مشایعت عام 343
❀ کیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حلقۂ درس بغداد میں منتقل ہو گیا؟ 343
❀ ابوحنیفہ کی سیاسی تدبیر اور ابوجعفر منصور کی بدحالی 344
❀ قاضی القضاۃ کا تصور سب سے پہلے ابوحنیفہ نے پیش کیا 345
❀ اجتہادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم 346
باب دھم: عظمتِ امام 348
❀ دہریہ کی ایک جماعت کا قبول اسلام 365
❀ حضرت امام حماد 366
❀ جہم سے مناقشہ 368
❀ حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود معروف بہ ابن ام عبد 370
❀ مآخذ وحوالہ جات 375

تقریظ

شاہ نواز صاحب کی کتاب امام الدنیا آ رہی ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے حالاتِ زندگی اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ اصولِ فقہ کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی مفصل رُوداد اس کتاب میں ملے گی۔ شاہ نواز صاحب ایک ایڈووکیٹ ہیں۔ اس لیے فقہ اسلامی اور عدالتی امور میں انہوں نے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ آج کل کے زمانے میں پاکستان کو اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے جن اصولوں کی ضرورت ہے، اس کتاب میں اس کی تفصیل آپ کو مل جائے گی۔ یہی چیز اس کتاب کی بنیادی اہمیت کا سبب ہے۔ امید ہے اکابرینِ ملت اس کتاب سے روشنی حاصل کر کے پاکستان کو ایک فلاحی اسلامی ریاست بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر وحید قریشی
سابق پرنسپل اورینٹل کالج
پنجاب یونیورسٹی لاہور
ریکٹر علومِ اسلامی
اسلام آباد یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

تقریظ

بزرگانِ دین کے حالات و اذکار اور اُن کے دینی و تبلیغی کارناموں پر مبنی تذکرے ہر دور کی ضرورت رہے ہیں۔ تاکہ مخلوقِ خدا ان پاکبازوں کے کردار اور عمل سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

تاریخِ اسلام میں امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے کردار و افکار کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ تاہم ان کے بارے میں بھرپور معلومات پر مبنی آسان پیرائیہ میں لکھی جانے والی کتب کی ضرورت اب بھی اسی طرح محسوس کی جاتی ہے جس طرح ماضی میں تھی۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر محترم شاہنواز صاحب نے شبانہ روز محنت کے ساتھ امام الدنیا ترتیب دی ہے۔ اس کتاب کی بنیادی خوبیوں میں ایک یہ ہے کہ اس میں بنیادی معلومات کو نہایت اختصار کے ساتھ جامع طریقے سے قلمبند کیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا اندازِ تحریر آسان، رواں اور عام قاری کے لیے قابلِ فہم ہے۔

میرے خیال میں انہی خوبیوں کی بنا پر یہ کتاب قارئین میں اپنا مقام بنانے میں یقیناً کامیاب ہوگی۔

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد
چیئرمین شعبۂ پنجابی ادبیات
پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان)

تبصرہ "امام الدنیا"

بیانِ سیرت کردار سازی کے لیے نہایت اہم اور مفید عمل ہے۔ قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے رسول اکرم خاتم المرسلین ﷺ کا "اسوۂ حسنہ" قرآنی عمل ہے۔ انسانی فکر و عمل میں انقلاب واصلاح کی بنیاد ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صلحاء امت اور ائمہ کرامؒ کی سیرتوں کا مطالعہ تعمیرِ شخصیت اور تشکیلِ کردار کے لیے نہایت اہم اور مفید ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت و کردار، علمی و فقہی خدمات پر بہت لکھا گیا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا۔ ایک کاوش برادر محترم شاہ نواز ایڈووکیٹ نے کی ہے۔ کتاب کی تالیف و ترتیب میں مؤلف کا ذوق و شوق اور محنت و مشقت لائق تحسین ہے۔

مؤلف کا یہ بیان اور خواہش خوش آئند ہے کہ اس تصنیف میں عام طور پر قاری کی سہولت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ توقع ہے کہ بعد از اشاعت نیم خواندہ اور کم پڑھے لکھے لوگ اس کتاب سے بہتر طور پر استفادہ کر سکیں گے۔ میں مؤلف کی اس کوشش پر رب کریم کے حضور قبولیت کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری
چیئرمین شیخ زید اسلامک سنٹر
پنجاب یونیورسٹی لاہور

پیش لفظ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو انسانی فطرت اور انسانی ضرورتوں کے مطابق ایک بہترین زندگی گذارنے کا درس دیتا ہے۔ جس میں ذرا بھر سختی یا انسانی فطرت کے خلاف نہ اصول و ضابطے ہیں نہ ہی آئینِ خداوندی میں انسانی ضرورتوں اور عقلی تقاضوں کی نفی ہے۔ اگر سفر میں ہیں تو قصر نماز کی اجازت ہے، اگر پانی نہیں ہے تو تیمّم کر سکتے ہیں، کھڑے ہو کر تو نہیں بیٹھ کر، مسجد میں نہیں تو گھر میں نماز پڑھ لیں اور اگر اس قابل نہیں ہیں کہ پورے رکوع و سجود کر سکیں تو اشاروں سے بھی اجازت ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

لا اکراہ فی الدین۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے سب سے اچھا دین جو دینِ فطرت بھی ہے۔ وہ اسلام کو منتخب کیا ہے۔ اِن الدین عند اللہ الاسلام۔

دین اسلام میں فلسفۂ انسانیت کا درس ہے۔ جو دوسرے مذاہب کا بھی اتنا ہی خیال رکھتا ہے جتنا کہ خود مسلمانوں کے لیے راحت و سکون کا متلاشی ہے۔ قرآن کریم جو وحدہٗ لاشریک کی وہ کتاب ہے جو انسانوں کو گمراہی سے نکال کر روشنی اور سچائی، انسانیت اور ہمدردی کا وہ درس دیتی ہے کہ انسانی عقل و شعور، فکر و فلسفہ، یقین و ایقان اور وجدان کے تمام دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ان فی ذلك لایت لقوم یتفکرون۔ (پارہ 21 سورہ روم آیت 21)

اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان فی ذلك لایت لقوم یعقلون۔ (سورہ روم آیت 24)

اس میں عقل و دانش کے وہ جواہر بیش بہا چھپے ہوئے ہیں کہ جس کی تلاش کرنے سے انسان کو مادی و روحانی ترقیوں کے ساتھ ساتھ قلبی سکون و راحت بھی میسر آتی ہے۔

اس کے علاوہ

قد فصلنا الایت لقوم یفقھون۔ (سورہ انعام آیت 98)

''بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔''

اصل چیز جو قرآن میں ہے، وہ فقہ کا درس ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان سوچیں، سمجھیں اور اُس سچائی کو تلاش کریں جس کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے اور جس کو حضور ﷺ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

یہ چیز عقل اور شعور سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عقل و شعور کا استعمال کرتے ہوئے الجھے ہوئے مسائل چند لمحوں میں سلجھا دیتے تھے، کہ دوسرے بڑے بڑے عالم دنگ رہ جاتے تھے۔

سب سے اہم چیز یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسائل کا حل پہلے قرآن پھر سنت رسول اللہ ﷺ اور اس کے بعد صحابہؓ کبار کے فیصلوں کی روشنی میں ڈھونڈے اور پھر استدلال کیا۔ یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی ہمیشہ خشیت ایزدی اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کے اطباع میں گزری۔

علم کی روشنی اور عقل و وجدان کے وہ درس انہوں نے دیئے کہ آنے والے

زمانے بھی اُن کے کام سے استفادہ کرتے رہیں گے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں وہ وہ مشکل ترین فیصلے اپنی عقل وشعور سے کیے کہ اُس وقت کے بڑے بڑے علماء و فقہاء کی دسترس سے باہر تھے۔ اِسی چیز کو دیکھ کر اُس وقت کے عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں بیٹھا ہوا ایک بہت بڑا عالم عیسیٰ بن موسیٰ بھی پکار اُٹھا کہ

هذا عالم الدنيا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہایت پرہیزگار، عالمِ باعمل اور قیام اللیل تھے۔ امام اعظم جو کہ علم و دانش کا بیش بہا خزانہ تھے ان کے متعلق میں نے اس لیے بھی اس کتاب کو ترتیب وتالیف کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کو صحیح معنوں میں اپنی اصل روح کے مطابق پیش کیا اور جس کو Optimisum of Islam کی اصل تصویر دکھائی۔ اس کے علاوہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کی حقیقی سچائیوں کو مدِ نظر رکھے ہوئے اور حقوقِ انسانی کا خیال کرتے ہوئے The Peaceful idealogy of Islam کے نظریے کو اجاگر کیا۔

اس کتاب کو لکھنے کی اس لیے بھی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ مغربی مفکرین اور مغربی میڈیا نے بیسویں صدی میں اسلامی نظریات کے خلاف ایک بھرپور یلغار کی اور بار بار اس شدت سے حملے کرتے رہے کہ کچھ اسلامی قوتیں بھی ان حملوں کے متوازی کھڑی ہوگئیں اور ایک جنگی کیفیت پیدا ہوتی چلی گئی۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ اب تنگ آ کر مغربی معتدل شخصیتوں نے بھی مغرب اور اسلام کے درمیان ایک ڈائیلاگ کی ضرورت کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے۔

اس کتاب میں بجا طور پر عقل وشعور کا درس دیا گیا ہے اور فکر و عمل کے میدان میں بہت آگے تک مسائل کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کی سعی پیہم کی گئی ہے۔

اس سے قبل علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہٗ العالی نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی

شخصیت کے بند دریچوں کو وا کرنے کی اپنی کتاب سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں بھرپور کوشش کی ہے، اور اسی کوشش کو اور آگے بڑھاتے ہوئے راقم نے اس دریا گوہر بار میں مزید غوطہ زنی کی کوشش کی ہے۔ جس کو اللہ رب العزت قبول فرمائے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صدقہ میں حضور اقدس ﷺ اور آپ کے اصحاب کے طفیل میری اس کاوش کو قبول و منظور فرماتے ہوئے قبر اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

شاہ نواز ایڈووکیٹ

کچھ اپنے بارے میں

اللہ تعالیٰ کی ذات جس سے بھی کام لینا چاہتی ہے وہ وقت اور آنے والے زمانوں کا خود تعین کرتی ہے اور اُس کام کو کروانے کے لیے بھی خود ہی حفاظت کرتی ہے۔ یہ لکھنا اس لیے بھی ضروری محسوس ہوا ہے کہ 1984ء میں جب میں تھائی لینڈ عازمِ سفر ہوا تو وہاں پر PIA کے ایک دوست مینیجر نے مجھے Coral Island سیر کے لیے جانے کا مشورہ دیا اور وہاں ٹھہرنے کے لیے ہوٹل اور جانے کے لیے بڑی آرام دہ کوچ کا بھی انتظام کر دیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں کچھ ملتان کے دوست مل گئے جنہوں نے وہاں سمندر کے کنارے پیرا ٹرو پر پر سیر کرنے کا کہا جب میں اوپر بہت اونچا فضاؤں میں چلا گیا تو زمین کی تمام چیزیں بہت چھوٹی چھوٹی نظر آنے لگیں اور دل بڑا مسرور ہو رہا تھا کہ اچانک پیراٹو پر (پیراشوٹ) ہوا سے کھلے سمندر کی طرف تیزی سے آنے لگا۔ میں سمجھا کہ یہ بھی میری اس سیر کا حصہ ہے۔ لیکن اچانک محسوس ہوا کہ میں سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب رہا ہوں۔ کبھی تاریکی اور کبھی اوپر سورج کی روشنی نظر آ جاتی اور کبھی گہرا اندھیرا۔ غالباً آدھ گھنٹہ میں سمندر کی موجوں اور گہرائیوں میں ڈوبتا اور تیرتا رہا کہ باہر کنارہ جو غالباً 5 یا 7 کلومیٹر پر تھا وہاں سے ان دوستوں نے فوراً SOS کا موٹر سائیکل سمندر کے اندر دوڑایا جس نے مجھے جب اٹھا کر اس موٹر سائیکل پر ڈالا تو میرے اوپر ایک بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی اس طرح اللہ پاک نے مجھے دوسری زندگی عطا فرمائی اور مجھے اس کتاب امام الدنیا کو لکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موت کی گہری کھائیوں سے بچا لیا۔ 29 جون 1950ء کو گوجرہ

ضلع فیصل آباد (ٹوبہ ٹیک سنگھ) محلہ رچھپالنگر میں پیدا ہوا میرے والد محترم حاجی فضل دین ولد حاجی ولی محمد جن کا آبائی وطن بٹالہ ضلع گورداسپور تھا۔ انہوں نے میری تعلیم میٹرک تک اسلامیہ ہائی سکول گوجرہ اور پھر گورنمنٹ کالج گوجرہ میں ایف ایس سی تک دلوائی۔ میری والدہ حمیدہ بی بی کے کہنے پر اس کے بعد دیال سنگھ کالج لاہور میں BSC کرنے چلا گیا اس کے بعد FEL حمایتِ اسلام لاء کالج سے اور فائنل LLB اسلامیہ کالج کراچی سے کیا۔ MA اُردو اور MA سیاسیات پنجاب یونیورسٹی لاہور سے کرنے کے بعد 1977ء سے 1979ء تک منسٹری آف انفرمیشن میں آفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر 1979ء کے آخر میں فارغ ہو کر سعودی عرب چلا گیا۔ وہاں جا کر پہلے الصانع ٹریول ایجنسی میں سات سال تک مینیجر کی حیثیت سے کام کیا اس دوران لندن، امریکہ اور مشرقِ بعید کی سیر کو کئی بار جانا پڑا اس کے بعد گلف ایئر جدہ میں سیلز آفیسر کام کیا جس دوران لندن اور بحرین کا کئی بار سفر کیا۔ پھر جون 1993ء میں واپس پاکستان آ کر تجارت کرنے کی کوشش کی۔ میری تمام جائدادوں پر لوگوں نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ جس کو چھڑانے کے لیے عدالت کا رُخ کیا تو محترم حافظ عبدالرحمٰن انصاری (سابقہ صدر لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن) جو ہمارے سینئر استاد کی حیثیت رکھتے ہیں، نے مشورہ دیا کہ تم نے LLB کیا ہوا ہے۔ کیوں نہ پنجاب بار کونسل سے لائسنس لے کر پریکٹس شروع کردو اور اپنے کیسوں کو بھی خود دیکھو۔

اس طرح کاروبار چھوڑ کر میں نے وکالت اختیار کی 1995ء میں مجھے لائسنس مل گیا۔ پھر میں نے ہائی کورٹ کے لائسنس کے لیے کوشش کی جو 1996ء میں لائف ممبر شپ مل گئی۔ اس دوران اپنے ذاتی اور دیگر کیسوں کو بھی کرتا رہا اور اللہ کا شکر ہے کہ تقریباً چار سال کے عرصہ میں اپنی ذاتی بنائی ہوئی جائیدادیں واگزار کروائیں۔ اب جب کہ فراغت ملی تو اس کتاب امام الدنیا کو لکھنے میں مجھے تقریباً 4

سال کا عرصہ لگا اس دوران کئی کتابیں اور کئی لائبریریوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ اور اب میں اس قابل ہوا ہوں کہ چند دوستوں اور اپنی بیوی عذرا نواز کے تعاون سے اس کتاب کو مکمل کروا سکوں۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو حضرت امام اعظم کے صدقے قبول و منظور فرمائے اور آئندہ بھی مشاہیر اسلام پر لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شاہ نواز ایڈووکیٹ

17 شاہ جمال پارک جناح سٹریٹ، لاہور

باب اوّل

مختصر حالاتِ زندگی

نام ونسب:

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ''نعمان'' اور کنیت ''ابوحنیفہ'' ہے۔
سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کا نام ''ثابت'' ہے۔ آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ فارسی النسل ہیں اور خدا کی قسم! ہم کبھی کسی کی غلامی میں نہیں رہے۔ ہمارے دادا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا اپنے نومولود بیٹے ثابت کو لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی، اور ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔'' (تبییض الصحیفہ: ۵)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اعظم کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرے تعلقات تھے۔ آپ نے نوروز کے دن

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا تحفہ بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہمارے لیے ہر دن نوروز ہے۔" (ایضاً)

ان روایات میں حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بتایا ہے جبکہ بعض روایات میں ان کا نام زوطی بن ماہ بیان ہوا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صرف ایک بیٹے حماد تھے۔ ان کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

"حنیفہ" حنیف کا تانیث ہے جس کے معنی ہیں، عبادت کرنے والا اور دین کی طرف راغب ہونے والا۔

آپ کا حلقۂ درس وسیع تھا اور آپ کے شاگرد اپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے۔ چونکہ اہلِ عراق دوات کو حنیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا یعنی دوات والے۔

علامہ موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۷۸ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا، وہ قیامت میں میری امت کا چراغ ہے"۔ (مناقب للموفق،۵۰)

آپ نے یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضرت لقمان کے پاس اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمنِ حکمت سے ایک دانہ بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں۔"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو

حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایہ ہوتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک ایسا مرد ہو گا جو حکمت کے خزانے سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپ کے احکام سے آگاہ کرے گا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے منہ میں اپنا لعابِ دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابوحنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈالنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امانت یعنی لعابِ دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔ (ایضاً:۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔'' (ایضاً:۵۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے لیے یہ بشارت دی:

''ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی تلاش میں نکلیں گے مگر مدینہ منورہ کے ایک عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے''۔

اور ایک حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے یہ بشارت دی کہ

''قریش کو برا نہ کہو کیونکہ ان میں ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا''۔

اور میں کہتا ہوں کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے حافظ ابونعیم نے الحلیہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر علم ثریا کے پاس ہو تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک مرد

ضرور اس تک پہنچ جائے گا''۔

نیز معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر دین آسمان کے پاس ہو تو یقیناً فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کر لیں گے''۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ جمعہ کی آیت و آخرین منهم لما یلحقوا بهم تلاوت فرمائی تو کسی نے دریافت کیا: آقا! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں خاموش رہے۔ جب بار بار سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا:

لو كان الايمان عند الثريا لناله رجال او رجل من هٰؤلاء۔

''اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے''۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب الجمعۃ)

واتبع ملّةَ ابراهيم حنيفا۔ (آل عمران 123)

''ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کرو۔''

آپ نے اپنی کنیت ''ابو حنیفہ'' اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت بخشا جس کی وجہ سے اصل اسم ''نعمان'' پر غالب آ گئی۔ قبولیت اور پسندیدگی اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کنیت کے ساتھ ایک لقب ''امام اعظم'' کو بھی شہرت دوام بخشی۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔ (سورہ جمعہ آیت 5)

''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔''

ایک روایت آپ کے پوتے یعنی اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ نے اس طرح نقل کی ہے۔

واللہ ماوقع لنارق قط۔

''خدا کی قسم ہم کبھی غلام نہیں تھے۔''

حضرت امام کی ولادت ووفات:

قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری متوفی ۴۳۶ھ نے بہ سند متصل احمد بن اصلت سے اور امام ابن عبدالبر نے بہ سند متصل ابوجعفر محمد بن عمرو اور عبداللہ بن جعفر رازی اور محمد بن سماء سے اور یہ دونوں قاضی القضاۃ ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں:

سَمِعْتُ ابا حنیفة یقول حججت مع ابی سنة ثلاث و تسعین ولی ست عشرسنة فاذا شیخ قداجتمع الناس علیه فقلت لابی من هذا الشیخ، فقالَ هذا رجل قد صحب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقال له عبداللّٰه بن الحارث بن جزء، فقلت لابی فای شی عنده، قال احادیث سمعها من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فقلت لابی قد منی الیه حتی اَسْمَعُ منه، فتقد م بین یدی فجعل یفرج الناس حتی دنوت منه، فسمعته یقول قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، من تفقه فی دین اللّٰه کفاه اللّٰه همه ورزقه من حیث لایحسبه۔

میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا کہ ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا۔اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ میں نے ایک بوڑھے شخص

کو دیکھا کہ ان پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ
یہ بوڑھے شخص کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے
صحابی ہیں اور ان کے والد کا نام عبداللہ بن الحارث بن جزء ہے۔ پھر
میں نے دریافت کیا کہ ان کے پاس کیا ہے۔ میرے والد نے کہا:
ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔ میں
نے کہا مجھ کو آپ ان کے پاس لے جائیں تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں، چنانچہ
وہ مجھ سے آگے بڑھے اور لوگوں کو چیرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ میں ان کے قریب
پہنچ گیا اور میں نے ان سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، جس نے دین کی سمجھ حاصل کر لی،
اس کی فکروں کا علاج اللہ کرتا ہے اور اس کو اس طرح روزی دیتا ہے
کہ کسی کو شان و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔"

خطیب مؤرخ بغدادی نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی روایت
نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔
ہم لوگ نسل فارس سے ہیں، کبھی کسی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہ رحمۃ
اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر
ہوئے۔ انہوں نے ان کے اور ان کے خاندان کے حق میں دعا کی ہے، امید ہے کہ وہ
دعا بے اثر نہیں ہے۔

اسماعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتلایا ہے اور پردادا کا نام
مرزبان، حالانکہ زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام نعمان
سے بدل دیا گیا۔ اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں وہی اسلامی نام لیا اور حمیت
اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا، ماہ اور مرزبان

لقب ہوں گے کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک مشہور اور معزز خاندان تھا۔ فارسی میں رئیس خاندان کو مرزبان کہتے ہیں۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً یہ کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک ہی معنی ہیں دراصل وہی ''مہ'' ہے جس کے معنی ''بزرگ'' اور سردار کے ہیں۔ مشہور مصرعہ ہے۔

نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

عربی لہجہ نے ''مہہ'' کو ''ماہ'' کردیا ہے۔

لیکن وہ روایات کہ جن کو بعض مورخوں نے بیان کیا ہے ''زوطی کابل سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور قبیلہ تیم اللہ کی ایک عورت نے ان کو خرید لیا تھا'' کمزور اور بے اصل ہیں۔ روایات سے اس قدر تو ثابت ہے کہ خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں جب لشکر اسلام نے لشکر فارس کو شکست دی تو اس وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور امام ابن سیرین کے والد گرفتار کر لئے گئے تھے۔ بالفرض اگر صاحب اتحاف النبلا کے اعتراض کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا ہوا کیونکہ معیار شرافت تقویٰ ہے نہ کہ نسب، قرآن میں ارشاد ہے:

انا اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ (الحجرات 13)

''تم میں شریف ترین اللہ کے نزدیک تمہارے سب سے زیادہ متقی ہیں۔''

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اولی بی المتقون من کانوا وحیث کانوا۔

''مجھ سے نزدیک تر متقی ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔''

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مولد:

آپ کا مولد کوفہ ہے۔اس وقت کوفہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔علامہ کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں کوفہ کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

''کوفہ عہد فاروقی ۱۷ھ میں بحکم امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تعمیر کیا گیا اور اس کے اطراف میں فصحائے عرب آباد کئے گئے اور سرکاری طور پر یہاں کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا۔ ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجھے یہاں خاص ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھتے ہوئے ان کو بھیج رہا ہوں''۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور مسائل دینیہ کی تعلیم دی۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس جدوجہد اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہو گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ بھلا کرے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا''۔

اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ یہاں ایسے تھے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کوفہ کا کوئی آدمی مسئلہ دریافت کرتا تو فرماتے: ''کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

نہ تھے جو یہاں دریافت کرنے آئے اسی کوفہ میں مشہور تابعی ''امام شعبی'' رہتے تھے ان کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''باوجود یہ کہ ہم غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے لیکن ان کی یادداشت جتنی ان کو ہے ہم کو نہیں حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا ان کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اصحاب نقد کے نزدیک ان کے مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ پایا ہے۔ ابوعمران نے ان کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ: ''ابراہیم نخعی اپنے زمانہ کے تمام علماء سے افضل ہیں''۔ ۹۵ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ابوعمران نے ایک شخص سے کہا کہ آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ انسان کو سپرد خاک کر دیا ہے، اس نے کہا کیا حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ! فرمایا بلکہ تمام اہل بصرہ اور اہل کوفہ، اہل شام، اہل حجاز سے بھی زیادہ۔

کوفہ کی علمی قدرومنزلت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس شہر میں پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کا قیام رہا ہے جن میں ستر اصحاب بدری تھے۔ علاوہ ازیں حضرت علقمہ کا قیام بھی اسی شہر میں تھا۔ رامہرمزی نے اپنی کتاب الفاصل میں قابوس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں اور یہ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ فرمایا جان پدر! میں خود ان کے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو مسائل دریافت کرنے

کے لئے آتے جاتے دیکھتا ہوں۔

قاضی شریح یہاں کے مشہور قاضی رہ چکے ہیں ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے شریح اٹھو! اور فیصلہ کرو! کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو۔ ان کے علاوہ ۳۳ حضرات اور بھی یہاں رہتے تھے جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اصحابِ فتویٰ تھے۔

اس دور کے بعد حضرات کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے۔ ان کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز تھی۔ ابوبکر حصاص کہتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لئے تنہا عبدالرحمٰن ابن الاشعت کے ساتھ چار ہزار کی تعداد میں قراء تابعین تھے۔ رامہرمزی انس ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار محدثین اور چار سو فقہاء موجود تھے۔ عفان ابن مسلم سے روایت ہے کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں ہم نے چار ماہ قیام کیا۔ حدیث کا وہاں اس قدر چرچا تھا کہ اگر ہم حدیثیں لکھنا چاہتے تو ایک لاکھ لکھ سکتے تھے، لیکن ہم نے صرف ۵۰ ہزار پر اکتفا کیا اور یہ حدیثیں وہ ہیں جو جمہور کے نزدیک مسلّم ہیں۔

کوفہ کی اس مختصر علمی اور تاریخی داستان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث اور رجال کی کتابوں میں بیشتر راوی یہاں کے کیوں ہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں متعدد بار حدیث حاصل کرنے کوفہ گیا ہوں۔ اہل کوفہ کی علمیت سے متاثر ہو کر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر جگہ اہل کوفہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔ یہی شہر امام صاحب کا مولد ہے جہاں سے ہمیشہ علوم نبوت کی نشر و اشاعت ہوئی ہے۔ لہٰذا جن

لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حنفی فقہ احادیث کے خلاف ہے یا محض قیاس پر مبنی ہے وہ ان مشہور تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں کوفہ کا کوئی تابعی رحمۃ اللہ علیہ اور صحابی رضی اللہ عنہ ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہیں کی۔ پھر آپ سے بہت سے تابعین نے روایات نقل کی ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ایک روایت کے مطابق آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔

خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۶۱ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد، ج:۱۳، ص:۳۳۰)

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت میں اختلاف ہے۔علامہ کوثری مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۰ھ کو دلائل وقرائن سے ترجیح دی ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ ۷۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے۔ وہاں صحابی رسول حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور ان سے حدیث سنی۔ ۹۶ھ میں پھر حج کو گئے اور جو صحابہ زندہ تھے ان سے ملے۔

علامہ قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری اور امام ابن عبدالبر متصل سند سے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا کہ ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا۔اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ ان پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ بوڑھے شخص کون ہیں۔انہوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور ان کے والد کا نام عبداللہ بن الحارث بن جزء ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ ان کے پاس کیا ہے۔ میرے والد نے کہا ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے

رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔ میں نے کہا مجھ کو آپ ان کے پاس لے جائیں تا کہ میں بھی حدیث شریف سن لوں، چنانچہ وہ مجھ سے آگے بڑھے اور لوگوں کو چیرتے ہوئے مجھے لے کر آگے بڑھے یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا اور میں نے انہیں یہ فرماتے سنا۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے دین کی سمجھ حاصل کرلی، اس کی فکروں کا علاج اللہ کرتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا''۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ امام اعظم کی ولادت ۷۷ھ کی ہے۔ اس کے متعلق ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عاجز کے نزدیک یہ دوسری روایتوں سے ارجح اور قابل اعتماد ہے اور حضرت امام عالی مقام کا سالِ ولادت ۷۷ھ ہے''۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۲ بحوالہ اخبار ابی حنیفہ و جامع بیان العلم)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سن ولادت کے متعلق فرماتے ہیں:

''زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بہت سے محققین نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی''۔

(مقدمہ نزھۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۹)

حضرت امام کا وطن کوفہ:

آپ کا وطن کوفہ ہے جو کہ عراق میں دریائے فرات کے کنارے آباد ہے۔ اس شہر کو اور بصرہ کو خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بسایا ہے۔

۱۷ھ کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رستم کو شکست دے کر قادسیہ کو فتح کرلیا اور کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور مدائن میں آپ نے قیام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ اور کوفہ بسانے کا حکم دیا اور انہوں نے یہ دو شہر آباد کئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے ۱۷ھ کو بصرہ آباد ہوا اور ۱۸ھ کو کوفہ اور بعض نے ۱۹ھ لکھا ہے، لیکن مشہور قول ۱۷ھ کا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کے بارہ ہزار افراد کو نزار کے آٹھ ہزار کو کوفہ بھیجا۔ ان سب کے واسطے آپ نے روزینہ مقرر کیا۔ کوفہ کی آبادی میں بہت سرعت سے اضافہ ہوا۔ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ جلد چھ میں کوفہ اور اہل کوفہ کا ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے:

''کان عمر یبدا باھل الکوفۃ وبھا بیوتات العرب کلھا ولیست بالبصرۃ۔''

''کہ حضرت عمر اہل کوفہ سے شروعات کیا کرتے تھے وہاں تمام عرب کے گھرانے آباد تھے اور یہ بات بصرہ میں نہ تھی''۔

اور صفحہ ۹ میں لکھا ہے:

ھبط الکوفۃ ثلاثمائۃ من اصحاب الشجرۃ وسبعون من اھل بدر۔

''کوفہ میں تین سو افراد بیعت رضوان والے اور ستر افراد غزوہ بدر والے نازل ہوئے''۔

اس شہر کے بیچ میں عظیم الشان مسجد شریف بنوائی جس میں چالیس ہزار افراد نماز بیک وقت پڑھتے تھے۔ ابن سعد نے صفحہ ۵ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بالکوفۃ وجوہ الناس۔

''کوفہ میں سرکردہ افراد ہیں''۔

اور لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا ذکر کیا اور کہا:

رمح اللّٰه، و کنزالایمان وجمجمة العرب، یحرزون ثغورھم ویمدون الامصار۔

''کوفہ اللہ کا نیزہ اور ایمان کا خزانہ اور عرب کی کھوپڑی ہے۔کوفہ والے سرحدی چوکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شہروں کی مدد کرتے ہیں۔''

اور آپ نے اہل کوفہ کو مکتوب ارسال کیا۔ابتدا اس طرح کی:

الٰی راس اھل الاسلام۔

''اہل اسلام کے سرکردہ افراد کو۔''

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الکوفة جمجمة الاسلام و کنزالایمان وسیف اللّٰه و رمحه۔

''کہ کوفہ اسلام کی کھوپڑی، ایمان کا خزانہ اور اللہ کی تلوار اور اس کا نیزہ ہے''۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

الکوفة قبة الاسلام و اھل الاسلام۔

''یعنی کوفہ اسلام کا اور اہل اسلام کا گھر ہے''۔

اور صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ آپ نے اہل کوفہ کو مکتوب ارسال کیا اس میں لکھا:

''اے اہل کوفہ! تم عرب کا سر اور ان کی کھوپڑی ہو اور میرا وہ تیر ہو جس کو میں افتاد پڑنے پر ادھر ادھر پھینکتا ہوں۔ میں نے تمہارے پاس عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو بھیج کر اپنے نفس پر تم کو ترجیح دی ہے''۔

اس مبارک شہر میں ایک ہزار صحابہ سے زیادہ افراد نے سکونت اختیار کی۔ان حضرات کے رہنے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو تعلیم و تدریس اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ

کا وہاں قیام اور جلیل القدر صحابہ کے ورود سے کوفہ بے مثل گلزار علم بن گیا۔ اسی مبارک سرزمین سے تمام علوم اسلامیہ نے سر ابھارا ہے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں آئے ان سے حدیث شریف کے دہانے کھلے۔ نحو، صرف، لغت، فقہ اللغۃ، علوم معانی، فقہ اور اصول فقہ کا مصدر کوفہ ہی ہے۔ شاطبیہ میں سات ائمہ کی قرأت کا ذکر ہے۔ نافع اور وہ مدینہ کے ابن کثیر اور وہ مکہ کے ابوعمرو اور وہ بصرہ کے ابن عامر اور وہ دمشق کے عاصم، حمزہ، کسائی اور یہ تینوں حضرات کوفہ کے ہیں۔

تابعیت:

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

''علامہ ذہبی سے منقول صحیح روایت سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا دیدار کیا تھا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں نے کئی مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، وہ سرخ خضاب لگاتے تھے''۔

اکثر محدثین کا اتفاق ہے کہ تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کا دیدار کیا ہو۔

(الخیرات الحسان: ۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابومعشر طبری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مروی احادیث بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سات صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔

1. سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔
2. سیدنا عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ۔

3. سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔
4. سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ۔
5. سیدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ۔
6. سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ۔
7. سیدتنا عائشہ بن عجرد رضی اللہ عنہا۔

سات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے احادیث روایت کرنے کا ذکر خود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

''میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سات صحابہ سے ملا ہوں اور میں نے ان سے احادیث سنی ہیں''۔ (مناقب للموفق:٦٠)

درِمختار میں ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیس (٢٠) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دیدار کیا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر میں پچپن (٥٥) حج کئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ جن کا وصال ١٠٢ھ میں یا دوسری روایت کے مطابق ١١٠ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا حج امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور روایت کے مطابق سولہ سال کی عمر میں ٩٣ھ میں اور علامہ کوثری مصری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ٨٧ھ میں کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں اور ان احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصداق ہیں۔

''میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں''۔ (بخاری، مسلم)

''اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

اس مختصر تمہید کے بعد امام صاحب کی تابعیت کا مسئلہ ہے جس کا مجملاً ذکر تو سطور بالا میں آچکا ہے مگر یہاں قدرے تفصیل انسب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ادرك الامام ابو حنيفه جماعة من الصحابة لانه ولد بالكوفة سنة ثمانين من الهجره و بها يومئذ من الصحابة عبدالله بن ابى اوفىٰ فانه مات بعد ذلك بالاتفاق و بالبصرة يومئذ انس بن مالك و مات سنة تسعين او بعدها۔

''امام صاحب نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے کیونکہ وہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور اس وقت کوفہ میں عبداللہ ابن ابی اوفی موجود تھے اس لئے کہ بالاتفاق ان کا انتقال ۸۰ھ کے بعد ہوا ہے اور بصرہ میں اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ موجود تھے اور ان کا انتقال ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا ہے۔''

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فهو بهذا الاعتبار من التابعين۔ (الآية)

''اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں۔''

علامہ عسقلانی نے بخاری کی شرح میں ''باب الصلوٰۃ فی الثیاب'' کے تحت بیان فرمایا ہے کہ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

انه راى انس بن مالك مرارا۔

''امام صاحب نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو چند بار دیکھا ہے۔''

غرضیکہ ائمہ فن مثلاً خطیب بغدادی، ابن جوزی، مزی، یافعی، عراقی، ذہبی ابن حجر سیوطی وغیرہ حضرات امام صاحب کی تابعیت پر متفق ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا ہے:

ادرك الامام الاعظم ثمانية۔

''امام صاحب نے آٹھ صحابہ سے ملاقات کی ہے۔''

جن آٹھ یا دس صحابہ رضی اللہ عنہم نے امام صاحب سے ملاقات کی ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

1. انس بن مالک رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۳ھ
2. عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۷ھ
3. سہل بن سعد رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۸ھ
4. ابوالطفیل رضی اللہ عنہ — متوفی ۱۱۰ھ
5. عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۲ھ
6. عبداللہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۹ھ
7. جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۴ھ
8. عائشہ بن عجرد رضی اللہ عنہا — متوفی
9. واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۵ھ
10. معقل بن یسار رضی اللہ عنہ — متوفی

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک مبارک جماعت کو پایا ہے۔ آپ کی ولادت کوفہ میں ۸۰ھ میں ہوئی اور اس وقت کوفہ میں صحابہ میں سے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی وفات ۸۸ھ یا اس کے بعد ہوئی ہے اور ابن سعد نے ایسی سند سے کہ جس میں خلل نہیں ہے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا ہے۔ ان دو حضرات کے سوا دوسرے حضرات صحابہ بھی ممالک میں زندہ تھے۔ بعض حضرات نے ان روایات کو جن کی روایت امام ابوحنیفہ نے صحابہ سے کی ہے، ایک مختصر رسالہ میں جمع کر دیا ہے لیکن ان روایات کی سند ضعف سے خالی نہیں

ہے اور میرے نزدیک مستند وہ بات ہے جو گزر چکی ہے کہ حضرت امام نے بعض صحابہ کو دیکھا ہے۔ یہ بات ابن سعد نے بھی کہی ہے لہٰذا اس اعتبار سے حضرت امام تابعین کے طبقہ میں سے ہیں اور یہ بات ائمہ امصار میں سے کسی دوسرے امام کے واسطے ثابت نہیں ہے۔ جیسے ملک شام کے اوزاعی ہیں، بصرہ کے دو حماد ہیں، کوفہ کے ثوری ہیں، مدینہ منورہ کے مالک ہیں اور مصر کے لیث بن سعد ہیں۔

حالاتِ زندگی:

جس وقت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اس وقت عبدالملک سریر آرائے سلطنت تھا اور اس کی طرف سے حجاج بن یوسف عراق کا گورنر مقرر تھا۔ حجاج بن یوسف کا نام آجانے کے بعد اس وقت کے سیاسی حالات پر کسی خاص تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس نے اس قدر مظلوموں کو ناحق قتل کیا اور اس قدر صلحاء اور علماء کو موت کے گھاٹ اتارا کہ جس کی وجہ سے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے بجا طور پر فرمایا کہ ''اگر سب پیغمبروں کی امتیں اپنے اپنے بدکاروں کو پیش کریں اور ان سب کو ایک پلہ میں رکھ دیا جائے اور ہم صرف حجاج بن یوسف ہی کو پیش کریں تو یقیناً ہمارا پلہ بھاری رہے گا''۔ اسی طرح ابراہیم بن یزید نخعی نے اس کے انتقال کی خبر سن کر سجدۂ شکر ادا کیا اور فرطِ مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت تاجر:

ریشمی کپڑے کے تاجر کو عربی میں الخزاز کہتے ہیں۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ ریشمی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کی تجارت بہت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں کارندے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ اتنے وسیع کاروبار کے باوجود دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور

پر ایک آنہ بھی ان کی آمدنی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چار صفات کی وجہ سے ایک کامل اور ماہر تاجر ہوئے۔

1. آپ کا نفس غنی تھا، لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ پر ظاہر نہ ہوا۔
2. آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔
3. آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔
4. آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

شیعہ حضرات نے زید بن علی کے ہاتھ پر کوفہ میں اس شرط پر بیعت کی تھی کہ آپ کوفہ سے باہر نہ جائیں، لاکھوں تلواریں آپ کے لئے موجود ہیں۔ اس وقت امام صاحب کوفہ ہی میں تھے اور آپ کے حلقہ درس کو جاری ہوئے ایک سال ہو چکا تھا۔ امام صاحب کی اس وقت جو پوزیشن تھی علامہ موفق نے لکھا ہے:

”زید بن علی حسین رحمۃ اللہ علیہ بن علی بن ابی طالب نے ایک قاصد امام صاحب کی خدمت میں اپنی اعانت کے لئے قوم کو بھیجا تو امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ لوگ (یعنی آپ کے رفقاء کار شیعہ) آپ کو ذلیل نہ کریں گے اور آپ کو شکست نہ دلائیں گے اور وفاداری کے ساتھ آپ کا ساتھ دیں گے تو میں ضرور آپ کی اتباع کرتا اور آپ کے ساتھ جہاد کرتا اس لئے کہ آپ امام برحق ہیں، لیکن یہ لوگ آپ کے ساتھ غدر کریں گے جیسا کہ آپ کے آباؤ اجداد کے ساتھ غدر کیا ہے، لیکن میں آپ کی مال کے ذریعہ اعانت کرتا ہوں تا کہ آپ کو تقویت پہنچے۔ یہ کہہ کر قاصد سے کہا کہ میرا یہ عذر بیان کر دینا اور یہ دس ہزار درہم میری جانب سے ان کو پیش کر دینا۔

آپ سے پوچھا گیا کہ زید بن علی کے ساتھ نکلنا کیسا ہے تو آپ نے فرمایا: جیسا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے ساتھ بدر کے لئے نکلنا! یہ سن کر آپ سے عدم شرکت کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میرے پاس کچھ امانتیں ہیں میں نے ان کو ابن ابی لیلیٰ کے سپرد کرنا چاہا تھا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ جب امام صاحب نے زید بن علی کے قتل کی خبر سنی تو رو دیئے۔"

اصحابِ رسول کا زمانہ:

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جن کا زمانہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پایا:

۱	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	متوفی ۹۳ھ
۲	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۳	حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۸ھ
۴	حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ	متوفی ۱۱۰ھ
۵	حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۵ھ
۶	حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۷	حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۸	حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۹	حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۱۰	حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۱۱	حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۵ھ یا ۸۶ھ یا ۸۷ھ یا ۸۸ھ یا ۹۹ھ
۱۲	حضرت عتبی بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ یا ۹۰ھ

- ۱۳ حضرت اسعد بن سہل رضی اللہ عنہ — متوفی ۱۰۰ھ
- ۱۴ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۱ھ
- ۱۵ حضرت طارق بن شہاب بجلی کوفی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۲ھ یا ۸۳ھ
- ۱۶ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۷ھ یا ۸۹ھ
- ۱۷ حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۹ھ
- ۱۸ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۳ھ
- ۱۹ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۴ھ
- ۲۰ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۶ھ
- ۲۱ حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۲ھ
- ۲۲ حضرت قبیصہ ابن ذویب رضی اللہ عنہ — متوفی ھ (تقریب)

باب دوم

حیرت انگیز فقہی فیصلے

ایک رومی سے مناظرہ:

بغداد میں ایک رومی آیا اور اس نے خلیفہ سے آ کر عرض کیا میرے یہ تین سوال ہیں اگر آپ کی سلطنت میں کوئی موجود ہو تو بلایئے! خلیفہ نے اعلان کر دیا سب علماء جمع ہوئے۔ امام صاحب بھی تشریف لائے۔ رومی منبر پر چڑھا اور اس نے سوال کیا۔

1. بتاؤ خدا سے پہلے کون تھا؟
2. بتاؤ خدا کا رخ کدھر ہے؟
3. بتاؤ اس وقت خدا کیا کر رہا ہے؟

یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ امام صاحب آگے بڑھے اور کہا میں جواب دوں گا، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ منبر سے نیچے اتر آئیں۔ رومی منبر سے نیچے آ گیا، امام صاحب منبر پر جا بیٹھے اور سوال دہرانے کو فرمایا۔ رومی نے سوالات کا اعادہ کیا تو امام صاحب نے فرمایا:

1. گنتی شمار کرو، رومی نے گننا شروع کیا، امام صاحب نے روکا اور کہا ایک سے پہلے گنو! رومی نے کہا ایک سے پہلے کوئی گنتی نہیں ہے تو امام صاحب نے فرمایا تو خدا سے پہلے بھی کوئی نہیں ہے۔
2. اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب نے ایک شمع روشن کی اور

فرمایا، اس کا رخ کدھر ہے؟ رومی نے کہا سب طرف کو۔ امام صاحب نے فرمایا خدا کا رخ بھی سب طرف کو ہے۔

◆ اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا نے تجھے نیچے اتار دیا اور مجھے اوپر چڑھا دیا۔ رومی یہ سن کر شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا۔

قرأت خلف الامام پر مناظرہ:

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے امام کے پیچھے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے پر مناظرہ کریں۔ آپ نے فرمایا: میں اتنے آدمیوں سے تو بیک وقت بات نہیں کر سکتا نہ ہی ہر ایک کی بات کا جواب دے سکتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ سب کی طرف سے ایک سمجھ دار عالم مقرر کر لیں جو اکیلا مجھ سے بات کرے۔ انہوں نے ایک بڑا عالم منتخب کیا جو آپ سے بات کرے۔ آپ نے سب سے فرمایا، کیا یہ عالم جو بات کرے گا وہ آپ سب کی طرف سے ہوگی اور کیا اس کی ہار جیت آپ کی ہار جیت ہوگی؟ ان سب نے کہا، ہاں! ہم سب اس بات پر متفق ہیں۔

آپ نے فرمایا: جب تم نے یہ بات مان لی تو پھر تمہارا مسئلہ حل ہو گیا۔ تم نے میرے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے حجت قائم کر دی ہے۔ کہنے لگے، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: ''تم نے خود اپنی طرف سے ایک آدمی منتخب کیا اور فیصلہ کیا کہ اس کی ہر بات تمہاری بات ہوگی، اس کی ہار جیت ہوگی، ہم بھی نماز کے دوران اپنا امام منتخب کرتے ہیں۔ اس کی قرأت ہماری قرأت ہوتی ہے، وہ بارگاہ خداوندی میں ہم سب کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے۔'' انہوں نے آپ کی دلیل کو تسلیم کیا اور اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے۔

سیاہ بال چن لو:

علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ اس وقت ایک حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، سفید بال چن لے۔ حجام نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ جہاں سے سفید بال چنے جاتے ہیں، وہاں کئی اور سفید بال اگ آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا پھر سیاہ بال چن لے تاکہ سیاہ بالوں کا غلبہ ہو جائے اور سفید ختم ہو جائیں۔ یہ بات اگرچہ مزاحیہ تھی مگر جب قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لطیفہ سنایا گیا تو انہوں نے ہنس کر فرمایا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو حجام کو بھی اپنے قیاس سے لاجواب کر دیا۔

ایک رافضی سے مناظرہ:

ایک دن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رافضیوں کا ایک عالم آیا جس کو شیطان طاق کہا جاتا تھا، اس نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ طاقتور کون تھا؟ اس نے خود ہی کہا کہ ہم تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں اور آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لے لیا تو کون طاقتور ہوا۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ فیصلہ:

رائے و تدبیر، عقل و فراست اور نقطہ آفرینی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور اوصاف ہیں۔ محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت، چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول ہے کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پلہ بھاری ہوتا۔

کوفہ کے ایک شخص نے بڑے دھوم دھام سے اپنے دو بیٹوں کی شادی کر دی۔

ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان واکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام، حسن بن صالح، سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ بھی شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دفعتاً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا "غضب ہو گیا" لوگوں نے کہا خیر تو ہے؟ بولا: زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں، جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اس کا شوہر نہ تھا۔

سفیان نے کہا کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا تھا، اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا البتہ دونوں کو مہر لازم ہوگا۔

مسعر بن کدام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا شوہر خود میرے پاس آئیں تو جواب دوں گا۔ لوگ جا کر دونوں شوہروں کو بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ "رات جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے ساتھ نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے؟" دونوں نے کہا، ہاں۔ تب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تو تم دونوں اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دے دو اور ہر شخص اس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اس کے ساتھ ہم بستر رہ چکی ہے۔

خصی کے تین سوال:

ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ کا ایک خادم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بغض اور کینہ رکھتا تھا اور جہاں بیٹھتا آپ کے خلاف گفتگو کرتا۔ خلیفہ کے منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آیا۔ ایک دن اس نے منصور سے کہا کہ میں آپ کے سامنے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اگر انہوں نے صحیح جواب دیئے تو آئندہ ان کی برائی نہیں کروں گا۔

منصور نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور خادم کو کہا کہ سوال کرو۔ پہلا سوال یہ

تھا کہ دنیا کا درمیان (محور) کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ جگہ یہی ہے جہاں تو بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے دوسرا سوال کیا، دنیا میں سروں والی مخلوق زیادہ ہے یا پاؤں والی؟ آپ نے فرمایا: سروں والی مخلوق زیادہ ہے۔ تیسرا سوال یہ کیا کہ اس کائنات پر مرد زیادہ ہیں یا عورتیں؟ آپ نے فرمایا، دونوں زیادہ ہیں مگر تم بتاؤ کہ تم مرد ہو یا عورت؟ تم کس جنس سے تعلق رکھتے ہو؟ کیونکہ خصی (نامرد) بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر وہ خادم مبہوت ہو کر رہ گیا (کیونکہ اس کا خصی ہونا لوگوں کو معلوم نہ تھا)۔

چور پکڑا گیا اور طلاق واقع نہیں ہوئی:

امام محمد کا بیان ہے کہ ایک شخص کے گھر میں چور داخل ہوئے اور اس کے گھر سے سامان اور قیمتی مال و متاع اٹھا لیا گیا۔ گھر کا مالک بیدار ہو گیا تو چوروں نے اسے پکڑ لیا اور اس کو تین طلاق کا حلف لینے پر مجبور کر دیا کہ کسی کو نہیں بتائے گا یعنی یہ کہلوایا کہ اگر میں نے شور مچایا یا کسی کو بتایا کہ چوری کرنے والے لوگ کون ہیں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ چور اس بے چارے کا سارا مال و متاع اور قیمتی مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔

صبح وہ شخص جب بازار آیا تو دیکھا کہ چور اس کا مال و متاع اور اس کے گھر کے قیمتی اسباب بازار میں فروخت کر رہے ہیں مگر وہ حلف کی وجہ سے انہیں کچھ کہنے یا کسی دوسرے کو آگاہ کر دینے یا اس سلسلہ میں بولنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پریشان تھا اپنا قیمتی سامان فروخت ہوتے دیکھ دیکھ کر اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

آخر یہی سوجھی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ کر لیا جائے، شاید کوئی حل نکل آئے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب قصہ سنا تو فرمایا اپنے محلّہ کی مسجد کے امام، مؤذن اور محلّہ کے ذی اثر اور چند وجیہہ افراد کو میرے پاس لاؤ، چنانچہ ایسا کیا گیا جب سب امام صاحب کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے

فرمایا کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ اس بے چارے کا مال واسباب اللہ کریم اسے واپس کردے۔ سب نے اثبات میں جواب دیا تو امام صاحب نے فرمایا، تم لوگ اپنے ہاں کے تمام بدچلن اور بدنام اور متہم لوگوں کو ایک گھر یا کسی مسجد میں جمع کردو۔ ایک دو آدمی دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور جس کی چوری ہوئی ہے اس کو بھی اپنے ساتھ کھڑا کردو۔ پھر گھر سے ایک ایک کو باری باری نکالتے جاؤ اور اس شخص سے ہر ایک کے بارے میں دریافت کرو کہ "کیا یہ تمہارا چور ہے؟"

اگر وہ شخص اس کا چور نہ ہو تو یہ کہہ دے کہ یہ میرا چور نہیں ہے اور اگر نکلنے والا شخص واقعتاً اس کا چور ہو تو خاموش رہے۔ جس پر یہ سکوت اختیار کرے، اسے اپنے قبضہ میں لے لو کہ وہی اس کا چور ہوگا۔ اس طرح چور بھی پکڑ لیا جائے گا اور اس کی بیوی کو طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

لوگوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تدبیر و تجویز پر عمل کیا تو چور پکڑا گیا اور طلاق بھی واقع نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فراست کے صدقے اس کا تمام مال مسروقہ واپس دلوادیا۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم اور لوگوں کا احتیاج:

کردری نے ابومعاذ فضل بن خالد سے روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

مجھے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت و ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی تو میں نے عرض کیا: حضرت! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان کے پاس ایسا علم ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت رہے گی"۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خواب اور ابن سیرین کی تعبیر:

ابن خلکان نے حضرت عبداللہ بن مبارک کی روایت نقل کی ہے۔فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک کو کھود ڈالا ہے اور آپ کی ہڈیاں مبارک جمع کر رہے ہیں۔صبح کو اٹھے تو پریشان اور حیران تھے۔بعد میں جب علم تعبیر الرویاء کے مشہور عالم علامہ ابن سیرین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسے بغیر تعارف کے اپنا خواب بیان کیا۔ابن سیرین نے فرمایا:

صاحب هذه الرویاء یثیر علماً لم یسبقه الیه احد قبله۔

''یہ خواب دیکھنے والا علم کی خدمت واشاعت اس طریقہ سے کرے گا کہ اس سے قبل کوئی بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہوگا۔''

اس کے بعد فرمایا کہ:

یہ خواب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا ہوگا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا،حضرت!میں ہی ابوحنیفہ ہوں۔

تو ابن سیرین نے فرمایا،اچھا!اپنی پشت اور اپنا بایاں پہلو دکھاؤ۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حسب الحکم اپنا پہلو اور کمر کھول دی۔ابن سیرین نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بازو اور پشت پر تل دیکھ کر فرمایا،واقعتاً آپ ابوحنیفہ ہی ہیں اور اس کے بعد خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ:

اس سے مراد علم کا زندہ کرنا اور جمع کرنا ہے۔(اور یہ خدمت اللہ پاک آپ سے لے گا)

باغ کا واقعہ:

بات کی تہہ تک پہنچنا،واقعات کے دقیق اور باریک ترین پہلوؤں تک رسائی اور

نکتہ آفرینی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فطری صلاحیتیں اور قدرت کی طبعی بخششیں تھیں جو آپ کو ودیعت کردی گئی تھیں۔ جو استقلال فکر، ذوق تحقیق اور منفرد و مجتہدانہ طرز کی صورتوں میں نمایاں ہوتی رہیں اور جنہوں نے نہ صرف آپ کی جامع شخصیت کو بلکہ آپ کی ہر ادا، ہر تحقیق پر اجتہاد و استنباط اور زندگی کے ہر پہلو اور آپ کے اخلاق اور سیرت و کردار کے ہر عنوان اور ہر ادا کو یگانہ روزگار اور تاریخ میں زندہ و جاوید یادگار بنا دیا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کوفہ کے بہت بڑے قاضی اور مشہور فقیہ تھے۔ 33 سال تک منصب قضا پر فائز رہے۔

ایک روز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی ان کی عدالت میں حاضر ہوا اور کسی شخص کے باغ کے متعلق گواہی دینی چاہی۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ نے ان سے دریافت کیا کہ یہ بتاؤ کہ جس باغ کے متعلق تم گواہی دے رہے ہو اس میں کل درختوں کی تعداد کتنی ہے۔ جب گواہ یہ نہ بتا سکے تو قاضی ابن ابی لیلیٰ نے ان کی گواہی (شہادت) کو رد کر دیا۔ چونکہ مردود شدہ گواہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوسی تھے۔ عندالملاقات اس نے تمام واقعہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی آگاہ کر دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو واپس قاضی موصوف کی عدالت میں بھیجا اور اسے کہا کہ جاؤ اور قاضی صاحب موصوف سے یہ دریافت کر کے لاؤ کہ آپ 20 سال سے کوفہ کی جس مسجد میں بیٹھ کر فیصلے کرتے ہیں اس کے ستونوں کی تعداد کتنی ہے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوسی کی اس گفتگو پر قاضی ابن ابی لیلیٰ کو حیرت اور اپنے کئے پر ندامت ہوئی اور اس کی شہادت قبول کر لی۔

قاضی ابن شبرمہ نے وصیت تسلیم کر لی:

ایک شخص نے مرتے وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں وصیت کی۔ آپ اس

وقت موجود نہ تھے۔ قاضی ابن شبرمہ کی عدالت میں یہ دعویٰ پیش ہوا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گواہ پیش کیے کہ فلاں شخص نے مرتے وقت ان کے لئے وصیت کی تھی۔

ابن شبرمہ بولے۔ اے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! کیا آپ حلف اٹھائیں گے کہ آپ کے گواہ سچ کہہ رہے ہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، مجھ پر قسم وارد نہیں ہوتی کیونکہ میں اس وقت موجود نہ تھا۔ ابن شبرمہ کہنے لگا۔ آپ کے قیاسات کسی کام نہ آئے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اچھا یہ بتائیے! کسی اندھے شخص کا سر پھوڑ دیا جائے اور دو گواہ شہادت دیں تو کیا اندھا شخص حلف اٹھا کر کہے گا کہ میرے گواہ سچے ہیں حالانکہ اس نے انہیں دیکھا نہیں۔ ابن شبرمہ نے کوئی جواب نہ دیا اور وصیت تسلیم کر لی۔

دہریوں کو وجودِ خدا کا ثبوت دیا:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں جہاں خارجی، رافضی اور دوسرے بدعقیدہ لوگ موجود تھے، وہاں بے دین، دہریے اور ملحد بھی موجود تھے۔ وہ چاہتے تھے جب بھی موقع ملے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کر دیں۔ ایک دن آپ مسجد میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ اچانک دہریوں کا ایک گروہ اندر آ گیا اور آتے ہی آپ کے سامنے تلواروں اور چھریوں کی نمائش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، ٹھہر جاؤ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے دو، پھر جو جی میں آئے کر لینا۔ آپ نے فرمایا:

مجھے بتاؤ، اس کشتی کے متعلق تم کیا کہو گے جو سامان سے لدی ہوئی دریا میں چل رہی تھی، اس کشتی کو طوفانی ہواؤں اور موجوں نے گھیر لیا مگر وہ اس کے باوجود اپنے راستہ پر چلتی رہی حالانکہ اس کا کوئی ملاح یا چلانے والا نہیں تھا۔ اس پر ایسا کوئی آدمی بھی نہیں تھا جو کشتی کا رخ پھیر کر طوفانوں کی زد سے کسی دوسری طرف لے جائے۔ کیا تمہاری عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کے باوجود کشتی طوفانوں کے درمیان سیدھی منزل

کی طرف چلتی جائے۔ ان سب نے کہا، عقل نہیں مانتی۔ آپ نے فرمایا، جب تمہاری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ ایک کشتی کسی چلانے والے یا ملاح کے بغیر طوفانوں میں اپنا راستہ خود نہیں بنا سکتی تو اتنی بڑی کائنات جس میں مختلف اقسام کے تغیرات اور طوفان ہیں، وہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟

آپ کی بات سن کر دہریے جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے، لاجواب ہو گئے اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے سامنے اپنے عقائد سے توبہ کر لی۔

خوارج کی توبہ:

ایک وقت آیا کہ خارجیوں نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے ایک دستے نے سب سے پہلے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کوفہ کے امام الائمہ ہیں، اگر آپ قابو آ گئے تو کسی دوسرے کو علمی مزاحمت کی جرأت نہ ہو گی۔ خارجیوں کا ایک عقیدہ تھا کہ جو ان کے عقیدہ پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں رہتا۔ انہوں نے کہا، تم کفر سے توبہ کرو۔ آپ نے فرمایا، میں ہر قسم کے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ بعد میں چند لوگوں نے کہا، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تمہیں جل دے کر چھوٹ گئے، وہ تو تمہیں کافر سمجھتے ہیں اور انہوں نے تمہارے کفر سے توبہ کی ہے۔

خارجیوں نے آپ کو گھر سے گرفتار کر لیا اور پوچھا، آپ نے تو ان عقائد سے توبہ کی ہے جن پر ہم ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا، یہ بات تم نے لوگوں کے بھڑکانے پر گمان سے کہہ دی ہے یا ایمان اور یقین سے؟ انہوں نے کہا، ہم گمان سے کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تو ان بعض الظن اثم فرماتا ہے، یعنی بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تم نے تو گناہ کیا ہے کہ مجھ پر بدگمانی کی اور تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر گناہ کفر ہے پہلے تم اس کفر سے توبہ کرو۔

خارجیوں کے سردار نے کہا، اے شیخ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ ہم کفر سے توبہ کرتے ہیں مگر آپ بھی کفر سے توبہ کریں۔ آپ نے اعلان کیا، میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ اس پر خوارج نے آپ کو پھر چھوڑ دیا۔

آپ کے دوسری بار توبہ کرنے پر خارجی سمجھے کہ آپ نے اپنے کفریہ عقیدہ سے توبہ کا اعلان کیا ہے حالانکہ آپ نے تو دوبارہ بھی انہی کے کفریہ عقائد سے توبہ فرمائی تھی۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ پر تنقید:

ابن ابی لیلیٰ کوفہ کے قاضی اور بڑے فقیہ تھے ۳۳ سال منصب قضا پر فائز رہے امام صاحب اور ان کے درمیان کسی قدر رنجش رہتی تھی، ایک دن یہ اپنی مجلس قضا (مسجد) سے آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک عورت کو ایک آدمی سے جھگڑتے دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ عورت نے اثنائے گفتگو میں مرد کو "یا ابن الزانیتین" کہہ دیا، امام ابن ابی لیلیٰ نے سنا اور عورت کو پکڑوا کر مجلس قضا (مسجد) میں لائے اور دو حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ عورت نے ایک ساتھ اس شخص کے ماں اور باپ دونوں پر تہمت لگائی تھی امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا ابن ابی لیلیٰ نے چند غلطیاں کی ہیں۔

1. اصول عدالت کے خلاف لوٹ کر پھر مجلس قضا میں آئے۔
2. اس میں کوئی مدعی نہیں تھا۔ ابن ابی لیلیٰ نے خود ہی مقدمہ بنالیا۔
3. عورت پر مجلس قضا ہی میں حد جاری کرادی۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت پر بٹھا کر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا ہے۔
4. ایک ساتھ دو حد جاری کر دیں، حالانکہ ایک حد مارنے کے بعد جب آرام ہو جاتا تب دوسری حد جاری کی جاتی۔

۵ اس عورت پر جو حد نہیں آتی تھیں بلکہ ایک ہی حد کافی تھی اس لئے کہ اس نے ایک ہی جرم کیا تھا۔

قاضی صاحب یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور امام صاحب کی شکایت گورنر کوفہ سے جا کر کر دی گورنر نے حکم دیا کہ امام ابوحنیفہ اب فتویٰ نہیں دے سکتے چنانچہ امام صاحب فتوے سے رک گئے ایک دن اتفاق سے امام صاحب کی صاجزادی نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، تو فرمایا جان پدر! اپنے بھائی حماد سے معلوم کرلو، مجھے حاکم کی طرف سے ممانعت ہے اور ہمیں اپنے حکام کا حکم ماننا چاہئے چند روز کے بعد خود گورنر ہی کو کوئی ضرورت پیش آئی جس کے لئے امام صاحب کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ امام صاحب نے فرمایا مجھے آپ کی طرف سے ممانعت ہے۔ گورنر نے کہا اب اجازت ہے۔

امام ابو یوسف کو تادیب:

ایک دفعہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ شدید بیمار ہوئے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ امام ابوحنیفہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

لئن مات هذا الغلام لم يخلف على وجه الارض مثله۔

''اگر ان کا انتقال ہوگیا تو زمین پر ان کا کوئی جانشین ان جیسا نہ پایا جائے گا۔''

یعنی امام صاحب نے امام ابو یوسف کے کمالات کو سراہا۔ کچھ دنوں کے بعد امام ابو یوسف اچھے ہو گئے تو انہوں نے اپنی مجلس درس علیحدہ قائم کر لی امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ایک شخص کو سکھا کر بھیجا کہ یہ سوال کرنا:

کہ ایک آدمی نے دھوبی کو کپڑا دھونے کے لئے دیا، جب وہ مانگنے آیا تو دھوبی

نے کپڑا دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس کے بعد دھوبی کپڑا لے کر آیا تو کیا اس دھوبی کی اجرت واجب ہوگئی یا نہیں؟ اگر ابو یوسف کہیں واجب ہوگئی تو کہہ دینا غلط اور اگر کہیں نہیں واجب تب بھی کہہ دینا غلط۔

چنانچہ یہ آدمی گیا اور اس نے اسی طرح سے کہا جیسا کہ اس کو بتلایا گیا تھا تب تو امام ابو یوسف گھبرا گئے اور اپنے اس فعل پر متنبہ ہو کر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے امام صاحب نے فرمایا ''آپ کو تو یہاں دھوبی والا مسئلہ کھینچ لایا ہے۔ پھر امام صاحب نے جواب دیا اگر دھوبی نے کپڑا دھونے سے پہلے انکار کر دیا تھا تب تو وہ غاصب ہے اور غاصب کی اجرت نہیں ہوتی اور اگر کپڑا دھونے کے بعد انکار کیا تھا تو اجرت واجب ہوگئی تھی مگر جب وہ کپڑا لے کر آیا تو اس پر سے غصب کا جرم ساقط ہو گیا اور اجرت بدستور رہی۔

جولاہا بھی کہیں دستاویز لکھ سکتا ہے؟

لکھا ہے کہ موسیٰ بن عیسیٰ عاسیوں کی طرف سے مکہ کا والی تھا حج کے زمانہ میں وہاں قاضی ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ سرکاری قضاۃ میں پہنچے ہوئے تھے اور اتفاق سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ بھی وہاں موجود تھے۔ موسیٰ بن عیسیٰ والی مکہ کو کسی ضرورت سے ایک وثیقہ لکھوانے کی ضرورت پیش آئی۔ پہلے اس نے دونوں سرکاری قاضیوں کو بلوا کر وثیقہ لکھنے کی فرمائش کی لیکن جو لکھتا دوسرا اس میں نقائص نکال کر رکھ دیتا۔ اسی جھگڑے اور باہمی منازعت میں مطلوبہ وثیقہ تیار نہ ہو سکا۔ آخر دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد امام اعظم ابو حنیفہ بھی کسی ضرورت سے والی مکہ کے ہاں خود پہنچے یا بلائے گئے۔

موسیٰ نے امام صاحب کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور وثیقہ کا سارا قصہ امام صاحب

کے سامنے دہرایا۔ امام صاحب نے فرمایا، پریشانی کی کوئی بات نہیں کاتب کو بلوایئے ابھی لکھوائے دیتا ہوں۔ چنانچہ کاتب کو بلوایا گیا اور امام صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے وثیقہ لکھوا دیا، اور موسیٰ والی مکہ کے حوالے کر دیا۔ وہ جس طرح کی دستاویز لکھوانا چاہتا تھا ابو حنیفہ نے اس کے سارے تقاضے پورے کر دیئے۔ تحریر مطلوب کے موافق تھی۔ جب امام صاحب تشریف لے گئے تو موسیٰ نے دونوں سرکاری قاضیوں کو بلا کر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا لکھوایا ہوا وثیقہ خود پڑھ کر سنایا۔ دونوں سنتے اور سر دھنتے رہے مگر اول سے آخر تک کوئی نقص نہ نکال سکے۔ موسیٰ نے دونوں کو بتایا کہ یہ دستاویز ابوحنیفہ کی لکھوائی ہوئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ لکھا ہے کہ جب دونوں سرکاری دربار سے باہر آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا۔

اما ترىٰ هٰذا الحائك جاء في ساعة فكتبه۔

”تم نے اس جولا ہے کو دیکھ لیا جس وقت آیا اسی وقت وثیقہ بھی لکھوا دیا۔“

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوحنیفہ کی پیشانی کو بوسہ دیا:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ آپ کے بارے میں غلط روایات پہنچی تھیں اس لئے وہ آپ سے بدگمان رہتے تھے۔ چنانچہ کہنے لگے آپ وہی ابوحنیفہ ہیں جس نے میرے نانا کے دین کو بدل دیا ہے اور (اور قطعی نصوص اور قرآن و حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دینے کا اصول اپنایا ہے)

امام اعظم ابوحنیفہ نے نہایت احترام اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کیا۔
حضرت آپ تشریف رکھیں تا کہ اصل واقعہ اور صحیح صورت حال آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں۔

چنانچہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہو گئے تو امام ابوحنیفہ شاگردوں کی طرح ان کے سامنے دوزانو بیٹھ کر عرض کرنے لگے۔

حضرت! یہ کہ عورت کمزور ہے یا مرد، امام باقرؒ نے کہا، عورت۔ پھر امام صاحب نے کہا یہ بتایئے کہ عورت کا حصہ کتنا ہے اور مرد کتنا۔

امام باقرؒ نے فرمایا۔ مرد کے دو حصے ہیں اور عورت کا ایک حصہ۔

تب امام ابوحنیفہ نے بڑے اطمینان اور پراعتماد لہجے میں فرمایا۔

حضرت! اگر میں قیاس سے کام لیتا، جیسا کہ آپ تک غلط روایات پہنچی ہیں تو عورت کے ضعیف ہونے کے پیشِ نظر اس کے دو حصے مقرر کرتا۔

اس کے بعد امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔

حضرت! یہ بتایئے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ امام باقرؒ نے جواب دیا کہ نماز افضل ہے۔ تب امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔

حضرت! اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت سے ایام حیض کی نمازوں کی قضا ادا کرواتا اور روزے کی قضا نہ ادا کرتا۔ کیونکہ نماز روزہ سے افضل ہے۔ پھر دریافت کیا کہ:

حضرت! یہ بتایئے کہ منی کا نطفہ زیادہ نجس ہے یا پیشاب؟ امام باقرؒ نے فرمایا۔ پیشاب تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ اگر میں قیاس سے کام لیتا تو پیشاب سے غسل کو واجب قرار دیتا اور منی کے نطفہ سے صرف وضو کو فرض قرار دیتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔

تب امام باقرؒ نے امام ابوحنیفہ کی زبردست تحسین کی اور امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

ابوحنیفہ وقت پر سوچتے ہیں جہاں دوسروں کا خیال بھی نہیں پہنچتا:

ایک مرتبہ کسی شخص کا اپنی بیوی سے کچھ تنازعہ ہوا تو ناراض ہو کر بیوی سے قسم

کھاتے ہوئے مخاطب ہوا کہ

"جب تک مجھ سے نہ بولے گی میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا"۔

عورت بھی مزاج کی سخت واقع ہوئی تھی مشتعل ہوئی اور جواباً اس نے بھی قسم کھائی اور وہی الفاظ دہرائے جو اس کے خاوند نے کہے تھے۔ قسم کھاتے وقت غصہ اور اشتعال کی حالت تھی اس کے انجام اور بدترین عواقب پر کسی کی نظر نہ تھی۔ اس لئے دونوں کو مستقبل کا کچھ نہ سوجھا۔ مگر بعد میں جب حواس ٹھکانے لگے تو دونوں اپنے کئے پر پچھتائے اور مسئلے کا حل تلاش کرنے لگے۔ چنانچہ شوہر امام سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صورت واقعہ بیان کر کے پیش آمدہ مسئلہ کا حکم دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا۔

"قسم کا کفارہ ہر حالت میں دینا ہوگا بغیر اس کے ادا کئے چھٹکارا نہیں"۔

وہ مایوس ہو کر مزید اطمینان کے لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضرت! خدارا، آپ اس مسئلہ کی حقیقت پر غور فرمائیں اور راہنمائی فرمائیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا:

"تشریف لے جائیے، بڑی محبت اور شوق سے اپنی بیوی سے گفتگو کیجئے کسی ایک پر بھی کوئی کفارہ نہیں"۔

حضرت سفیان ثوری کو امام اعظم کا فتویٰ معلوم ہوا تو برہم ہوئے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ سے ملاقات کر کے ملامت کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتاتے ہیں"۔

چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شوہر (سائل) کو فوراً بلا بھیجا اور سفیان ثوری کی موجودگی میں اس سے کہا کہ اب دوبارہ اصل واقعہ اور استفتا بیان کریں۔ چنانچہ

اس نے حسب سابق تفصیلاً ساری صورتِ واقعہ اور استفتا بیان کر دیا تو امام اعظم نے سفیان ثوری سے کہا:

"جو کچھ میں نے پہلے کہا تھا اور جو فتویٰ پہلے دیا تھا وہ درست تھا اور اب بھی اس کا اعادہ کرتا ہوں"۔

سفیان ثوری نے وجہ دریافت کی تو امام صاحب نے فرمایا کہ:

"جب عورت نے اپنے شوہر کو مخاطب کر کے کچھ الفاظ کہے تو گویا عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء محقق ہوگئی پھر قسم کہاں باقی رہ سکتی ہے"۔

سفیان ثوری نے جواب سن کر فرمایا:

"حقیقت میں ابو حنیفہ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے ہم لوگوں کا وہاں تک خیال وگمان بھی نہیں پہنچتا"۔

خوارج کے ساتھ مناظرہ:

ایک دفعہ تقریباً خارجی امام صاحب پر آ چڑھے اور تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ آپ کو قتل ہی کریں گے اس وجہ سے آپ مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے۔ امام صاحب نے فرمایا پہلے تلوار نیاموں میں کر لو اس کے بعد سوال کرو اس کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔ انہوں نے کہا ہم تو ان کو آپ کے خون سے رنگیں گے کیونکہ ایسا کرنے کو ہم ۷۰ سال جہاد فی سبیل اللہ سے افضل سمجھتے ہیں امام صاحب نے فرمایا اچھا کہو کیا کہتے ہو تو خارجیوں نے کہا:

اس جگہ باہر دو جنازے ہیں جن میں ایک مرد کا ہے اور دوسرا عورت کا مرد شراب پی کر اسی حالت میں مر گیا۔ عورت حاملہ تھی اس نے خودکشی کر لی لہٰذا اب

فرمایئے کیا کہتے ہیں؟

امام صاحب نے فرمایا اچھا یہ بتلاؤ یہ یہودی تھا یا نصرانی یا مجوسی۔ انہوں نے کہا اس میں سے کچھ بھی نہیں تھے تو امام صاحب نے دریافت کیا تو پھر کس ملت سے تھے خارجیوں نے کہا وہ اس ملت سے تھے جو یہ کہتے ہیں:

اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ۔ امام صاحب نے دریافت کیا کہ یہ کلمہ ایمان کا کون سا جزو ہے؟ نصف ہے یا چوتھائی یا تہائی۔ خارجیوں نے کہا یہ تو کل ایمان ہے اس لئے کہ ایمان کے اجزاء نہیں ہوتے۔ امام صاحب نے فرمایا تو اب تم ہی لوگ بتلاؤ یہ دونوں جنازے کس کے ہوئے مسلمان کے یا کافر کے؟ خارجیوں نے کہا اچھا اس کو رہنے دیجئے دوسری بات بتایئے وہ یہ کہ ''یہ دونوں دوزخی ہیں یا جنتی؟''

امام صاحب نے فرمایا اس کے بارے میں تو وہی کہوں گا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں سے زیادہ مجرم کے بارے میں فرمایا تھا یعنی:

فمن تبعنی فانہ منی و من عصانی فانک غفور رحیم۔

''جس نے میری اتباع کی وہ میرا اور جس نے میری نافرمانی کی پس اے خدا تو غفور رحیم ہے۔''

اور وہ کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

ان تعذبھم فانھم عبادک و ان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم۔

''اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔''

اور وہ کہوں گا جو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

وما عِلْمِیْ بما کانو یعملونo ان حسابُھم الا علی ربی لو تشعرون۔ (الشعراء آیت 112،113)

''جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ مجھ پر نہیں اور میں کیا جانوں وہ پہلے کیا کرتے تھے۔ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ پر ہے اگر تم سمجھو۔''

یہ سن کر خارجیوں نے اپنی تلواروں کو نیاموں میں کر لیا اور تائب ہوئے اور عقیدہ اہل سنت والجماعت اختیار کر لیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب کسی سے مناظرہ کرنا ہو تو الٹا اسی سے پوچھنا شروع کر دو تم ہی غالب آ جاؤ گے۔

سانپ اور دیت:

ایک دن ایک مجلس میں امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، قاضی ابن ابی لیلیٰ موجود تھے ایک آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک سانپ اپنے سوراخ سے نکلا اور اہل مجلس سے ایک کے اوپر چڑھنے لگا اس نے اضطراب میں دوسرے پر جھٹک دیا اور اسی طرح دوسرے نے تیسرے پر جھٹک دیا۔ بالآخر سانپ نے آخری آدمی کو کاٹ لیا اور وہ مر گیا۔ اب دیت کس پر آئے گی اس کے جواب میں کسی نے کہا پہلے پر آئے گی، کسی نے کہا سب پر آئے گی، کسی نے کہا آخری پر آئے گی۔ امام صاحب یہ سب کچھ سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ آخر میں امام صاحب نے فرمایا جب پہلے آدمی نے دوسرے پر جھٹکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا آدمی تو بری الذمہ ہو گیا اسی طرح یکے بعد دیگرے سب بری الذمہ ہو گئے۔ ہاں صرف آخری آدمی سے پہلے آدمی کے بارے میں کلام ہے۔ اگر اس کے پھینکتے ہی سانپ نے کاٹ لیا تو اس پر دیت آئے گی اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کاٹا تو یہ آدمی بھی بری الذمہ ہو گیا اور جو آدمی مرا صرف اسی کی غفلت پائی گئی، کیونکہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزی سے کام نہیں لیا۔ خود اسی کا قصور ثابت ہوا۔

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی تعریف کی۔

ابوحنیفہ کا فعل مذموم نہیں بلکہ محمود تھا:

ایک روز قاضی ابن ابی لیلیٰ بطور سیر و تفریح کے کسی باغ میں گئے ہوئے تھے کہ اتفاق سے تھوڑی دیر بعد وہیں امام اعظم ابوحنیفہ بھی آ پہنچے۔ اتفاقاً باغ میں دوسری جانب کچھ عورتیں تھیں جو گانا گا رہی تھیں۔ گاتے گاتے جب وہ خاموش ہوئیں اور گانا ختم کر دیا تو بے ساختہ امام اعظم کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا۔

احسنتن۔

''تم عورتوں نے بہت خوب کیا۔''

اس فقرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے عورتوں کے گانے کی تعریف کی۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ نے یہ سنا تو کہنے لگے: یہ کیا؟ عورتوں کے گانے کی تعریف کر رہے ہو۔ اس جرم کے ارتکاب میں کہ تم نے فسق کو سراہا ہے تم پر مردود الشہادت ہونے کا مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔

امام صاحب نے فرمایا: قاضی صاحب! میں نے کیا کہا ہے؟ بولے: تم نے غیر شرعی گانے کی تعریف کی ہے۔ امام صاحب نے دریافت کیا کس وقت؟ بولے، جب گانے والی عورتیں چپ ہوئیں۔

تب امام صاحب نے فرمایا کہ ''میں نے تو اس بات کی تعریف کی کہ عورتوں نے فسق (گانے) کے فعل کو ترک کر کے خاموشی اختیار کی۔ یہ اچھا کام کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم نے فسق کو ترک کر کے یہ اچھا کام کیا۔

بے چارے قاضی صاحب کھسیانے سے ہو کر رہ گئے کہ ابوحنیفہ کا فعل مذموم

نہیں بلکہ محمود تھا۔ (مناقب موافق ص ۱۱۱)

امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس وندامت:

رئیس المحدثین امام عبداللہ بن مبارک جو امام بخاری کے استاد اور امام اعظم ابو حنیفہ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں کو بیروت کا سفر پیش آیا غرض یہ تھی کہ بیروت جا کر امام اوزاعی کی خدمت میں حاضر ہوں اور علم حدیث کی مزید تحصیل وتکمیل کریں۔ چنانچہ آپ امام اوزاعی کی خدمت میں پہنچ گئے۔

پہلی ہی ملاقات میں امام اوزاعی نے آپ سے پوچھا کہ:

''کوفہ میں جو ایک شخص پیدا ہوا ہے اور دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے یہ کون ہے''۔

امام عبداللہ بن مبارک نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور خاموش اپنی قیام گاہ پر چلے آئے دو تین روز بعد پھر ان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور حنفی فقہ کے چند کتابی اجزاء بھی ہاتھ میں لیتے گئے جن کے سرنامہ پر ''قال نعمان بن ثابت'' لکھا ہوا تھا اور امام اوزاعی کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ امام اوزاعی پڑھتے گئے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک کہ ان کو مکمل پڑھ نہ لیا۔ پھر امام ابن مبارک سے پوچھا۔

اچھا! یہ بتایئے کہ یہ نعمان بن ثابت کون بزرگ ہیں۔

امام ابن مبارک نے عرض کیا:

''جی! نعمان، عراق کے ایک بزرگ اور ہمارے شیخ ہیں ان کی صحبت میں مجھے حاضری کی سعادت حاصل رہی ہے۔''

اوزاعی فرمانے لگے:

''ماشاءاللہ! نعمان تو بڑے پائے کے شخص ہیں۔ جاؤ ان سے بہت

سا فیض حاصل کرو"۔

امام ابن المبارک نے عرض کیا۔ حضرت یہ وہی شیخ ہیں جن کو آپ گزشتہ روز مبتدع بتا رہے تھے۔

چنانچہ امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس کے بعد حج کی تقریب سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔ اہم فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ کی بحث اور تقریر نے امام اوزاعی کو دنگ کر دیا۔ اس نشست میں امام عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے۔ بعد میں جب امام ابو حنیفہ چلے گئے تو امام اوزاعی نے امام ابن مبارک سے کہا کہ:

"امام ابو حنیفہ کے علمی اور فقہی کمالات نے ان کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے بلاشبہ ان کے بارے میں میری بدگمانی غلط تھی جس کا مجھے بے حد افسوس ہے"۔

ابو حنیفہ کا علم حضرت خضر کے علم سے مستفاد ہے:

ازہر بن کیسان کی روایت ہے کہ مجھے ایک مرتبہ خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دیکھا کہ آپ کے پیچھے دو اور بزرگ شخصیتیں بھی تشریف فرما ہیں۔ ان دنوں مجھے امام ابو حنیفہ کے علوم و معارف کی تحصیل و مطالعہ کا شغف زیادہ تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ آگے تشریف فرما ہونے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے پیچھے دونوں بزرگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے حضرات شیخین سے عرض کیا کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمانے لگے ضرور دریافت کیجئے۔ مگر آواز اونچی نہ ہونے پائے۔ تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے امام ابو حنیفہ کے علم کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هذا علم انتسخ من علم الخضر۔ (عقود الجمان 368، الحسان 64)

”ابوحنیفہ کے پاس ایسا علم (لدنی) ہے جو حضرت خضر کے علم سے مستفاد ہے۔“

محدثین عطار اور فقہا اطباء ہیں:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ امام اعمش کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ انہوں نے کچھ مسائل کا تذکرہ کیا اور بعض کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی رائے معلوم کرنا چاہی، امام صاحب نے تفصیل سے ان کا شافی جواب دیا، امام اعمش نے پوچھا آپ یہ جواب کہاں سے دے رہے ہیں۔ بوحنیفہ نے فرمایا:

اس حدیث سے جو آپ نے ہمیں ابی صالح عن ابی ہریرہ کی سند سے بیان کی تھی، نیز فلاں فلاں صحابی کی روایت سے جو آپ سے ہم نے سنی تھی۔ امام اعمش متعجب ہوئے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی فقہی مہارت اور حدیث دانی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے اور بے اختیار پکار اٹھے۔

يا معشر الفقهاء انتم الاطباء و نحن الصيادلة۔

’اے جماعت فقہاء تم لوگ اطباء ہو اور ہم پنساری ہیں۔“

روشندان بنانے سے دیوار گرانے تک امام ابوحنیفہ کی رہنمائی کام کر گئی:

ابن مبارک راوی ہیں کہ ایک شخص امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی دیوار میں روشندان کے کھولنے کا مسئلہ دریافت کیا۔ امام صاحب نے فرمایا جب دیوار تمہاری ہے تو اس میں روشندان کھول سکتے ہو (مگر اس کی غرض اذان سننے اور تازہ ہوا کے آنے جانے تک محدود رہے) خبردار! اس سے پڑوسی کے گھر جھانکنا شرعاً ممنوع ہے۔

جب اس کے پڑوسی کو علم ہوا تو وہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس حاضر ہوا اور صورتِ واقعہ بیان کردی۔ قاضی صاحب نے اسے روشندان کھولنے سے منع کردیا۔ وہ دوسری مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور قاضی صاحب کے امتناعی حکم کی اطلاع عرض کردی۔ امام صاحب نے فرمایا! لیجئے اب کی بار اپنی دیوار میں ایک دروازہ کھول دیجئے، چنانچہ جب وہ دروازہ کھولنے کے لئے دیوار کے پاس آیا اور پڑوسی کو اس کے عزم کا علم ہوا تو وہ پھر سے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس شکایت لے کر آیا۔ قاضی صاحب نے اب کے بار اسے دروازہ بنانے سے بھی روک دیا۔ وہ صاحب امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ قاضی صاحب نے تو مجھے دروازہ کھولنے سے بھی روک دیا ہے۔

تب امام صاحب نے اس سے کہا بھائی! تمہاری ساری دیوار کی کل قیمت کتنی ہے؟ عرض کیا کہ تین دینار۔ امام صاحب نے فرمایا تمہارے تین دینار میرے ذمہ واجب ہوئے۔ جاؤ اور اپنی دیوار کو بیخ و بن سے گرادو۔

وہ حسبِ ہدایت دیوار گرانے آیا تو پڑوسی نے حسبِ سابق اسے منع کیا اور قاضی صاحب کے پاس پھر سے شکایت لایا۔

قاضی صاحب اس سے فرمانے لگے۔ بھائی! تم بھی عجیب آدمی ہو کہ وہ اپنی دیوار گرارہا ہے اس کی اپنی چیز ہے اس میں جیسا تصرف چاہے کرسکتا ہے اور تم ہو کہ مجھے کہتے ہو کہ میں اسے اپنی دیوار گرانے سے روک دوں۔ قاضی صاحب نے دیوار کے مالک سے بھی کہا:

اذهب فاهدمه وَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (عقود الجمان 257)

”چلے جاؤ! اور اپنی دیوار گرادو جو جی چاہے اپنی دیوار سے وہی معاملہ کرو۔“

اس صاحب نے عرض کیا: جناب قاضی صاحب! آپ نے مجھے بے جا تعب و مشقت میں ڈالے رکھا اتنے بڑے کام سے تو میرے لئے روشندان بنانا آسان تھا۔ قاضی صاحب کہنے لگے۔

جب تم ایسے آدمی کے پاس جاتے رہے جو میری خطاؤں کو ظاہر کرتا رہا اب جب کہ میری غلطیاں ظاہر ہوگئی ہیں اور ستر کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو میں اب بات کیسے کرسکتا ہوں جس سے اس کے بعد مجھے مزید فضیحت اٹھانی پڑے۔

قیاس ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دلچسپ لطیفہ:

محمد بن ابراہیم الفقیہہ کی روایت ہے کہ ایک روز امام اعظم ابوحنیفہ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں آپ کے ہاں ایک شخص کا گزر ہوا۔ امام صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ:

- ① میرا خیال یہ ہے کہ یہ شخص مسافر ہے۔
- ① کچھ دیر بعد ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس شخص کی آستین میں کوئی میٹھی چیز بھی ہے۔
- ① پھر کچھ دیر بعد فرمایا کہ میرے خیال میں یہ شخص معلم الصبیان (چھوٹے بچوں کا استاد) ہے۔

حاضرین میں سے ابوحنیفہ کا کوئی شاگرد اٹھا تا کہ اس شخص کے بارے میں یقینی اور قطعی معلومات حاصل کی جاسکیں جب تحقیق کی تو معلوم ہوا۔

- ① واقعی وہ شخص مسافر ہے۔
- ② اس کی آستین میں کشمش ہے۔
- ③ واقعۃً اس کا کام معلم الصبیانی ہے۔

حاضرین نے ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ آپ کو اس کی مسافرت کیسے معلوم ہوئی تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ گھور گھور کر دائیں بائیں دیکھتا رہا اور مسافر جہاں بھی جاتا ہے یہی کرتا ہے۔ میں نے اس کی آستین پر مکھی دیکھی تو یہی سمجھا کہ اس کی آستین میں کوئی میٹھی چیز ہے۔ مکھی ایسی چیزوں کی طرف دوڑ کر آتی ہے اور میں نے اس شخص سے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ صبیان (چھوٹے بچوں) کو بڑی تیز نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ بچوں کا استاد ہے۔

ایک دینار کا مستحق معلوم ہوا تو کل ترکہ اور جمیع ورثاء کی تعیین کر دی:

وکیع سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مجلس ابوحنیفہ میں ایک عورت حاضر ہوئی ہم بھی وہاں موجود تھے عورت نے عرض کیا:

''میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اور اپنے پیچھے اس نے چھ سو دینار کا ترکہ چھوڑا ہے جب وراثت تقسیم ہوئی تو مجھے چھ سو دینار میں صرف ایک دینار دیا گیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ میرے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے اور وہ یہ سمجھتی ہوگی کہ مجھے میت کے بہن ہونے کے ناطے سے زیادہ وراثت کی حقدار ہونا چاہئے اور یہاں صرف ایک دینار میرے حصے کا دیا گیا ہے۔

امام اعظم نے اس سے دریافت کیا کہ یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ کہنے لگی داؤد طائی نے امام صاحب نے فرمایا۔ تجھے ایک دینار کا حقدار ہونا چاہئے اور وہ تجھے مل چکا ہے۔

کہنے لگی وہ کیسے؟ امام صاحب نے فرمایا:

کیا تیرے بھائی نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں نہیں چھوڑیں؟ کہنے لگی ہاں اس کی دو بیٹیاں ہیں۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور اس کی ماں بھی زندہ ہے۔ کہنے لگی درست ہے۔

امام صاحب نے فرمایا۔اس کی بیوی بھی موجود ہے۔کہنے لگی یہ بھی صحیح ہے۔ابوحنیفہ نے فرمایا اور ان کے علاوہ اس کے ۱۲ بھائی اور ایک بہن بھی بقیدِ حیات ہیں کہنے لگی بالکل درست ہے تو امام صاحب نے عورت کو میراث کی تفصیل سمجھاتے ہوئے فرمایا۔

کہ میت کی دونوں بیٹیوں کو ترکہ میں ثلثین (۲ تہائیوں) کا استحقاق حاصل ہے۔لہٰذا چار سو درہم تو ان کا حق ہوا۔

میت کی ماں کے لئے ترکہ میں چھٹا حصہ بنتا ہے لہٰذا سو درہم تو اس کو ملے۔

باقی رہی میت کی بیوی تو اس کا استحقاقِ وراثت ثمن (آٹھواں) ہے لہٰذا پچھتر (۷۵) دینار تو وہ لے لے گی۔

اب کل ترکہ میں ۲۵ دینار رہ جائیں گے۔جو باقی ورثا،میت میں ۱۲ بھائی اور ایک بہن (سائلہ) میں تقسیم کرنے ہوں گے۔

لہٰذا ۲۴ دینار بھائیوں کو ملیں گے۔اس طرح کہ ہر بھائی کے لئے دو دینار کا استحقاق ہوگا۔باقی رہا ایک دینار تو وہ تمہارا حق ہے جو داوٗد طائی نے تمہیں دلوادیا ہے۔

ایک شرعی تدبیر اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقیہانہ بصیرت:

ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایسا پیچیدہ مسئلہ لایا گیا جسے آپ کے ہمعصر علماء بھی حل نہیں کر سکے تھے۔پوچھا گیا کہ ایک عورت چھت پر چڑھنے کیلئے سیڑھی عبور کر رہی تھی کہ اچانک اس کے خاوند کی نظر پڑ گئی۔عورت کا یہ فعل اس پر ناگوار گزرا اور اپنی بیوی سے کہا:

اگر تو اوپر چڑھی تو تجھے تین طلاقیں ہیں اور اگر نیچے اتری تب بھی تین طلاقیں ہیں،اس صورت میں عورت کے لئے وقوعِ طلاق سے بچنے کی شرعی تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آسان ہے کہ عورت مزید اوپر نہ چڑھے اور نہ

نیچے اترے۔ جہاں پہنچی ہے وہاں رک جائے۔ کچھ لوگ چلے جائیں اور اس سیڑھی کو مع عورت کے اٹھا کر زمین پر رکھ دیں تو طلاق واقع نہ ہوگی اور مرد حانث نہ ہوگا اس لئے کہ عورت مزید نہ تو اوپر چڑھی اور نہ نیچے اتری ہے۔

پوچھنے والوں نے پوچھا: اس کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر؟

ارشاد فرمایا: دوسری تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ کچھ عورتیں چلی جائیں اور اس عورت کے ارادہ کے بغیر اسے سیڑھی سے اٹھا کر نیچے زمین پر رکھ دیں تو مرد حانث نہیں ہوگا۔

عورت اس کو ملی جس کی بیوی تھی:

ایک مرتبہ لولؤی قبیلہ کی جماعت کا کوفہ آنا ہوا۔ ان میں ایک شخص کی بیوی حسن و جمال اور زیب و زینت میں فائق تھی۔ کسی کوفی کا اس سے معاشقہ ہوگیا اور اس نے دعویٰ کر دیا کہ یہ عورت میری بیوی ہے۔ جب عورت سے پوچھا تو اس نے بھی کوفی کی بیوی ہونے کا اقرار کرلیا۔ لولؤی بیچارہ جو اس کا اصل خاوند تھا، پریشان ہوگیا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ عورت میری منکوحہ ہے مگر گواہ موجود نہ تھے۔

جب یہ قصہ امام صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابن ابی لیلیٰ، دیگر قضاۃ و فقہا اور عورتوں کی ایک جماعت ہمراہ لے کر لولؤی قبیلہ کے پڑاؤ (قیام گاہ) پہنچے اور عورتوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ لولؤی کے خیمہ میں داخل ہوں۔ جو عورت کے اپنی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ چنانچہ جب کوفی عورتیں علیحدہ علیحدہ کر کے اور اجتماعی طور پر اس خیمہ کے قریب ہوئیں تو ان پر لولؤی کا کتا بھونکنے لگا اور انہیں خیمہ میں داخل ہونے کی رکاوٹ بن گیا۔ اس کے بعد امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متنازعہ عورت کو حکم دیا کہ وہ لولؤی مرد کے خیمہ میں داخل ہو چنانچہ جب وہ عورت خیمہ کے قریب ہوئی تو کتا اس کی خوشامد کرنے لگا، بھونکنا

ترک کر دیا اور آگے پیچھے قدم لئے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، لیجئے مسئلہ حل ہو گیا، جو حق تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ جب متنازعہ عورت سے صحیح صورتحال دریافت کی گئی تو اس نے بھی اعتراف کر لیا کہ واقعتاً وہ لولؤی کی بیوی ہے مگر شیطان کے ورغلانے سے وہ کوفی کی منکوحہ ہونے کا اقرار کر رہی تھی۔

گمشدہ مال کی تلاش اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عمدہ قیاس:

امام ابو یوسف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے آ کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! میں نے گھر کے کونے میں کچھ سامان دفن کر دیا تھا مگر اب ذہن پر دباؤ ڈالنے کے باوجود بھی یاد نہیں آ رہا کہ وہ کہاں گاڑا تھا۔ خدارا میری مدد فرمایئے! امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جب تجھے یاد نہیں کہ تو نے کہاں گاڑا ہے تو مجھے بطریق اولیٰ کچھ یاد نہیں ہونا چاہئے۔

یہ جواب سن کر وہ شخص زار و قطار رونے لگا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو رحم آیا۔ تلامذہ کی ایک جماعت ساتھ لی اور اس شخص کے ساتھ اس کے گھر تشریف لے آئے۔ تلامذہ کو گھر کا نقشہ دکھایا اور ان سے پوچھا کہ اگر یہ گھر تمہارا ہوتا اور تم حفاظت کے لئے اپنا کوئی سامان گاڑتے تو کہاں گاڑتے۔

ایک نے عرض کیا جی میں یہاں گاڑتا، دوسرے نے اپنی جگہ بتائی اور تیسرے نے اپنے قیاس سے کسی جگہ کا تعین کیا۔ جب پانچوں نے اپنے اپنے قیاس مختلف واقع کی نشاندہی کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہی چار پانچ جگہوں میں کسی جگہ گاڑا ہوگا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے کھودنے کا حکم دیا۔ ابھی تیسری جگہ کھودی جا رہی تھی کہ خدا کے فضل سے سارا سامان مل گیا۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو مسرت سے

چہرہ کھلکھلا اٹھا اور ارشاد فرمایا:

خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے تجھ پر تیری گمشدہ چیز واپس کر دی۔

علمی جواب، موقع شناسی:

خلیفہ منصور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد ذہانت، بلند کردار، راست گفتاری اوران کی وسعت علمی سے بے حد متاثر تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان کی مجلس میں خوب کھل کھول کر باتیں کرنے کا موقع ملتا تھا۔ بعض اوقات ظرافت کی باتیں بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ ذیل میں ایک ایسا ہی واقعہ نقل کیے دیتا ہوں جس سے ایک عملی لطیفہ کا حظ بھی حاصل ہو جاتا ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقالِ ذہنی کی سرعت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک روز اتفاقاً قاضی ابن ابی لیلیٰ بھی کسی ضرورت سے یا منصور کی طلبی پر حاضر ہوئے تھے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی بلائے گئے۔ یہ نہیں معلوم کہ مسئلہ کس نے چھیڑا لیکن ایک سوال بہر حال یہ اٹھایا گیا کہ اگر سوداگر اپنے مال کے متعلق گاہک سے یہ کہہ دے کہ جس سودے کو آپ لے رہے ہیں اس کے عیوب اور نقائص سے بری ہوں اس کے بعد بھی اگر آپ لینا چاہتے ہوں تو لے سکتے ہو۔ سوال یہ تھا کہ اس کے بعد سودے میں اگر کسی قسم کا عیب یا نقص نکل آئے تو خریدار کو واپسی کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے تھے کہ سوداگر اس اعلان مطلق کے بعد بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ سودے میں جو عیب بھی ہو جب تک ہاتھ رکھ کر سوداگر اس کو متعین نہ کرے گا اس وقت تک صرف لفظی برأت کافی نہیں ہے۔

دونوں میں اس مسئلہ میں بحث ہونے لگی اور خوب دلائل ہونے لگے۔ منصور

اور تمام اہل دربار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابن لیلیٰ دونوں کی گفتگو بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ جب کسی طرح بھی حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے قائل نہیں ہو رہے تھے تب آخر میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا کہ فرض کیجیے کسی شریف عورت کا ایک غلام ہے وہ اس کو بیچنا چاہتی ہے لیکن غلام میں یہ عیب ہے کہ اس کے آلہ تناسل (عضو مخصوص) پر برص کا داغ ہے تو جناب فرمائیے! تو کیا آپ اس شریف عورت کو یہ حکم دیں گے کہ وہ اپنے غلام کے عیب پر ہاتھ رکھ کر گاہک کو مطلع کرے۔

قاضی ابن لیلیٰ نے اپنی بات کی پیچ میں کہا:

''ہاں بالکل، ہاتھ اسی مقام پر اس کو رکھنا ہوگا''۔

قاضی ابن لیلیٰ کے اس فتوے سے اہل مجلس کھلکھلا اٹھے اور قاضی صاحب کی تضحیک کی۔ لکھا ہے کہ ابوجعفر منصور قاضی ابن ابی لیلیٰ کی ہٹ دھرمی پر بہت برہم ہوا۔

ایک لونڈی اور نضر بن محمد:

نضر بن محمد سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے گھر سے باہر نکلا۔ میرے ساتھ میری لونڈی بھی تھی۔ جب کوفہ پہنچا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر بڑی شفقت فرمائی۔ اپنے ہاں ٹھہرایا اور بے حد اکرام فرمایا اور آنے پر بہت مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔

چند روز قیام کے بعد جب میں حج کے لئے روانہ ہوا تو میں نے اپنی لونڈی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چھوڑ دی کہ وہ ان کی خدمت بھی کرتی رہے اور میرے واپس آنے تک ان کے ہاں قیام بھی کرے۔ جب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوا تو

کوفہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چندے قیام کے بعد میں نے ارادہ کرلیا کہ اب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو زیادہ زحمت نہیں دینی چاہئے لہٰذا ان کے ہاں سے میں نے دوسری جگہ (کناسہ) منتقل ہونے کا فیصلہ کرلیا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اپنی خادمہ کو حکم دیجئے کہ وہ میری لونڈی کو کناسہ میں فلاں صاحب کے گھر پہنچا دے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارا گھر آپ کا گھر ہے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے مگر نضر اس پر رضامند نہ ہوئے اور ان کے مطالبہ کے مطابق ان کی لونڈی مذکورہ مقام تک پہنچا دی گئی۔ بعد میں جب نضر بھی وہاں پہنچ گئے اور لونڈی سے خلوت ہوئی تو نضر کہتے ہیں کہ لونڈی نے مجھ سے کہا۔

کیا آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے نہیں ہیں؟ میں نے کہا ہاں میں تو ان کا شاگرد ہوں کہنے لگی، تیرا مذہب اور تیرا طریقہ تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب اور طریقہ کے ہرگز مطابق نہیں بلکہ دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

نضر نے کہا: کون ہے جو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت، فقہی مہارت اور روحانی بصیرت تک پہنچ سکے۔

کہنے لگی: نہیں نہیں، میں علم وفقہ کی بات نہیں کہنا چاہتی۔ میں تو ان کے عام معاملات اور بود و باش کی بات کررہی ہوں۔ دیکھئے آپ مجھ سے چار ماہ تک غائب رہے اور اس عرصہ میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ٹھہری رہی۔ مگر حیرت ہے کہ اس طویل عرصہ میں نہ تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ناشتہ صبح کا کھانا اور نہ عشاء کے کھانے کے تیار کرنے کا اہتمام ہوا کرتا تھا اور نہ آرام کرنے اور بستر بچھانے کے انتظام پر توجہ دی جاتی تھی۔

جب رات ہوتی تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ کی بارگاہ میں ریاضت وعبادت کا مجسمہ بن کر

کھڑے ہو جاتے گویا سیدھی کی ہوئی لکڑی ہے اور اس حالت میں صبح ہو جاتی۔
ہمارے لئے اچھے کھانے کا انتظام کرتے مگر خود کبھی چھانے ہوئے آٹے کی روٹی کا اہتمام بھی نہ کیا۔

کہتے ہیں جب نضر نے اپنی لونڈی کی یہ گفتگو اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضت کی یہ کیفیت دیکھی تو ششدر رہ گئے۔ خوشیاں غم میں بدل گئیں اور وجد و کیفیت کے ایسے عالم میں ڈوب گئے کہ کسی چیز کا خیال نہ رہا۔ حتیٰ کہ نضر نے اسی غم اور حیرت و استعجاب اور اپنی کمزوری پر ندامت کے تصور میں گھر کے ایک کونے میں رات گزار دی اور لونڈی نے دوسری کونے میں۔

دنیا کی کوئی شے انسان سے زیادہ حسین نہیں:

قرطبی نے سورۃ التین کی بحث میں لکھا ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کا چہیتا رئیس عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتا تھا۔ چاندنی رات تھی، اپنی محبوب بیوی سے دل لگی کی بات کر رہا تھا۔ چاند کی چاندنی اور اپنی بیوی کے حسن و جمال کے دو مختلف مناظر اس کے سامنے تھے۔ بے چارہ وفورِ محبت کر کے بے اختیار بول اٹھا۔

انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر۔

''تجھ پر تین طلاقیں ہیں اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہ ہو۔''

عیسیٰ بن موسیٰ کا یہ کہنا تھا کہ بیوی اٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ شوہر یعنی عیسیٰ نے مجھے طلاق دے دی۔ بات تو ہنسی اور دل لگی کی تھی مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے، خواہ ہنسی اور دل لگی ہی میں کہا جائے۔ بیچارے عیسیٰ نے ساری رات بڑی بے چینی اور رنج و غم میں گزاری اور صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سنایا اور اپنی بے

پناہ پریشانی کا اظہار کیا۔

منصور نے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا تو سب نے جواب دیا کہ طلاق ہو گئی کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لئے امکان نہیں مگر ایک عالم جو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے، خاموش بیٹھے رہے اور دیگر فقہا سے موافقت نہ کی۔

منصور نے پوچھا، حضرت آپ کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔

تب یہ بولے اور جواب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ التین کی تلاوت کی اور فرمایا، اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم ہونا بیان فرمایا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

''ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت سانچہ میں پیدا کیا۔''

خالق حقیقی کی نظر میں اور قرآن کی رو سے دنیا کی کوئی شے بھی انسان سے زیادہ حسین نہیں۔

یہ سن کر سب علماء حاضرین حیرت میں رہ گئے اور کوئی مخالفت نہیں کی۔ خلیفہ منصور نے انہی کے فتویٰ پر عمل کیا اور فتویٰ دے دیا کہ کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

اجتہاد اور پریشانی:

ایک مرتبہ کسی مجلس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کبھی اپنے اجتہاد پر پشیمان بھی ہوئے ہیں؟ فرمایا، کہ ہاں! ایک دفعہ جب لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ ایک حاملہ عورت مرگئی ہے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے کیا کیا جائے؟ تو میں نے ان سے کہا کہ عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لو۔ پھر میں

نے افسوس کیا کہ میں نے مردہ کو ایسی تکلیف دینے کا حکم کیوں دیا، اور اب میں نہیں جانتا کہ وہ بچہ زندہ باہر نکلا یا مردہ؟ تو سائل نے عرض کیا حضرت! یہ جگہ افسوس کی نہیں، فضل خدا تمہارے شامل حال ہے، وہ بچہ میں ہی ہوں اور آپ کے اجتہاد کی برکت سے زندہ نکل کر علم فقہ اور اجتہاد کو پہنچا ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے متعلق سوانح نگاروں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت لکھی ہے جسے خطیب بغدادی نے بھی نقل کیا ہے اور موفق نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ راوی علی بن میمون ہیں جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں کہ میں نے خود اپنے کانوں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

انی لاتبرك بابی حنیفه واجیئ الی قبره فی کل یوم یعنی زائراً فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت الیٰ قبره وسالت اللّٰه تعالیٰ الحاجة عنده۔

''میں ابوحنیفہ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، ہر روز ان کی قبر کی زیارت کو جاتا ہوں، جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو دعا کے بعد مراد بر آنے میں دیر نہیں لگتی۔''

غیبی آواز:

ایک روز امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے کہ لاعلمی میں آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر آ گیا۔ اس لڑکے نے کہا، اے شیخ! کیا تم قیامت کے روز خدا کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے یہ بات سنی تو غش کھا کر گر گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا

تو مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی، اس لڑکے کی بات نے آپ کے دل پر اتنا عظیم اثر کیا؟ آپ نے فرمایا، "کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو"۔

خلیفہ منصور اور بیوی:

ایک بار عباسی خلیفہ منصور اور اس کی بیوی میں اختلاف ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا، کسی کو منصف بنا لو۔ اس نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا اور خلیفہ کی بیوی پردے کے پیچھے بیٹھی تاکہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ خود سنے۔ منصور نے آپ سے پوچھا، کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ آپ نے فرمایا، چار عورتوں سے۔ منصور نے اپنی بیوی سے کہا، غور سے سن لو۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے کہا، امیر المومنین! چار بیویوں کی اجازت اس کے لیے ہے جو ان میں عدل کر سکے، ورنہ ایک نکاح کا حکم ہے۔ یہ سن کر خلیفہ خاموش ہو گیا۔

اہلِ کوفہ کو قتلِ عام سے بچالیا:

ضحاک بن قیس شیبانی حروری خارجیوں کا کمانڈر تھا۔ وہ عراق کے مختلف شہروں پر حملہ کرتا تو مسلمانوں کا قتل عام کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر کوفہ میں بھی آ پہنچا اور جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ گیا اور ایک فرمان جاری کیا کہ کوفہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اس وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چادر اور قمیض پہنے مسجد میں تشریف لائے اور ضحاک سے کہا، میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ ضحاک نے پوچھا، کیا بات ہے؟ آپ نے پوچھا، تم لوگوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو اور بچوں کو قید کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہو؟ اس نے کہا، یہ سب مرتد ہیں ان کے ارتداد کی یہی سزا ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ارتداد تو ایک دین سے دوسرے دین کے اختیار

کرنے کا نام ہے۔ تم بتاؤ وہ پہلے کس دین پر تھے اور اب کس دین میں شامل ہوئے ہیں، کیا اب وہ اپنے پہلے دین میں نہیں رہے؟ ضحاک نے کہا، اپنے سوال کو پھر دہرائیے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ پہلے کس دین پر تھے جسے چھوڑ کر اب دوسرے دین کو اختیار کر رہے ہیں؟ ضحاک نے کہا، واقعی یہ میری غلطی ہے۔ اس نے لشکر کو حکم دیا کہ تلواریں میانوں میں کرلو اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ تھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت جس نے سارے کوفہ والوں کو قتل ہونے سے بچالیا۔

کعبہ دیکھو تو یہ دعا مانگو:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ پر جب پہلی نظر پڑے تو جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر شخص متردد ہوتا ہے کہ کون سی دعا مانگے اور کس دعا کو دوسری دعاؤں پر فوقیت دے۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثل ذہانت سے اس مسئلہ کا بھی نہایت شاندار حل بتایا ہے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلی بار بیت اللہ شریف کی حاضری کے لیے گئے اور آپ کی پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے یہ دعا مانگی، ''اے اللہ! مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ یعنی میں جو بھی دعا کروں وہ قبول ہو جائے''۔

حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟

ابو العباس طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا۔ امام بھی جانتے تھے کہ اس کے خیالات کیا ہیں۔ ایک دن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عباسی خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے اور بھی بیشمار لوگ موجود تھے۔ طوسی نے کہا کہ آج میں ابوحنیفہ کو قتل کرا دوں گا۔ وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہوا، امیر المومنین کبھی ہم میں سے کسی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کسی کو قتل کر دے اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ واقعی مجرم ہے یا نہیں۔ ایسی

صورت میں ہمیں خلیفہ کا حکم ماننا چاہیے یا نہیں؟ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اے ابو العباس، پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟ طوسی، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جس جال میں پھنسانا چاہ رہا تھا آپ کی حاضر جوابی سے خود اسی جال میں پھنس گیا۔

یہ مومن ہے یا کافر:

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے جنت کی کوئی امید نہیں، میں اللہ سے نہیں ڈرتا، مجھے دوزخ کی کوئی پروا نہیں، مردار کھاتا ہوں، نماز میں رکوع و سجود نہیں کرتا۔ میں اس چیز کی گواہی دیتا ہوں جسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میں حق سے نفرت کرتا ہوں اور فتنے سے محبت کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا اور متوجہ ہو کر فرمایا، اس شخص کی ان باتوں کا کیا جواب ہے؟ بعض شاگردوں نے کہا، ایسا شخص تو کافر ہو گیا، بعض خاموش رہے۔ آپ نے اس گفتگو کو اس انداز میں سلجھایا اور فرمایا:

یہ شخص جنت کی امید نہیں رکھتا صرف اللہ کی ذات کی امید رکھتا ہے۔ جنت سے اللہ کی محبت اور امید بڑھ کر ہے۔

وہ مردار کھاتا ہے یعنی مچھلی ذبح کئے بغیر کھاتا ہے اور بغیر رکوع اور سجود کے نماز ادا کرتا ہے یعنی نماز جنازہ۔

وہ بلا دیکھے گواہی دیتا ہے، اس نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر اس کی ذات کی گواہی دیتا ہے۔ یہ اس قیامت کی بھی گواہی دیتا ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔

وہ حق سے نفرت کرتا ہے، موت حق ہے اور وہ موت سے نفرت کرتا ہے۔ وہ فتنے سے محبت کرتا ہے، یعنی اسے اپنی اولاد سے محبت ہے جو ایک فتنہ ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سن کر وہ شخص اٹھا اور آپ کے سر کو چوما اور کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ علم کے سمندر ہیں، ذہانت کے دریا ہیں۔ میں آپ سے متعلق جو خیالات رکھتا تھا، ان سے توبہ کرتا ہوں''۔

شفقت و ہمدردی اور انسانی مروت کا حیرت انگیز واقعہ:

مشہور شیخ الصوفیہ حضرت شفیق بلخی کی یہ چشم دید روایت نقل کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں ایک روز ابوحنیفہ کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اتنے میں دور سے آتے ہوئے شخص نے ہمیں دیکھ کر راستہ بدل دیا اور ایک دوسری گلی میں مڑ گیا۔

شفیق فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ اسی شخص کو خطاب کر کے پکار رہے ہیں۔

''جس راستہ پر تم آ رہے تھے اسی پر چلے آؤ بھائی! دوسری راہ تم نے کیوں اختیار کی''۔

راہ گیر ٹھہر گیا، ہم قریب پہنچے تو بے چارہ کچھ کچھ شرمایا سا کھڑا ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی راہ کیوں بدل لی؟ راہ گیر نے عرض کیا حضرت! دس ہزار کی رقم آپ کی مجھ پر باقی ہے ادا کرنے میں تاخیر ہوگئی ہے۔ آپ کو دیکھ کر سخت ندامت ہوئی۔ نظر برابر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اس لئے دوسری گلی کی طرف مڑ گیا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! بس اتنی سی بات کے لئے تم نے مجھے دیکھ کر راستہ بدل دیا اور مجھ سے چھپنے کی کوشش کی۔ صرف یہ نہیں بلکہ امام صاحب نے قرض دار کو یہ بھی کہا کہ

قد وهبت منی کله۔ (الموفق 260)

''جاؤ میں نے یہ ساری رقم اپنی طرف سے تمہیں ہبہ کر دی ہے۔''

ابوحنیفہ نے صرف اس پر کہاں اکتفا کیا۔ شقیق راوی ہیں کہ اس پر مستزاد یہ کہ امام ابوحنیفہ اپنے قرض دار سے معافی مانگ رہے تھے۔

بھائی! مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں ندامت یا دہشت کی جو کیفیت پیدا ہوئی خدا کے لئے معاف کر دو۔

ابوحنیفہ کا زندگی میں پہلا اور آخری عدالتی فیصلہ:

جن دنوں دجلہ کے اس پار ایک چھوٹی سی آبادی کی بنیاد پڑ رہی تھی جو بعد میں ایک بڑا فوجی کیمپ قرار پایا اور رصافہ کے نام سے مستقل شہر بن گیا۔ امام ابوحنیفہ نے قاضی القضاۃ اور وزارتِ عدل کے جلیل منصب کو ٹھکراتے ہوئے چند ایک گھروں کی اس چھوٹی سی بستی کی دو ایک روز کی قضا قبول کر لی۔ آپ کی عدالت میں سب سے پہلا اور آخری مقدمہ جو دائر ہوا اور جس کے بعد امام ابوحنیفہ نے استعفیٰ دے دیا۔ وہ ایک غریب ٹھٹھیرے (صفار) کا تھا۔ جس نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو پیتل کی ایک ٹھلیا دی تھی جس کی قیمت میں دو درہم اور چار پیسے باقی رہ گئے۔ ابوحنیفہ نے مدعیٰ علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

بھائی! اللہ سے ڈر، ٹھٹھیر جو کچھ کہہ رہا ہے بتا کہ واقعہ کیا ہے؟

مدعیٰ علیہ نے انکار کر دیا۔

مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے تو مدعیٰ علیہ پر قسم آتی تھی لہٰذا قانونی طریقہ اختیار کرتے ہوئے ابوحنیفہ نے مدعیٰ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

قل و اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ (تاریخ بغداد جلد 13 صفحہ 329)

''کہ اچھا کہو! قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''

ابوحنیفہ نے دیکھا کہ مدعیٰ علیہ بغیر کسی جھجک کے بے تحاشا قسم کھانے لگا۔

ایمان کی حسّی ذکاوت سے ابوحنیفہ کی فطرت سرفراز تھی۔ قسم کھانے کی یہ دلیری اور جرأت ان کے لئے نا قابلِ برداشت ہوگئی۔ مدعیٰ علیہ کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ ابوحنیفہ نے اس کی بات کو کاٹ کر اسے چپ کرا دیا اور اپنے دستی بیگ سے دو بھاری بھاری درہم نکال کر ٹھٹیرے کو دیتے ہوئے فرمایا:

"اپنے دام کے جس بقایا کا تم نے اس پر دعویٰ کیا ہے مجھ سے لے لو۔
اس طریقہ سے مدعیٰ علیہ کو آپ نے قسم کھانے سے روک لیا اور ساری
زندگی کسی مقدمہ کے عملی تجربے کا یہی ایک موقعہ تھا جو آپ کو ملا۔"

ابوحنیفہ کی تدبیر سے گمشدہ متاع مل گئی:

ایک صاحب نے امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے کچھ روپے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیئے تھے اب ہزار کوشش کے باوجود یاد نہیں آ رہا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجھ کو سخت ضرورت درپیش ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ بھائی یہ مسئلہ تو فقہ میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو۔ اس شخص نے بڑی لجاجت کی اور کہا، خدارا میری مدد فرمایئے تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا۔ ابھی سے وضو کر کے ساری رات نماز پڑھو۔

صاحبِ واقعہ نے وضو کیا اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی دیر بعد کہ ابھی چند رکعت نماز پڑھی تھی اس کو یاد آ گیا کہ روپے فلاں جگہ رکھے تھے۔ وہ شخص دوڑا ہوا امام اعظم ابوحنیفہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ آپ کی تدبیر راست آئی اور مجھے گمشدہ متاع مل گئی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ ہاں۔ شیطان کب گوارا کر سکتا تھا کہ رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لئے اس نے جلد یاد دلا دیا۔ تاہم تمہارے لئے مناسب یہ تھا کہ اس کے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور تمام رات نمازیں پڑھتے تا کہ

شیطان کو بھی ذلت نصیب ہوتی۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان جلد۵ص۴۱۱وعقود الجمان ص ۲۶۸)

غسل جنابت بھی ہو گیا اور طلاق بھی واقع نہ ہوئی!

ایک صاحب امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بظاہر ایک لاینحل مشکل درپیش ہے اگر غسل کرتا ہوں تو بیوی کو طلاق ہوتی ہے۔ اگر جنابت میں رہتا ہوں تو اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر میں غسلِ جنابت کروں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ اب کیا کروں، خدارا میری مدد فرمایئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور باتوں باتوں میں انہیں وہاں قریب کے ایک نہر کی پل پر لائے اور دفعتہً اسے پانی میں دھکا دے دیا۔ وہ شخص از سر تا قدم پانی میں ڈوب گیا۔ پھر امام صاحب نے اسے باہر نکلوایا اور اس سے فرمایا:

''جا، اب تیرا غسل بھی ہو گیا ہے اور بیوی کو بھی طلاق نہیں ہوئی۔''

غسل کے سلسلے میں امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا کلی کرنا اور پورے جسم پر پانی بہانا فرض ہے جسم کو ملنا فرض نہیں ہے اور نیت بھی فرض نہیں ہے اور اس مسئلہ میں بلا قصد وارادہ فرض ادا ہو چکے ہیں اس لئے غسل بھی ہو گیا اور اس شخص کی عورت پر بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ایک مظلوم حمامی کی نصرت کا واقعہ:

علامہ نعمانی نے قلائد عقود العقیان کے حوالہ سے ایک قصہ نقل کیا ہے جس سے بظاہر ابوحنیفہ کو تدوینِ فقہ کے خیال کی انگیخت ہوئی ہے لکھتے ہیں کہ:

دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے۔ ایک ان میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی اس نے دے دی اور یہ چلتا بنا۔

جب دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو حمامی نے عذر کیا اور کہا کہ میں نے تمہارے شریک کے حوالے کر دی ہے۔ اس نے عدالت میں استغاثہ کیا۔

قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں نے مل کر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تیرے لئے لازم تھا کہ دونوں کی موجودگی میں امانت واپس کرتا۔ بے چارہ حمامی گھبرایا ہوا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور سارا ماجرا سنایا۔ امام صاحب نے فرمایا تم جا کر اس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن قاعدہ کے موافق تنہا تمہیں نہیں دے سکتا۔ اپنے شریک کو لاؤ تو مجھ سے لے جاؤ۔ اس طرح شریک کو لایا نہ جا سکا اور بیچارہ مظلوم حمامی ابوحنیفہ کی تدبیر سے ناجائز ظلم سے محفوظ رہا۔

کوتوال کی شرارت

اللہ کے خاص بندوں کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ ہر بری بات کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے پھر بھی اس اچھے کام کو نہیں چھوڑتے۔

ہمارے عزت والے بزرگ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی ساری زندگی اسی طرح گزاری۔ جب بھی کوئی غلط بات سنتے اور برا کام دیکھتے تھے اس کی مخالفت کرتے تھے۔ آپ کے پاس اچھے طریقے کی وجہ سے کوفہ شہر کے قاضی کی طرح کوتوال بھی آپ کا مخالف ہو گیا تھا اور ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا، کہ کوئی بہانہ ہاتھ آئے تو آپ کو گرفتار کر لے۔ لیکن آپ ایسا کوئی کام ہی نہ کرتے۔ آپ کا تو سارا وقت دنیا کی بھلائی اور اللہ کے سچے دین کے کاموں میں گزرتا تھا۔

جب بہت دن تک کوتوال کے ہتھ کوئی بہانہ نہ آیا تو اس برے آدمی نے یہ سوچا کہ کوئی الزام لگا کر حضرت امام صاحب کو جیل خانے بھجوا دینا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ

ایک آوارہ عورت کے پاس گیا اور اسے بہت سارے روپے دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ آپ کے اوپر بدچلنی کا الزام لگا دے۔

کوتوال کے کہنے کے مطابق ایک دن وہ عورت فقیرینوں کے سے کپڑے پہن کر حضرت امام صاحب کے پاس آئی اور رو رو کر کہنے لگی۔ ''یا حضرت میرا ایک عزیز بہت سخت بیمار ہے۔ مجھے کسی نے بتایا ہے کہ اگر آپ اس کے پاس جا کر دعا کریں تو وہ اسی وقت اچھا ہو جائے گا''۔

امام صاحب تو دوسروں کی مدد کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے' اس عورت کی باتیں سن کر فوراً ساتھ ہو لئے۔ ادھر کوتوال نے پہلے ہی سے اس آوارہ عورت کے گھر کے آس پاس اپنے سپاہی لگا رکھے تھے۔ جیسے ہی آپ اس کے گھر میں گئے' سپاہیوں نے فوراً آپ کو گرفتار کر لیا کہ آپ ایک آوارہ عورت کے گھر آتے جاتے ہیں۔

دیکھا جائے تو یہ ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔ کوتوال نے اپنی بات سچ ثابت کرنے کے لئے اس عورت کو بھی آپ کے ساتھ ہی حوالات میں بند کر دیا تھا۔ لیکن اللہ پاک کی ذات پر پورا پورا بھروسہ ہونے کی وجہ سے آپ ذرا بھی نہ گھبرائے۔ جس وقت کوتوال کے سپاہی حوالات میں بند کر کے چلے گئے۔ آپ اللہ پاک کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

کسی برے آدمی پر الزام لگانا آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب معاملہ کسی نیک اور شریف آدمی سے آ پڑے تو برے سے برے آدمی کا بھی دل ڈر جاتا ہے۔ یہی حال اس آوارہ عورت کا ہوا۔ اس نے جو حضرت امام صاحب کو اللہ پاک کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے دل پر خوف چھا گیا۔ پچھتاوا کرنے لگی کہ میں نے یہ کیا کیا! ذرا سے لالچ کی وجہ سے ایک شریف آدمی کو مصیبت میں پھنسا دیا۔

ادھر یہ عورت دل ہی دل میں توبہ استغفار کر رہی تھی۔ادھر حضرت امام صاحب کی بیوی کو اس واقعے کا علم ہوا تو وہ اپنے خاوند کا حال معلوم کرنے کے لئے کوتوالی پہنچ گئیں اور سپاہیوں سے کہہ سن کر انہیں اس بات پر راضی کر لیا کہ حضرت امام سے بات چیت کر لیں۔جب وہ حوالات کے اندر آئیں تو آوارہ عورت نے انہیں تسلی دی اور ساری باتیں صاف صاف بتا دیں۔اس کے بعد اس نے کہا ''بی بی اب تم اس طرح کرو کہ میرے کپڑے تم پہن لو اور اپنے کپڑے مجھے پہنا دو۔میں تمہارے کپڑے پہن کر اپنے گھر چلی جاؤں گی اور تم یہیں اپنے خاوند کے پاس رہنا۔اس طرح تمہیں تھوڑی سی تکلیف تو ہوگی لیکن تمہارا نیک خاوند بدنام ہونے سے بچ جائے گا۔سو دشمن سو دوست' اگر کوتوال نے ان کے ساتھ مجھے قاضی کی عدالت میں پیش کیا تو ان کے بارے میں ضرور شک پڑ جائے گا۔''

امام صاحب کی بیوی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی' اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔اس عورت کو اپنا لباس دے دیا۔اور وہ اطمینان سے اپنے گھر چلی گئی۔

کوتوال اپنے دل میں خوش ہو رہا تھا کہ آج میں نے اپنے سب سے بڑے مخالف کو پھانس لیا ہے۔جب ایک آوارہ عورت کے ساتھ عدالت میں پیش کروں گا تو حضرت کی ساری نیک نامی ختم ہو جائے گی۔لیکن جس وقت آوارہ عورت کی جگہ حوالات کے اندر حضرت امام صاحب کی بیوی کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔اب کیا ہو سکتا تھا۔اگر قاضی کی عدالت میں مقدمہ لے جاتا تو الٹا خود ہی سزا پاتا۔شرمندہ ہو کر امام صاحب سے معافی مانگی اور آپ کو عزت کے ساتھ رہا کر دیا۔

ہمسائے کا حق

ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پڑوسیوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور آپؐ نے

سب مسلمانوں کو ایسا ہی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ہم آپ کو حضرت امام حنیفہؒ کا ایک واقعہ سناتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا' کہ پڑوسیوں کے حقوق کا کس قدر خیال رکھنا چاہئے۔

ایک یہودی' امام صاحب کے پڑوس میں رہتا تھا۔اس کے گھر کی نالی امام صاحب کے مکان کے صحن میں سے گزرتی تھی۔اس نالی سے یہودی کے گھر کا کوڑا کرکٹ ملا غلیظ' گندہ اور بدبودار پانی بہہ بہہ کر آیا کرتا تھا' امام صاحب کے مکان کے صحن کی نالی اس گندگی سے اٹ جاتی اور سارے مکان میں سخت بدبو پھیل جاتی۔امام صاحب پورے دس سال تک خود تکلیف اٹھاتے رہے' لیکن اپنے پڑوسی یہودی سے اس کی شکایت تک نہ کی۔امام صاحب نالی کو ہر روز صاف کرا دیتے۔یہودی نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی امام صاحب کی تکلیف کی پرواہ نہ کی۔

دس سال کے بعد ایک دن یہودی کو اپنی اس بے پروائی کا خیال آیا۔دل ہی دل میں سخت شرمندہ ہوا اور اسی وقت امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس زیادتی اور بے پروائی کی معافی مانگی۔

امام صاحب نے فرمایا:

''بھائی' معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے' میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے تم کیوں شرمندہ ہوتے ہو' ہمارے مذہب اسلام میں پڑوسی کے اس سے بھی زیادہ حقوق ہیں۔میں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے کہے پر عمل کیا ہے۔تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔''

یہودی کے دل پر امام صاحب کی بات کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

باب سوم

علم اور اہلِ علم سے تعلق

علم کی طرف رغبت:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں، میں ایک دن بازار جا رہا تھا کہ کوفہ کے مشہور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا، بیٹا کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کی، بازار میں کاروبار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو، مجھے تمہاری پیشانی پر علم و فضل اور دانشمندی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ان کے اس ارشاد نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے علم دین کے حصول کا راستہ اختیار کیا۔ (مناقب للموفق: ۸۴)

آپ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس کے قریب رہتے تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے وہ کیا طریقہ اختیار کرے؟ آپ نے اسے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا اور فرمایا کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتا کر جانا۔ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، وہ شخص عورت کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں۔ تیسرے حیض کے اختتام پر وہ عورت غسل کرے گی اور نکاح کے لئے آزاد ہو گی۔ یہ جواب سن کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت اٹھے اور امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو اکثر یاد کر لیا کرتا اور مجھے ان کے اسباق مکمل طور پر حفظ ہو جاتے۔ آپ کے شاگرد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا چنانچہ استادِ گرامی حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے میری ذہانت اور لگن کو دیکھ کر فرمایا:

"ابو حنیفہ میرے سامنے صفِ اوّل میں بیٹھا کرے۔ اس دریائے علم سے سیراب ہونے کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا"۔

(مناقب للموفق: ۸۸، الخیرات الحسان: ۸۷)

تحصیل علم کی ابتداء:

امام صاحب کا آبائی پیشہ تجارت تھا، اسی لئے آپ نے بھی اس کو اختیار کیا اور اس کو ذریعہ رزق بنائے رکھا۔ ائمہ میں کسب معاش اور اشاعت علم دو متضاد راہوں پر بیک وقت گامزن ہونے کی سب سے پہلی مثال آپ نے قائم کی آپ نے اپنے علم کو امراء و سلاطین کے عطیات کا کبھی شرمندہ احسان نہیں بنایا اور نہ تلامذہ اور عقیدت مندوں کا ہی مرہون کرم بنایا بلکہ تلامذہ اور غربا و مساکین کو اپنے مال میں شریک بنائے رکھا اور ہمیشہ ایسے ضرورت مندوں کی تربیت و پرورش فرمائی جو لاوارث اور نادار تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کے پرورش کردہ اور تربیت یافتہ ہیں۔

ریشمی کپڑے کی تجارت کا کام تھا ہزاروں اور لاکھوں کا کاروبار تھا اور عراق و شام، ایران و عرب کو مال سپلائی کیا جاتا تھا اتنے پھیلاؤ اور وسعت کے باوجود کیا مجال کہ ایک درہم مشتبہ آ جائے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تجارت صدق و امانت میں حضرت صدیق اکبر کی تجارت کا نمونہ تھی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور علوم عصریہ:

مندرجہ بالا تصویحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحب کو وقت کے تمام علوم میں دسترس حاصل تھی۔ پہلے انہوں نے امام عاصم کی قرأت کے مطابق قرآن پاک حفظ کیا۔ علم حدیث، ادب وشعر اور نحو وغیرہا تمام علوم میں بقدرِ ضرورت مہارت حاصل کی۔ مسائلِ اعتقادیہ میں مختلف فرقوں کے ساتھ مجادلہ کیا۔ ان مناقشات کے لیے بصرہ تک پہنچے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جدل و پیکار کے لیے سال سال بھر مقیم رہتے، مگر آخر کار فقہ کے لیے وقف ہو گئے۔

تدریس کی ابتداء:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں ہمیشہ نمایاں مقام حاصل رہا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال آیا کہ اپنا حلقۂ درس علیحدہ قائم کریں۔ جس دن آپ نے حلقہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اسی رات کو آپ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ان کو اطلاع ملی کہ ان کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہو گئے اور آپ کو اپنا خلیفہ بنا گئے۔

ان کی غیر موجودگی میں آپ نے ساٹھ ایسے مسائل پر فتوے دیئے جن کے متعلق آپ نے استاد سے نہ سنا تھا۔ بعد میں آپ نے وہ جواب استاد کو دکھائے تو انہوں نے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور بیس مسائل میں اصلاح کی۔ اس وقت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قسم کھائی کہ جب تک زندگی ہے، اماد حماد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کو نہیں چھوڑیں گے۔ (الخیرات الحسان:۸۷)

جب آپ کے استاد امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو لوگوں نے ان کے بیٹے سے استدعا کی کہ وہ اپنے والد کی مسند پر تشریف لائیں مگر وہ اس عظیم ذمہ داری کے لئے

راضی نہ ہوئے۔ آخر کار امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزارش کی گئی تو آپ نے فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ علم مٹ جائے اور ہم دیکھتے رہ جائیں۔ چنانچہ آپ اپنے استادِ مکرم کی مسند پر بیٹھے۔ اہلِ علم کا ایک بڑا حلقہ آپ کے گرد جمع ہونے لگا۔

آپ نے اپنے شاگردوں کے لئے علم وفضل کے دروازے کھول دیئے، محبت وشفقت کے دامن پھیلا دیئے، احسان وکرم کی مثالیں قائم کر دیں اور اپنے شاگردوں کو اس طرح زیورِ علم سے آراستہ کیا کہ یہ لوگ مستقبل میں آسمانِ علم وفضل کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکتے رہیں۔ (مناقب للموفق:۹۵)

استاذ سے پہلا اختلاف:

ایک دفعہ امام صاحب اور امام حماد شریک سفر تھے پانی موجود نہیں تھا اتنے میں عصر کی نماز کا وقت قریب آ گیا حماد نے تیمّم کر کے نماز ادا کی، امام صاحب نے نماز نہیں پڑھی بلکہ پانی ملنے کی امید پر نماز کو آخر وقت تک مستحب تک موخر رکھا جب آگے چل کر پانی مل گیا تو امام صاحب نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ امام صاحب کا فرمانا ہے کہ ایسے آدمی کو جسے آخری وقت مستحب تک پانی ملنے کی امید ہو نماز کو موخر کر دینا چاہئے۔ امام حماد نے امام صاحب کے اس اجتہاد کی تعریف کی یہ امام صاحب کا اپنے استاد سے پہلا اختلاف تھا اور پہلا ہی اجتہاد تھا جو درست اور صحیح ثابت ہوا۔

استاد کا احترام:

امام صاحب اپنے استاد کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ اپنے والدین کے ساتھ اپنے اساتذہ اور امام حماد کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو، امام صاحب جب تک حیات رہے اپنے استاد کے مکان کی طرف پیر پھیلا کر نہیں سوئے۔

حماد کا حلقہ درس:

زمانہ قدیم میں درس کا طریقہ یہ نہیں تھا جو آج ہے بلکہ حلقہ درس میں تلامذہ استاد کی تقریر کو بغور سنتے اور اس کو حافظہ میں محفوظ کر لیتے اور بعض لکھ بھی لیتے تھے۔ امام حماد کے یہاں بھی یہی دستور تھا لیکن تلامذہ کے بیٹھنے میں ترتیب قائم ہوتی تھی قدیم اور ذہین طلباء کو آگے جگہ دی جاتی تھی، لیکن امام صاحب کو حماد کے حلقہ درس میں دوسرے دن ہی صف اول میں جگہ مل گئی تھی۔

امام صاحب کس طرح امام حماد کے حلقہ درس میں پہنچے اس کے دواعی کیا تھے،

یحییٰ بن شیبان امام صاحب سے روایت کرتے ہیں:

> ''جب میں ایک مدت مناظرہ میں صرف کر چکا تو میں نے سوچا اور اپنے نفس سے سوال کیا کہ کیا وہ علوم مجھے آتے ہیں جو اصحاب رسول ﷺ کو آتے تھے اور سب تابعین ان کے ماہر تھے وہ لوگ جدل و مناظرت نہیں کرتے تھے بلکہ تعلیم و افتاء میں لگے رہتے تھے لیکن آج لوگوں کا یہ حال نہیں ہے یہ سوچ کر میں نے مناظرہ اور علم کلام کو ترک کر دیا اور ابواب فقہ کی تحصیل میں لگ گیا۔''

امام صاحب کے ان خیال کو مزید سہارا اس وقت ملا جب کسی عورت نے آپ سے ایک مسئلہ معلوم کیا جس کا آپ جواب نہ دے سکے اس کے بعد فوراً ہی بلا تامل امام حماد کے حلقہ درس میں آکر شریک ہو گئے جو آپ کے گھر کے قریب ہی تھا۔

امام صاحب کے متعلق یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ آپ سے منقول ہے کہ جب میں نے تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے، میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں، سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا لیکن فیصلہ کرنا پڑا کہ اس سے

بھی کچھ حاصل نہیں کیونکہ اگر اس کا اظہار کیا جائے تو لوگ الحاد کی تہمت لگائیں گے، ادب اور قرأت کا بجز مکتب پڑھانے کے کوئی فائدہ نہیں۔ شعر وشاعری میں جھوٹی مدح یا ہجو ہوتی ہے حدیث کے لئے ایک مدت درکار ہے پھر ناقدین کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

یہ روایت درایۃً اور سنداً ہر اعتبار سے غیر معتبر ہے کیونکہ امام صاحب جیسی شخصیت کے بارے میں جو مذکورہ تمام علوم میں مہارت رکھتا ہو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم کو انہوں نے حاصل نہیں کیا تھا۔ الغرض یہ روایت معتبر بھی ہو تو تاویل وتطبیق ممکن ہے کہ امام صاحب نے اشتغال بالعلم کے لئے صرف فقہ ہی کو منتخب کیا اور تحصیل تمام علوم کی فرمائی اور یہی توجیہ احسن اور عمدہ ہے ورنہ روایت کو تعصب پر محمول کرنا پڑے گا۔

امام صاحب اپنے استاد کے حلقہ درس میں شریک رہے اور اپنی استعداد اور خداداد ذہانت کی وجہ سے استاد کو اپنا گرویدہ کر لیا اور اس درجہ اپنی صلاحیت کا سکہ جما دیا کہ ایک دن استاد نے کہہ ہی دیا:

افزتنی یا ابا حنیفه۔

''اے ابو حنیفہ تو نے مجھے خالی کر دیا۔''

جب آپ کا وصال ہوا تو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، حدیث وفقہ کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چلا گیا۔ کسی نے کہا، کیا وہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی زیادہ عالم تھے؟ فرمایا، صرف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ نہیں بلکہ وہ پورے عراق وشام وحجاز میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۴۰، سوانح امام اعظم: ۱۰۰)

امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کوفے کے عظیم فقیہ، جلیل القدر محدث اور اپنے وقت کے سب سے

بڑے عالم تھے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، زید بن وہب، ابو وائل اور امام شعبی وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے فقہاء و محدثین کے مایہ ناز شاگرد ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے تمام علوم کے وارث اور جانشین ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام ابوحنیفہ، امام اعمش، سفیان ثوری، امام شعبہ، امام عاصم احول وغیرہ رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ ۱۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۹۷)

امام صاحب کے دیگر اساتذہ:

فقہ میں اگرچہ آپ امام حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں لیکن آپ نے دوسروں سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً امام جعفر صادق کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

وما رائیت افقه من جعفر بن محمد الصادق۔

''میں نے امام جعفر صادق سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔''

امام صاحب کے تمام مجتہدات چونکہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اس لئے ایسے شخص کو صرف سترہ حدیثوں کا حافظ قرار دینا ایک طفلانہ قول ہے۔ حق یہ ہے کہ امام صاحب حفاظ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، اس کے بارے میں بے شمار شہادتیں ہیں اور آپ کے مایہ ناز اساتذۂ ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست موجود ہے لہٰذا کیسے باور کرلیا جائے کہ اتنے اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو صرف سترہ حدیث یاد تھیں۔

علامہ شامی نے شرح درمختار میں بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کے چار ہزار اساتذہ تھے۔ ایک دفعہ حنفیہ اور شافعیہ میں مناظرہ ہوا کہ امام شافعی افضل ہیں یا امام ابوحنیفہ؟ جب اساتذہ کو شمار کیا گیا تو امام شافعی کے ۱۸۰ اساتذہ شمار میں آئے اور امام

صاحب کے چار ہزار۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان دنوں کوفہ اور بصرہ علوم کے مراکز تھے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ اور بصرہ کا کوئی محدث نہیں چھوڑا جس کے پاس نہ گیا ہوں اس لئے بعض حضرات نے امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد ۹۹ بتلائی ہے۔ حافظ ذہبی نے ۲۹۰ تعداد بتلائی ہے۔ ہم نے نہایت تحقیق کے بعد آپ کے اساتذہ کی مندرجہ ذیل فہرست مرتب کی ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم بن محمد
۲۔ حضرت ابراہیم بن زید
۳۔ حضرت اسماعیل بن حماد
۴۔ حضرت اسماعیل بن ابی خالد
۵۔ حضرت اسماعیل بن عبدالملک
۶۔ حضرت ایوب سختیانی
۷۔ حضرت بیان بن بشر
۸۔ حضرت جبلہ بن سحیم
۹۔ حضرت الحارث بن عبدالرحمٰن
۱۰۔ حضرت الحسن بن الزراد
۱۱۔ حضرت الحسن بن عبیداللہ
۱۲۔ حضرت الحسن البصری
۱۳۔ حضرت الحکم بن عتیبہ
۱۴۔ حضرت حماد بن ابی سلیمان
۱۵۔ حضرت حمید الاعرج

۱۶۔ حضرت خالد بن علقمہ

۱۷۔ حضرت ذر بن عبداللہ

۱۸۔ حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن

۱۹۔ حضرت زبیر

۲۰۔ حضرت زیاد بن علاقہ

۲۱۔ حضرت سالم بن عبداللہ

۲۲۔ حضرت سعید بن مسروق

۲۳۔ حضرت سلمہ بن کہیل

۲۴۔ حضرت سلمہ بن عبیط

۲۵۔ حضرت سلیمان بن عبدالرحمٰن

۲۶۔ حضرت سلمان بن یسار

۲۷۔ حضرت سماک بن حرب

۲۸۔ حضرت شداد بن عبدالرحمٰن

۲۹۔ شیبان بن عبدالرحمٰن

۳۰۔ حضرت طاؤس بن کیسان

۳۱۔ حضرت طریف بن شہاب

۳۲۔ حضرت طلحہ بن نافع الواسطی

۳۳۔ حضرت عاصم بن سلیمان

۳۴۔ حضرت عاصم بن کلیب

۳۵۔ حضرت عامر بن شراحیل الشعبی

۳۶۔ حضرت عامر بن ابی موسیٰ

۳۷۔ حضرت عبداللہ بن الاقمر

۳۸۔ حضرت عبداللہ بن جبیہ

۳۹۔ حضرت عبداللہ بن دینار

۴۰۔ حضرت عبدالرحمٰن بن حزم

۴۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ہرمز

۴۲۔ حضرت عبدالعزیز بن رفیع

۴۳۔ حضرت عبدالکریم بن ابی المخارق

۴۴۔ حضرت عبدالمالک بن عمیر

۴۵۔ حضرت عثمان بن عاصم

۴۶۔ حضرت عدی بن ثابت

۴۷۔ حضرت عطاء بن ابی رباح

۴۸۔ حضرت عطاء بن السائب

۴۹۔ حضرت عطاء بن یسار الہلالی

۵۰۔ حضرت عطیہ بن سعد

۵۱۔ حضرت عکرمہ بن عبداللہ

۵۲۔ حضرت علقمہ بن مرثد

۵۳۔ حضرت علی بن الاقمر

۵۴۔ حضرت علی بن الحسن الزراد

۵۵۔ حضرت عمرو بن دینار

۵۶۔ حضرت عمرو بن عبداللہ الہمدانی

۵۷۔ حضرت عون بن عبداللہ

۵۸۔ حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن

۵۹۔ حضرت قاسم بن محمد

۶۰۔ حضرت قاسم بن معن

۶۱۔ حضرت قتادہ بن دعامہ

۶۲۔ حضرت قیس بن مسلم

۶۳۔ حضرت محارب بن وثار

۶۴۔ حضرت محمد بن الزبیر حنظلی

۶۵۔ حضرت محمد بن السائب

۶۶۔ حضرت محمد بن السائب

۶۷۔ حضرت محمد بن علی بن الحسین

۶۸۔ حضرت محمد بن عیس الہمدانی

۶۹۔ حضرت محمد بن مسلم بن تدرس

۷۰۔ حضرت محمد بن مسلم بن عبیداللہ

۷۱۔ حضرت محمد بن منصور

۷۲۔ حضرت محمد بن المنکدر

۷۳۔ حضرت مخول بن راشد

۷۴۔ حضرت مسلم بن سالم

۷۵۔ حضرت مسلم بن عمران

۷۶۔ حضرت مسلم بن کیسان

۷۷۔ حضرت معن بن عبدالرحمٰن

۷۸۔ حضرت مقسم بن بجرہ

۷۹۔ حضرت مکحول

۸۰۔ حضرت مکی بن ابراہیم

۸۱۔ حضرت منصور بن المعتمر

۸۲۔ حضرت منہال بن خلیفہ

۸۳۔ حضرت موسیٰ بن ابی عائشہ

۸۴۔ حضرت ناصح بن عبداللہ

۸۵۔ حضرت نافع

۸۶۔ حضرت وقدان

۸۷۔ حضرت ہشیم بن حبیب

۸۸۔ حضرت یحیٰی بن ابی حبّہ

۸۹۔ حضرت یحیٰی بن سعید بن قیس

۹۰۔ حضرت یحیٰی بن عبداللہ

۹۱۔ حضرت یحیٰی بن عبداللہ الکندری

۹۲۔ حضرت یزید بن صہیب

۹۳۔ حضرت یزید بن عبدالرحمٰن

۹۴۔ حضرت یزید بن الطّوسی

۹۵۔ حضرت یونس بن عبداللہ

۹۶۔ حضرت ابواسحاق السبوعی

۹۷۔ حضرت ابو بردہ

۹۸۔ حضرت ابوبکر بن ابی الجہم

۹۹۔ حضرت ابوحصین

۱۰۰۔ حضرت ابوالزبیر

۱۰۱۔ حضرت ابوسفیان السعدی

۱۰۲۔ حضرت ابوسفیان

۱۰۳۔ حضرت ابوالسوار

۱۰۴۔ حضرت ابوعسال

۱۰۵۔ حضرت ابوعمر

۱۰۶۔ حضرت ابن شہاب

۱۰۷۔ حضرت ابوعون

۱۰۸۔ حضرت ابوفروہ

۱۰۹۔ حضرت ابوکثیر

۱۱۰۔ حضرت ابوالمالک

۱۱۱۔ حضرت ابوالہیثم

۱۱۲۔ حضرت ابویعفور

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ کے حصول کے لئے حضرت امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس سے وابستگی اختیار کی۔ اس دوران آپ علم حدیث کے حصول کے لئے دنیائے اسلام کے نامور محدثین کرام کی خدمت میں حاضری دیتے رہے کیونکہ فقہی مسائل کی مجتہدانہ تحقیق کے لئے علم حدیث کی تحصیل و تکمیل از حد ضروری تھی۔

اور بعض نے کہا کہ یہ چار ہزار شیوخ تابعین میں سے تھے۔ اب آپ خود سوچئے کہ ان کے سوا اور کتنے ہوں گے۔ (الخیرات الحسان:۸۳)

علامہ موفق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے 244 اساتذہ کرام کے نام تحریر کئے ہیں جبکہ علامہ محمد بن یوسف شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عقود الجمان میں امام

اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے 324 مشائخ کے نام لکھے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مشائخ میں تابعین و تبع تابعین سے 74 حضرات کے نام لکھے ہیں جن سے آپ نے احادیث روایت کی ہیں جبکہ سات صحابہ کرام کے نام تحریر کیے ہیں۔ (تبییض الصحیفہ:۱۳)

آپ کے معروف اساتذہ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہم اگلے عنوان ''فقہ حنفی کا سلسلہ'' کے تحت کریں گے۔ یہاں ہم آپ کے بعض نامور اساتذہ کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہما:

آپ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے پوتے ہیں۔ آپ نے اپنے والد امام زین العابدین، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے حدیث سماعت فرمائی۔ آپ کو وسیع العلم اور کثیر الحدیث ہونے کی وجہ سے باقر العلوم کہا جاتا تھا۔ آپ کے فقیہ اور محدث ہونے پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکبر محدثین نے گواہی دی۔ آپ کو سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے ہیں اور اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے اہل بیت میں سے ہر کسی کو ان سے محبت کرتے ہوئے پایا ہے''۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو حنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کئے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا:

''ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی وروحانی علوم کے ذخائر ہیں''۔ (مناقب للموفق:۱۹۲)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان (ابوحنیفہ) کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور ان کی فقہ کتنی زیادہ ہے''۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت لی ہے کہ امام باقر بن محمد علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پاس گئے اور جنازے پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ میں اس کا نامۂ اعمال لے کر اللہ کے پاس جاؤں سوائے اس چادر پوش کے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخر تھا)''۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم:۱۹۵)

امام جعفر بن صادق رضی اللہ عنہ:

آپ امام باقر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کئی اکابرین محدثین شامل ہیں۔ آپ بے حد متقی اور مستجاب الدعوات تھے۔ بلاوضو کبھی حدیث روایت نہ کرتے۔ ایک بار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے چند مسائل پر گفتگو ہوئی تو فرمایا: ''یہ شخص بڑا عالم وفاضل اور فقیہ ہے''۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اپنے بالکل قریب بٹھالیا۔ میں نے عرض کی، آپ کا حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا نظریہ ہے؟ کیونکہ بعض لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ

ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ اے ابوحنیفہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی اُمِ کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء اور ان کی نانی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں اور ان کے بھائی حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کے اہل نہ ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کبھی اس پر راضی نہ ہوتے۔ (ایضاً: ۴۱۶)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی طریقت میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے سلوک و طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کئے ہیں۔ پھر فرمایا ہے:

لو لا السنتان لهلك انعمان۔

''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا''۔

امام قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں۔ علم و عمل میں تمام اہل مدینہ سے افضل مانے جاتے تھے۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قاسم بن محمد سے زیادہ ہم نے کسی کو افضل نہ پایا۔ آپ حدیث میں اپنے والد محمد بن ابوبکر، اپنی پھوپھی حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، امیر معاویہ وغیرہ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ، سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، امام زہری

رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سینکڑوں تابعین و تبع تابعین شامل ہیں۔ آپ زیادہ وقت خاموش رہتے اور احادیث کی روایت کم کرتے۔ اکثر وقت عبادت الٰہی میں گزارتے۔ آپ کا وصال ۱۰۱ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔

حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ:

امام شعبی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے پانچ سو صحابہ کرام کا دیدار کیا۔ یہی وہ بزرگ ہستی ہیں جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو علم دین کے حصول کی طرف راغب کیا تھا۔

امام شعبہ بن الحجاج رضی اللہ عنہ:

علم حدیث میں آپ کا لقب ''امیر المومنین فی الحدیث'' ہے۔ آپ کو دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''اگر امام شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی حدیث کا پہچاننے والا نہ ہوتا''۔

آپ کو اپنے شاگرد رشید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ ان کی بڑی تعریف کیا کرتے۔ ایک بار ان کے ذکر پر فرمایا: ''جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح مجھے یقین ہے کہ علم اور ابوحنیفہ ساتھی اور ہم نشین ہیں''۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ:

آپ نہایت مشہور تابعی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں سب سے وسیع حلقۂ درس آپ ہی کا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے۔ علم حدیث میں آپ کو ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ مجتہدین صحابہ نے آپ کے علم و فضل کی تعریف کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔

امام اوزاعی، امام زہری وغیرہ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب بھی مکہ مکرمہ جاتے، ان کے درس میں ضرور شریک ہوتے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت کی وجہ سے آپ دوسروں کو ہٹا کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے آگے اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔ ۱۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ:

آپ عظیم محدث اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے اس لئے حدیث من وعن سنانے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت انس، حضرت ابوالطفیل اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔

آپ فرماتے تھے:

''جو بات میرے کان میں پڑتی ہے اسے میرا دل محفوظ کر لیتا ہے''۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بھی اکتساب علم کیا۔ ۱۰۷ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ:

آپ معروف محدث اور تابعی ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ نے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

محدث ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو امام الحدیث قرار دیا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت سلیمان بن مہران رضی اللہ عنہ:

آپ امام اعمش کے نام سے مشہور ہیں۔صحابہ کرام سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔آپ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔آپ نے عمر بھر کسی امیر یا بادشاہ کا نذرانہ قبول نہ کیا۔۱۴۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ:

آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں۔مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء میں علم و فضل کے اعتبار سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔آپ تابعین کرام کی جماعت میں نہایت عابد و زاہد اور کامل فقیہ سمجھے جاتے تھے۔۱۰۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں اور مدینہ منورہ کے نامور فقہاء میں سے ہیں۔آپ نے اپنے والد گرامی اور حضرت ابو ہریرہ و ابو رافع وغیرہ رضی اللہ عنہم سے دینی علم حاصل کیا۔تابعین کی جماعت میں علم و فضل کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ اپنے زمانے کے صلحاء و عابدین میں بے مثال اور زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں بے نظیر تھے۔۱۰۶ھ میں وصال ہوا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں فقہائے مدینہ سے اکتساب علم کیا اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی بار عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں آئے تو مشہور عابد وزاہد عیسیٰ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ سے کہا، یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا: آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟''

آپ نے فرمایا:

''میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اور میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے، نیز میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے اور انہوں نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے''۔

خلیفہ نے کہا: ''علم تو بہت پختہ حاصل کیا ہے''۔ (الخیرات الحسان: ۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کے علم کا خزینہ دار اور محافظ کہا جا سکتا ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ جو کوفے کے عظیم محدث وفقیہ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد، ج: ۲۹۹:۱۲)

پس فقہ حنفی کا سلسلہ یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام حماد سے، انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ واسود سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ اسلام قبول کرنے والے چھٹے شخص ہیں۔ بارگاہِ نبوی میں آپ کے خصوصی مقام کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ فرمایا:

''تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، پردہ اٹھا کر اندر آجاؤ

اور ہماری خاص باتیں سنو جب تک کہ میں تم کو روکوں"۔

آپ رسول کریم ﷺ کے خاص خادم اور راز دار صحابی تھے۔ آپ صحابہ کرام میں "صاحب النعلین و السواك و السواد" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے ذمہ یہ خدمتیں تھیں مثلاً آقا کریم ﷺ کی نعلین پاک اٹھانا، مسواک ساتھ رکھنا، آپ کے آگے چلنا، وضو کے لئے پانی فراہم کرنا، سفر میں بستر مبارک اٹھانا، خواب سے بیدار کرنا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم:۱۰۴)

حضرت ابووائل بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حلقوں میں بیٹھا ہوں، میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات سے انکار کرتے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی صحاب نے آپ کا رد کیا۔ (ایضاً ۱۰۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ "تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں"۔ آپ کے اس دعویٰ کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛ ہم اپنے دینی امور کے لئے اس ہستی کو پسند کرتے ہیں جس کو ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے ہمارے دینی کام کے لئے پسند کیا۔ یعنی حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں نماز پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا (اس لئے وہی ہمارے خلیفہ ہوں گے)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کو صحابہ نے تسلیم کیا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پہلا اجتہاد تھا۔ (ایضاً ۱۰۶)

نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن مسعود کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ "تم ابن

مسعود کے حکم کو مضبوط پکڑے رہو"۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا، ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (مشکوۃ)

یہ وہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے: "یہ ایک تھیلا ہیں علم سے بھرا ہوا"۔ اور نہایت یہ کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اپنی امت کے لئے وہ پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لئے پسند کریں"۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۵:۳۱۱ بحوالہ مستدرک للحاکم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، ایسے شخص کے بارے میں بتائیے جو صورت و سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تر ہو کہ ہم اس سے کچھ سیکھیں۔ فرمایا: میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہو۔ (بخاری کتاب المناقب، باب عبداللہ بن مسعود)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھ کر جو اس میں حلال تھا اس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اس کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ ہیں اور سنت کے عالم۔"

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ہمارے استاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا"۔ (امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین: ۶۶)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علوم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرجع اخیر اور فقہ کے مرجع کل ہیں اور آپ پہلے صحابی ہیں جو باقاعدہ طور پر فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ سے کثیر صحابہ اور تابعین احادیث روایت کرتے ہیں جن میں ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ۲۰ھ سے ۳۰ھ کوفہ میں مقیم رہے۔ ۳۲ھ

میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''علقمہ کا علم میرے علم سے کم نہیں ہے''۔

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا علم وفضل اس قدر تھا کہ ان سے صحابہ کرام بھی فتوے لیا کرتے تھے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آئینے کہلائے۔ یہ دونوں حضرات کامل طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے احوال سے متصف تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۶۲ھ میں ہوا۔ آپ کے وصال کی خبر سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''آج علم کا سرپرست فوت ہو گیا''۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا تو ان کی سیرت وعادات دیکھنے والا ہر کوئی کہتا کہ ان کی خصلت وسیرت عین حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی عادات وسیرت ہے اور جو علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا وہ کہتا، ان کی عادات وسیرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات وسیرت ہے اور جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات وسیرت کو دیکھتا تو وہ یہ کہتا، یہ تو بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات وسیرت ہے۔ (مسند امام اعظم: ۳۱۰)

خوش نصیبی دیکھیے کہ یہ خود تابعی وفقیہ محدث، ان کے دو بھتیجے اسود اور عبدالرحمن بلند پایہ تابعی فقیہ ومحدیث اور ایک نواسہ ابراہیم تابعی فقیہ ومحدث۔ یعنی ایک گھر میں

چار تابعی اور عالی قدر محدث وفقیہ۔ سبحان اللہ! آپ کا وصال ۶۲ھ یا ۷۴ھ میں ہوا۔

حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ صاحب علم وفضل اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کثرت سے نوافل پڑھتے اور سارا سال روزے رکھتے۔ آپ نے اسّی حج اور عمرے کیے۔ کوفہ میں آپ کی عبادات وکرامات اس قدر مشہور ہوئیں کہ لوگ آپ کو ''اَسود جنتی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ۷۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہ میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میری کیا بساط ہے جو دونوں کا موازنہ کروں، میرا کام یہ ہے کہ ان کے لئے دعا کروں''۔

(اولیاء رجال الحدیث: ۳۷، سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۳)

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ عراق کے نامور فقیہ اور علم الحدیث کے امام ہیں۔ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کئی صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ اکثر صحابہ کرام سے بطریق ارسال اور تابعین میں سے حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

جب آپ کا وصال ہوا تو امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حدیث وفقہ کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چلا گیا۔ کسی نے کہا، کیا وہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ عالم تھے؟ فرمایا، صرف حسن بصری رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں بلکہ وہ پورے عراق وشام وحجاز میں سب سے

بڑے فقیہ تھے۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۴۰، سوانح امام اعظم: ۱۰۰)

استاد کا ادب و احترام

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد کی نظر میں:

امام حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ محفل میں آتے تو نہایت خاموش بیٹھتے، اپنے وقار اور آدابِ محفل کو ملحوظِ خاطر رکھتے۔ ہم ان کی نشست و برخاست کو بھی علمی تربیت کا حصہ تصور کرتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ مشکل سوالات کرنے لگے۔ بعض اوقات مجھے ان کے حل کرنے میں دقت محسوس ہوتی اور مجھے خوف آتا کہ اگر ان کے استفسارات کا تسلی بخش جواب نہ ملا تو وہ مایوس نہ ہو جائیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سارے کوفہ کے لوگوں میں ان کی شناخت ایک فقیہ کی حیثیت سے ہونے لگی۔

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: جب سے میرے استاد امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے، میں ہر نماز کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور میں نے کبھی ان کے گھر کی طرف اپنے پاؤں نہیں پھیلائے حالانکہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان کئی گلیاں ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۱۹۷)

علامہ موفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کے لئے دعا کرتے تو حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے پہلے لیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے، والدین بچے کو جنم دیتے ہیں مگر استاد اسے علم و فضل کے خزانے دیتا ہے"۔ (ایضاً ۲۹۶)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان ہوئی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو پہلے نہیں دیکھا تھا مگر سمجھ گئے کہ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تعظیم کیلئے آگے بڑھے اور عرض کی، اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ آرہے ہیں تو میں پہلے ہی سے استقبال کیلئے کھڑا رہتا۔ اب جب تک آپ تشریف فرما رہیں گے میں تعظیماً کھڑا رہوں گا۔ آپ نے فرمایا:

"بیٹھ جائیے اور لوگوں کے مسائل کا جواب دیجیے"۔ اس خاص تعظیم کی وجہ محبت اہل بیت تھی۔ (مناقب للموفق:۲۶۵)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے زمانے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ ایک بار جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار میں بلایا گیا تو آپ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی دربار میں بلوالیا تاکہ سوال و جواب کی صورت میں علمی گفتگو کے ذریعے خلیفہ کی اصلاح کی جائے۔ آپ نے 40 سوالات کئے جن کے مدلل جوابات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔ (ایضا:۱۳۳)

محمد بن یوسف صالحی نے لکھا ہے کہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں استاذ کے احترام اور عظمت شیخ کا یہ عالم تھا کہ جب تک زندہ رہے۔ استاد کے گھر کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں سوئے حالانکہ ابو حنیفہ اور ان کے استاد امام حماد کے گھروں کے درمیان فاصلہ طویل تھا اور درمیان میں تقریباً سات گلیاں پڑتی تھیں۔

باب چہارم

خُلق الامام

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ واخلاق:

ابو یوسف نے کہا ہے۔ امام ابو حنیفہ میانہ قد تھے۔ نہ چھوٹے اور نہ لمبے۔ لوگوں سے اچھی طرح بات کرتے تھے۔ آپ کا لہجہ بہت عمدہ ہوتا تھا۔ اپنے کام میں نہایت سمجھدار تھے۔

ابونعیم نے کہا ہے۔ ابو حنیفہ کا چہرہ اچھا، کپڑے اچھے، خوشبو اچھی، مجلس اچھی، بہت کرم کرنے والے اور رفیقوں کے بڑے غمخوار۔

عمر بن حماد (آپ کے پوتے) نے کہا ہے۔ ابو حنیفہ کا قد درازی کی طرف مائل تھا۔ آپ کے رنگ میں گندمی رنگ کی جھلک تھی۔ (آپ کا لباس صاف ہوتا تھا) آپ کپڑے بدل لیا کرتے تھے۔ ہئیت اچھی، کثرت سے خوشبو کا استعمال کرتے تھے۔ جب سامنے سے آتے یا گھر سے نکلتے تو آپ کے پہنچنے سے پہلے آپ کی خوشبو کی لپٹ پہنچ جاتی تھی۔

حضرت امام نے ایک دن اپنے جلیسوں میں سے ایک شخص کو بوسیدہ لباس میں پایا، جب مجلس برخاست ہوئی اور صرف وہ شخص رہ گیا، آپ نے اس سے فرمایا۔ اس جائے نماز کو اٹھاؤ اور اس کے نیچے جو ہے اس کو لے لو۔ اس شخص نے جانماز اٹھائی۔ اس کے نیچے سے ایک ہزار درہم نکلے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ درہم لو اور اپنی ہیئت ٹھیک

کرو۔ اس نے کہا۔ مجھ کو ضرورت نہیں ہے میں مالدار ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم نے یہ حدیث شریف نہیں سنی ہے۔ ان اللّٰہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ۔ اللہ کو پسند ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔ تم کو چاہئے کہ اپنی حالت اچھی رکھو تا کہ تمہارا دوست تم کو دیکھ کر افسردہ دل نہ ہو"۔

علامہ الموفق نے یوسف بن خالد السمتی کا رحلہ (سفرنامہ) لکھا ہے۔ وہ بصرہ سے حضرت امام کی خدمت میں آئے اور پھر حضرت امام ہی کے پاس رہے، وہ کہتے ہیں۔

حضرت امام ہر پیر اور جمعرات اور جمعہ کی رات کو مغرب اور عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور آپ کا حلقہ جامع مسجد میں صبح کی نماز سے ظہر کی نماز تک اور عشاء کی نماز سے ایک تہائی رات تک رہا کرتا تھا اور اپنی مسجد میں عصر کے بعد سے مغرب تک آپ کا حلقہ رہا کرتا تھا اور ظہر سے عصر تک اپنے گھر میں تخلیہ میں رہتے تھے۔ آپ پہلی نماز (عصر کی نماز) میں تعجیل کرتے تھے اور مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل اور فجر اسفار میں پڑھتے تھے۔ ہفتہ کا دن ان کے حوائج کا دن تھا (اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے) اس دن نہ مجلس میں بیٹھتے اور نہ بازار کو جاتے۔ گھر کے اسباب اور املاک کا بندوبست کرتے۔ بازار میں فجر کے وقت سے ظہر تک آپ بیٹھا کرتے تھے، اور جمعہ کے دن آپ اپنے تمام اصحاب کی دعوت اپنے گھر میں کرتے تھے۔ ان کے واسطے کھانا پکواتے تھے اور ان کو شدید نبیذ پلاتے تھے۔ کھانا ہمارے ساتھ نہیں کھاتے تھے البتہ نبیذ کے پینے میں ہمارے شریک ہو جاتے تھے۔ فرماتے تھے میں اس وجہ سے کھانا الگ کھاتا ہوں کہ تم تکلف نہ کرو۔ آپ طرح طرح کے میوے ہمارے سامنے رکھتے اور خوش ہوا کرتے تھے۔ آپ اپنے نفس ہی سے سخی تھے۔ آپ کا چہرہ اچھا، لباس اچھا اور معطر اور ہر مہینہ میں ایک مرتبہ باغ کی تفریح کراتے اور پھر سب کو اَعْیُن کے حمام کو لے جاتے۔

عمر بن حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"آپ خوبصورت اور خوش لباس تھے، کثرت سے خوشبو استعمال کرتے تھے، جب سامنے سے آتے یا گھر سے نکلتے تو آپ کے پہنچنے سے پہلے آپ کی خوشبو پہنچ جاتی"۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیبت کرنے سے کوسوں دور تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ بہت عقلمند تھے، وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو ان کی نیکیوں کو ضائع کر دے۔

شریک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت خاموش طبع، بہت عقلمند اور ذہین، لوگوں سے کم بحث کرنے والے اور کم بولنے والے تھے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا:

"امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ حرام چیزوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ وہ دنیاداروں سے دور رہتے اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور و فکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری کا پیکر تھے۔

جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن وسنت میں اس کی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔ اپنے نفس اور دین کی حفاظت بے نیاز تھا، لالچ اور حرص کی

طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دور تھے، اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے''۔

یہ سن کر خلیفہ نے کہا: ''صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں''۔ پھر اس نے کاتب کو یہ اوصاف لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا، ان اوصاف کو یاد کر لو۔
(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۷۶)

امام زمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مجھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت ملی، میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اہل علم کو دل وجان سے چاہتے۔ آپ کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے وقف تھے۔ سارا دن تعلیم و تدریس میں گزرتا۔ باہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے۔ بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی رہنمائی فرماتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس و تدریس کی مجلس ہوتی اور باہر نکلتے تو مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء و مساکین کی خدمت، رشتہ داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اور قرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت کرتے۔ یہی معمولاتِ زندگی بھر قائم رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔'' (مناقب للموفق: ۴۰۰)

معانی بن عمران الموصلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔

پرہیز گاری، سچائی، فقہی مہارت، عوام کی خاطر مدارات اور سخاوت،
پرخلوص ہمدردی، لوگوں کو نفع پہنچانے میں سبقت، طویل خاموشی
(فضول گفتگو سے پرہیز)، گفتگو میں حق بات کہنا اور مظلوم کی
معاونت خواہ دشمن ہو یا دوست"۔ (ایضاً:۲۲۴)

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں بیس سال تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا۔ اس
مدت میں، میں نے انہیں خلوت اور جلوت میں ننگے سر اور پاؤں
پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک بار میں نے ان سے عرض کی،
استادِ محترم! اگر آپ خلوت میں پاؤں دراز کرلیا کریں تو اس میں کیا
مضائقہ؟ فرمایا، خلوت میں ادب ملحوظ رکھنا جلوت کے بہ نسبت بہتر
اور زیادہ اولیٰ ہے۔" (حدائق الحنفیہ:۷۲)

یوں تو سب ہی انسان اپنی تخلیق وتقویم میں تمام مخلوقات سے اشرف ہیں کوئی
دوسری مخلوق دلربائی اور دل آویزی میں اس کا ہمسر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد
فرمایا ہے:

ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

تمہاری صورتیں بنائیں تو خوب اچھی بنائیں۔

اس مشترک خوبی میں انسانوں کے مراتب ہیں، کوئی ان میں سے یوسف ہے
تو کوئی نہایت کریہہ المنظر اور زشت رو۔ بایں تفاوت اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ ظاہری
زیب وزینت قبولیت کا مدار نہیں ہے۔ بہت سے خوبرو نہایت بدخو ہوتے ہیں اور
بہت سے بدرو خوش خو ہوتے ہیں اور اسی پر قبولیت اور شرافت کا مدار ہے۔ حضرت

بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ اور حضرت عطاء بن رباح (مشہور تابعی) ظاہراً کیسے تھے لیکن باطناً ان کو وہ مقام حاصل ہے جس سے شرمندہ آفتاب و ماہتاب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انہی خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو ظاہری و باطنی ہر قسم کی دل ربائی حاصل ہے۔ آپ کا حلیہ بیان کرنے والے حضرات بیان کرتے ہیں۔

1. امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ میانہ قد تھے یعنی نہ بہت پست اور نہ بہت زیادہ دراز، حسین صورت اور شیریں کلام تھے۔
2. حماد بن ابی حنیفہ کہتے ہیں امام صاحب نہایت خوش لباس تھے اور اس قدر خوشبو استعمال کرتے تھے کہ ہم لوگ محض خوشبو ہی سے پتہ لگا لیتے تھے۔ کوئی اس راہ سے ہو کر گیا ہے۔
3. ابونعیم کہتے ہیں کہ امام صاحب نہایت خوبصورت اور نہایت خوش لباس تھے۔ آپ کی ریش مبارک نہایت خوبصورت تھی۔ آپ جوتا اور کپڑا بہت عمدہ پہنتے تھے۔
4. ابومطیع بلخی کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کو نہایت قیمتی چادر پہنے دیکھا جس کی قیمت کم از کم چار سو درہم ہو گی۔
5. ایک دن نصر بن محمد امام صاحب سے ملاقات کے لئے گئے، امام صاحب کہیں باہر جانے کی تیاری فرما رہے تھے، ان سے کہا ذرا دیر کے لئے مجھے اپنی چادر دے دیجئے۔ جب امام صاحب واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لے کر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ نصر کہتے ہیں کہ وہ چادر میں نے پانچ دینار میں خریدی تھی اور مجھ کو اس پر ناز تھا اس لئے امام صاحب کی شکایت پر تعجب ہوا۔ دوسرے موقع پر جب میں نے امام صاحب کو دیکھا تو آپ تیس دینار کی چادر

اوڑھے تھے تو میرا تعجب جاتا رہا۔

- امام صاحب گو درباریوں سے کوسوں دور رہتے تھے لیکن خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے جو ٹوپی مقرر کی تھی (جس کا رنگ سیاہ تھا) یہ بھی آپ کے پاس بیک وقت سات سات ہوتی تھیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاقی کردار:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک شرابی موچی رہتا تھا۔ دن بھر بازار میں بیٹھتا اور جوتے بناتا رہتا اور رات بھر اس کے گھر رقص وسرور کی محفل رہتی۔ خود بھی اور اس کے ساتھی بھی شراب پی کر اودھم مچائے رکھتے اور کبھی کبھی وہ موچی نشہ کی حالت میں کہتا کہ:

لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور کتنے بڑے باکمال مرد کو ضائع کر دیا جو جنگ اور مصیبت کے وقت ملک کی سرحدوں کے کام آ سکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کئی بار سمجھایا۔ نصیحت کرتے مگر اس پر نصیحت کا کوئی اثر ہی نہ ہوتا۔ ایک دن کسی نے تنگ آ کر اس کی اطلاع پولیس کو کر دی کہ موچی نشہ کی حالت میں تنگ کرتا رہتا ہے۔ پولیس والوں نے رات کو آن چھاپہ مارا اور گرفتار کر لیا۔ ادھر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ روزانہ رات کو موچی کی آواز سنتے تھے مگر اس دن انہوں نے آواز نہ سنی، دن کو خبر لی معاملہ کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اسے تو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔ آپ برداشت نہ کر سکے فوراً تھانہ چلے۔ جب تھانہ گئے وہاں تو جنگل کی آگ کی طرح خبر مشہور گئی کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں۔ حاکم کو اطلاع ہوگئی وہ بھی دوڑتا ہوا باہر آیا۔ پوچھا جناب کیا بات ہے، تکلیف فرمائی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے:

میرے محلے کا ایک موچی ہے جو کہ میرا پڑوسی ہے اور پولیس والوں نے پکڑ لیا

ہے۔ میرا حق بنتا تھا کہ اس کی خبر تو لوں۔ اب میں حاضر صرف اس لئے ہوا ہوں کہ میری ذمہ داری پر اس کو چھوڑ دیا جائے۔ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب پڑوسی جیل سے باہر آیا امام صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، کیوں نوجوان تجھے ضائع ہونے سے بچایا کہ نہیں۔ موچی بیچارا آنکھیں اوپر اٹھا نہیں رہا تھا۔ بالآخر موچی نے سچے دل سے توبہ کی، کہنے لگا حضور آج کے بعد کبھی شراب نہیں پیوں گا۔

حتیٰ کہ وہ موچی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگا اور آہستہ آہستہ بہت بڑا فقیہ بن گیا۔

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس ریشمی کپڑے کا تھان بیچنے کے لئے لائی۔ آپ نے اس سے دام پوچھے، اس نے ایک سو بتائے۔ آپ نے فرمایا، یہ کم ہیں، کپڑا زیادہ قیمتی ہے۔ اس عورت نے دو سو بتائے۔ آپ نے پھر کہا، یہ دام کم ہیں۔ اس نے پھر سو اور بڑھائے حتیٰ کہ چار سو تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا، یہ چار سو سے زیادہ کا ہے۔ وہ بولی، تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ آپ نے اسے پانچ سو دے کر وہ کپڑا خرید لیا۔ اس تقویٰ اور دیانت نے آپ کے کاروبار کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور چمکا دیا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی کسی بیچنے والے کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ آپ ان کی بھلائی کے لئے ان کی بہترین رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے احباب یا کسی غریب خریدار سے نفع بھی نہیں لیا کرتے تھے بلکہ اپنے نفع میں سے بھی اس کو دے دیا کرتے۔

ایک بوڑھی عورت آپ کے پاس آئی اور اس نے کہا، (میری زیادہ استطاعت نہیں، اس لئے) یہ کپڑا جتنے میں آپ کو پڑا ہے اس دام پر میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔ آپ نے فرمایا، تم چار درہم میں لے لو۔ وہ بولی، میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرا مذاق کیوں اڑاتے ہو (کیونکہ یہ قیمت بہت کم ہے)؟ آپ نے فرمایا،

''میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ان میں سے ایک کپڑے کو دونوں کی قیمت خرید سے چار درہم کم پر فروخت کر چکا ہوں، اب یہ دوسرا کپڑا ہے جو مجھے چار درہم میں پڑا ہے، تم چار درہم میں اسے لے لو''۔

ایک مرتبہ آپ اپنے کاروباری شریک کو بیچنے کے لئے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ اس سے فرمایا، جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بھی بتا دینا۔ اس نے تھان فروخت کر دیئے لیکن گاہک سے اس تھان کا عیب بیان کرنا بھول گئے اور یہ بھی نہ یاد رہا کہ وہ عیب دار تھان کس گاہک کو فروخت کیا تھا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان تمام تھانوں کی قیمت تیس ہزار درہم صدقہ کر دی اور اس شریک کو علیحدہ کر دیا۔ (الخیرات الحسان:۱۴۰)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر زندگی بسر کریں اور آپ کے اقوال، افعال اور خصائل کی پیروی کریں، کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت اس لئے تھی کہ وہ مزاج شناس عادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑھ کر عالم، فقیہ، متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، سخی، جواد اور جاں نثار آپ ہی تھے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سب سے زائد علم والے، سب سے زائد متقی، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ جواد تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ میں دکانداری کرتے تھے، کپڑے کا کاروبار تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں کپڑے کی تجارت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی

معرفت اور دین کی سمجھ بھی حاصل کی۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لمحہ آپ نے اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ (مناقب للموفق:۱۰۲)

سخاوت:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وسیع تجارت کا مقصد محض دولت کمانا نہیں تھا بلکہ آپ کا مقصد لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے، سب کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا، سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

آپ کا عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ اگر کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجت مند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ دست دیکھتے اس کی گھریلو ضروریات کی کفالت کرتے تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے۔ بہت سے لوگ جو مفلسی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکتے تھے، آپ ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ ان میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

''امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تجارت کے نفع کو سال بھر جمع کرتے اور پھر اس سے اساتذہ اور محدثین کرام کی ضروریات مثلاً خوراک اور لباس وغیرہ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے اور جو روپیہ نقد باقی رہ جاتا وہ ان حضرات کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے فرماتے، میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا۔ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ حضرات کے لئے یہ مال مجھے عطا فرمایا ہے جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں''۔ (مناقب للموفق:۲۶۷)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے صدقہ دیا کرتے تھے، ان کو جو بھی نفع ہوتا وہ دے دیا کرتے تھے، مجھ کو اس کثرت سے تحفے ارسال کیے کہ مجھ کو وحشت ہونے لگی۔ میں نے ان کے بعض اصحاب سے اس کا شکوہ کیا تو انہوں نے کہا، اگر تم ان تحفوں کو دیکھتے جو انہوں نے سعید بن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجے ہیں تو حیران رہ جاتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے محدثین میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ جس کے ساتھ بھلائی نہ کی ہو''۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۵)

امام مسعر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب بھی اپنے لئے یا اپنے گھر والوں کے لئے کپڑا یا میوہ خریدتے تو پہلے اسی مقدار میں کپڑا یا میوہ علماء و مشائخ کے لئے خریدتے''۔ (ایضاً: ۱۳۶)

شریک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، جو شخص آپ سے پڑھتا تو آپ اس کو نان ونفقہ کی طرف سے بے نیاز کر دیا کرتے بلکہ اس کے گھر والوں پر بھی خرچ کرتے تھے اور جب وہ علم پڑھ لیتا تو اس سے فرماتے:

''اب تم کو بہت بڑی دولت مل گئی ہے کیونکہ تم کو حلال و حرام کی پہچان ہو گئی ہے''۔ (ایضاً: ۱۳۷)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا:

''آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھر والوں کا خرچہ برداشت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زائد دینے والا نہیں دیکھا تو آپ فرماتے، اگر تم میرے استاد امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیتے تو ایسا نہ کہتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر آپ کسی کو کچھ دیا

کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو بڑا ملال ہوتا تھا۔
آپ اس سے فرماتے، ''شکر اللہ تعالیٰ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی تم کو دی ہے۔'' (ایضاً:۱۳۶)

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ اپنے اصحاب اور ہم نشینوں کی غم خواری اور ان کا اکرام کرنے والے تھے۔ اسی لئے آپ محتاجوں کا نکاح کرا دیتے اور تمام اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ آپ ہر شخص کی طرف سے اس کے مرتبے کے مطابق خرچ بھیجتے تھے۔''

ایک بار حج کے سفر میں عبداللہ بن بکر سہمی رحمۃ اللہ علیہ کا کسی بدوی سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ انہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے کر آیا کہ یہ میری رقم ادا نہیں کر رہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے بدوی سے فرمایا، ''تم مجھے بتاؤ تمہارے کتنے درہم بنتے ہیں؟ اس نے کہا، چالیس درہم، آپ نے فرمایا، تعجب ہے کہ لوگوں کے دلوں سے مروت و حمیت کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اتنی سی رقم پر جھگڑا، مجھے تو شرم محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنے پاس سے چالیس درہم اس بدوی کو ادا کر دیئے۔ (مناقب للموفق:۲۷۴)

جب آپ کے صاحبزادے حماد رحمۃ اللہ علیہ نے استاد سے سورۃ فاتحہ پڑھی تو آپ نے ان کے استاد کو ایک ہزار درہم نذرانہ پیش کیا۔ وہ کہنے لگے، حضور میں نے کون سا اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آپ اتنی زیادہ رقم کا نذرانہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، آپ نے میرے بیٹے کو جو دولت عنایت کی ہے اس کے سامنے تو یہ نذرانہ بہت حقیر ہے۔ بخدا اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی پیش کر دیتا''۔ (ایضاً:۲۷۰)

علامہ موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مالدار شخص تھا، بڑا خوددار اور حیادار تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ غریب اور محتاج ہو گیا۔ وہ

بازار جا کر مزدوری کرتا، مشقت اٹھاتا اور صبر کرتا۔ ایک دن اس کی بچی نے بازار میں ککڑی دیکھی۔ گھر آ کر ماں سے ککڑ لینے کے لئے پیسے مانگے مگر ماں اس کی خواہش پوری نہ کر سکی۔ گھر کا سامان پہلے ہی بک چکا تھا۔ بچی رونے لگی۔ اس شخص نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے امداد لینے کا ارادہ کیا۔ وہ آپ کی مجلس میں آ کر بیٹھا مگر شرم و حیا اور خودداری کے باعث اس کی زبان نہ کھل سکی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ اس شخص کو کوئی حاجت ہے، مگر حیا کے باعث یہ سوال نہیں کر رہا۔ جب وہ شخص اٹھ کر وہاں سے جانے لگا تو آپ نے ایک آدمی اس کے پیچھے روانہ کر دیا۔ اس شخص نے گھر جا کر اپنی بیوی کو بتایا کہ میں شرم کے باعث اس بابرکت مجلس میں کچھ نہ مانگ سکا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بھیجے ہوئے آدمی نے واپس جا کر یہ سب احوال امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گزار کر دیا۔

جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانچ ہزار درہم تھیلی لے کر اس شخص کے گھر پہنچ گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر فرمایا، ''میں تمہارے دروازے پر ایک چیز رکھے جا رہا ہوں اسے لے لو''۔ یہ فرما کر آپ واپس آ گئے۔ اس کے گھر والوں نے تھیلی کھولی تو اس میں پانچ ہزار درہم تھے اور ایک کاغذ کے پرزے پر یہ تحریر تھا:

''تمہارے دروازے پر ابوحنیفہ یہ تھوڑی سی رقم لے کر آیا تھا، یہ اس کے حلال کی کمائی ہے، اسے استعمال میں لاؤ اور واپس نہ کرنا''۔

(مناقب للموفق ۲۸۱)

امانت داری:

حکم بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لوگوں میں بہت بڑے امانت دار تھے۔ خلیفہ نے

ان کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانے کے متولی اور نگران بن جائیں ورنہ وہ انہیں سزا دے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بجائے خلیفہ کی ایذا رسانی کو قبول فرمالیا"۔ (الخیرات الحسان:۱۴۵)

کیونکہ اکثر بادشاہ اور حکام سرکاری خزانے کا بے جا استعمال کرتے ہیں اور آپ ان کے اس ناجائز کام میں حصہ دار نہیں بننا چاہتے تھے۔

ایک دیہاتی نے آپ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار درہم بطور امانت رکھے مگر وہ فوت ہوگیا۔ اس نے کسی کو بتایا بھی نہ تھا کہ میں نے اس قدر رقم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بطور امانت رکھوائی ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ جب وہ بالغ ہوئے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کے والد کی ساری رقم لوٹا دی اور فرمایا، یہ تمہارے والد کی امانت تھی۔ آپ نے یہ امانت خفیہ طور پر لوٹائی تا کہ لوگوں کو اتنی بڑی رقم کا علم نہ ہو اور وہ انہیں تنگ نہ کریں۔ (ایضاً:۲۳۷)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ اور امانت و دیانت کے باعث علماء اور عوام آپ کی بے حد عزت کیا کرتے تھے جبکہ مخالفین و حاسدین حسد کی آگ میں جلتے رہتے اور مختلف حربے استعمال کر کے آپ کے مقام و رتبے کو گھٹانے کی مذموم کوشش کرتے۔

ایک بار ایک شخص کے ذریعے آپ کے پاس ایک تھیلی امانت رکھوائی گئی جس پر سرکاری مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ حاسدوں کی بدگمانی یہ تھی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ بعد یقیناً اس رقم کو کاروبار میں استعمال کرلیں گے اور اسی پر گرفت کی جائے گی۔

چنانچہ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ایک شخص نے کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں شخص کا مال تجارت کے لئے اپنے بیٹے کو دے دیا ہے حالانکہ یہ مال امانت کے طور پر رکھوایا تھا۔ چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا گیا اور بتایا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے فلاں شخص کی امانت اپنے

کاروبار میں لگا دی ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اس کی امانت جوں کی توں میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو سرکاری نمائندہ بھیج کر تصدیق کر لیں۔ جب وہ لوگ آئے تو آپ کے مال خانے میں وہ امانت ویسی ہی موجود پائی جس پر سرکاری مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب کو ندامت ہوئی۔ (ایضاً:۲۳۴)

محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو آپ کے پاس لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں جنہیں آپ کے بیٹے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو لوٹایا۔ (ایضاً:۲۳۵)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کا ایک عظیم نظام قائم کیا ہوا تھا۔ دفتر، مال خانہ، ملازم، کھاتہ رجسٹر اور حساب کتاب کرنے والے حساب داں یقیناً اس نظام کا حصہ ہوں گے۔ اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے اموال و رقوم کی حفاظت اور ان کی اصل مالکوں کو واپسی یقینی بنانے کے لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کر کے سود سے پاک خالص اسلامی بینک کا واضح تصور پیش کر چکے ہیں۔

صبر و حلم:

ایک دفعہ آپ مسجد خیف میں تشریف فرما تھے، شاگردوں اور ارادت مندوں کا حلقہ تھا۔ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا، آپ نے مناسب جواب دیا۔ اس نے کہا، مگر حسن بصری نے اس کے خلاف بتایا ہے کہ آپ نے فرمایا، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا جس نے کپڑے سے منہ چھپایا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا، ''اے زانیہ کے بیٹے، تم حسن بصری کو خطا کار اور غلط کہتے ہو''۔ اس بیہودہ گوئی پر لوگ مشتعل ہو گئے اور اسے مارنا چاہا مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں روک

دیا اور سب کو خاموش کر کے بٹھا دیا اور اس شخص سے نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ فرمایا،

''ہاں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے غلطی ہوئی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے وہ صحیح ہے''۔ (مناقب للموفق: ۲۹۸)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ ایک شخص جو آپ سے بغض وعناد رکھتا تھا، آ کر آپ کی شان میں برے الفاظ کہنے لگا۔ آپ نے توجہ نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے اور شاگردوں کو اس طرف توجہ کرنے سے منع فرما دیا۔ جب آپ درس کے بعد گھر کی طرف چلے تو وہ شخص بھی گالیاں بکتا ہوا پیچھے پیچھے چلا۔ آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموشی اور وقار سے سر جھکائے اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ وہ آپ کے دروازے پر سر مارنے لگا اور بولا، تم مجھے کتا سمجھتے ہو کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور اس گالیاں بکنے والے سے فرمایا، یہ میرے گھر کا دروازہ ہے اور میں اندر جانا چاہتا ہوں اس لئے تم جتنی گالیاں دینا چاہو دے لو تا کہ تمہیں کچھ حسرت باقی نہ رہے۔ وہ شخص شرم سے سر جھکا کر بولا، آپ کی برداشت کی انتہا ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں معاف کر دیا۔ (ایضا: ۲۸۶)

عبادت وریاضت:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تواتر سے ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کثرت قیام کی وجہ سے آپ کو وتد یعنی میخ (کیل) کہا جاتا تھا۔ آپ تیس سال

تک ایک رکعت میں مکمل قرآن پڑھتے رہے اور آپ کے بارے
میں مروی ہے کہ آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال
تک پڑھی''۔(الخیرات الحسان:۱۱۷)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تمام رات عبادت کرنے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک بار آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں آپ نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا، ''یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور سوتے نہیں''۔ آپ نے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، سبحان اللہ! کیا تم خدا کی شان نہیں دیکھتے کہ اس نے ہمارے لئے اس قسم کا چرچا کردیا، اور کیا یہ بری بات نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق وہ بات کہیں جو ہم میں نہ ہو، لہٰذا ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ خدا کی قسم! میرے بارے میں لوگ وہ بات نہیں کہیں گے جو میں نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ تمام رات عبادت ودعا اور آہ وزاری میں گزارنے لگے۔ (ایضاً:۱۱۸)

مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو علم سکھانے میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ آپ نے نماز ظہر ادا کی، پھر لوگوں کو عصر تک علم دین سکھاتے رہے پھر عصر ادا فرمائی۔ اسی طرح عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ پھر عشاء پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ معمول دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب آپ کی تدریسی مصروفیات اس قدر ہیں تو آپ نفل عبادات کیسے کرتے ہوں گے۔ چنانچہ میں ضرور آپ پر نگاہ رکھوں گا۔ جب لوگ عشاء پڑھ کر گھروں کو جا چکے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ گھر سے صاف ستھرا لباس پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ دولھا ہیں۔ آپ نفل نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہوگئی۔ پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔ جب کچھ دیر بعد

واپس تشریف لائے تو لباس بدلا ہوا تھا۔ آپ نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی اور پھر حسب سابق وہی درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا جو عشاء تک جاری رہا۔ میں نے خیال کیا کہ آج رات یہ ضرور آرام کریں گے۔ مگر دوسری رات بھی وہی معمول دیکھا جو پہلی رات کا تھا۔ میں نے یہ گمان کیا اب تیسری رات تو ضرور آرام کریں گے مگر تیسری رات بھی وہی معمول دیکھا تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں زندہ ہوں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا لہٰذا میں نے مستقل ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی شاگردی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

امام مسعر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دن میں کبھی بغیر روزہ کے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی رات میں سوتے ہوئے پائے، البتہ ظہر سے قبل آپ کچھ دیر آرام کرلیا کرتے تھے، آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔

ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول بیان کیا ہے کہ آپ روزانہ عشاء کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور پھر کچھ وقت گزار کر مسجد میں آتے اور اسی طرح رات بھر عبادت کرتے اور اذان فجر سے قبل گھر چلے جاتے اور پھر فجر کی نماز کے لئے دوبارہ آتے اور اس طرح عام لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ وہ ساری رات گھر میں رہے ہیں۔ (مناقب للموفق:۲۶۰)

خارجہ بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، قرآن مجید کو ایک رکعت میں شروع سے ختم تک چار حضرات نے پڑھا ہے اور وہ ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، تمیم داری رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ:۴۵)

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت ایک قرآن پاک نوافل میں ختم کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں ایک قرآن صبح اور ایک قرآن عصر کے وقت ختم فرمایا کرتے تھے اور عام طور پر رمضان کے دوران 62 بار

قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے۔(مناقب للموفق:۲۴۹)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۵ حج کیے۔ آخری حج میں کعبہ شریف کے مجاوروں سے اجازت لے کر کعبہ کے اندر چلے گئے اور وہاں آپ نے دو رکعت میں پورا قرآن اس طرح تلاوت کیا کہ پہلی رکعت میں دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پاؤں پر دباؤ نہیں دیا۔ اس حال میں نصف قرآن تلاوت کیا پھر دوسری رکعت میں بائیں پاؤں پر زور رکھا اگرچہ دوسرا پاؤں بھی زمین پر تھا مگر اس پر وزن نہیں دیا۔ اس طرح آپ نے بقیہ نصف قرآن کی تلاوت مکمل کی۔

نماز کے بعد روتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

"اے میرے رب! میں نے تجھے پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے لیکن میں تیری ایسی عبادت نہ کرسکا جیسا کہ عبادت کا حق تھا، مولا تو میری خدمت کی کمی کو معرفت کے کمال کی وجہ سے بخش دے"۔

ابوالاحوص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کہا جاتا کہ آپ تین دن تک انتقال کر جائیں گے تو بھی آپ اپنے معمول کے اعمال سے کچھ زیادہ نیکی نہیں کرسکتے تھے کیونکہ وہ اس قدر نیکیاں کرتے تھے کہ اس میں اضافہ ممکن ہی نہ تھا"۔(ایضاً:۱۲۷)

امام ابویحییٰ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"میں نے ساری رات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے دیکھا۔ میں دیکھتا کہ آپ کے آنسو مصلے پر بارش کے قطروں کی طرح ٹپک رہے ہیں۔"(مناقب للموفق:۲۵۶)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''اگر لوگ اپنے معاملات میں درست رہتے تو میں کسی کو فتویٰ نہ دیتا۔
مجھے اس سے بڑھ کر کوئی خوف نہیں کہ میں اپنے کسی فتویٰ کی وجہ سے
کہیں دوزخ میں نہ چلا جاؤں۔اس لئے میں فتویٰ دینے سے پہلے
ہزار بار سوچتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہوں''۔(ایضاً:۲۲۱)

آپ کے دل میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اس شخص نے کہا، خدا سے ڈرو۔ یہ سننا تھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ زرد پڑ گیا، سر جھکا لیا اور فرمایا، خدا تمہیں جزا دے، ہر وقت لوگوں کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی انہیں خدا کی یاد دلائے۔(سوانح امام اعظم:۲۲۲)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فرماتے، یہ مشکل میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے اور استغفار کرتے تو مسئلہ حل ہو جاتا۔

مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ متقی کوئی نہ دیکھا۔

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زائد نہ تو کسی کو متقی پایا نہ اپنی زبان کا حفاظت کرنے والا۔

جب آپ کو بغداد میں قید کر دیا گیا تو اپنے بیٹے حماد رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھیجا، اے میرے بیٹے! میرا خرچ دو درہم ماہانہ ہے، کبھی ستو کے لئے اور کبھی روٹی کے لئے، اور اب میں یہاں قید ہوں تو جلد خرچ بھیج دو۔ یہ تقویٰ تھا کہ جیل میں بھی حکومت کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔

کسی نے یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ انسان فتویٰ دینے کے قابل

کب ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کو پہنچ جائے۔ راوی کہتے ہیں، میں نے یہ سن کر کہا، ابو خالد آپ بھی ایسا کہتے ہیں؟ (یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ پہلے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے قائل نہیں تھے اس لئے انہیں حیرانی ہوئی) آپ نے فرمایا، میرے پاس اس سے بڑھ کر الفاظ نہیں ورنہ ان کا مقام تو اس سے بھی بلند ہے۔

حضرت ابو مطیع کا بیان ہے، مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران جب بھی رات میں طواف کرنے کے واسطے بیت اللہ شریف گیا، حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو طواف کرتے پایا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو فن حدیث شریف میں جو بلند مقام اللہ تعالیٰ نے عنایت کیا تھا اس کا کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

محدث کبیر محمد بن سماء نے کہا ہے، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں ذکر کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے آثار صحابہ کا انتخاب کیا ہے۔

حافظ یزید بن ہارون سلمی واسطی فرماتے ہیں، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متقی، پرہیز گار، زاہد، عالم، زبان کے سچے اور اپنے زمانے کے اتنے بڑے حافظ تھے، میں نے ان کے معاصرین کو دیکھا ہے، ان سب کا یہی قول ہے کہ انہوں نے ابو حنیفہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا ہے۔

امام شعبہ کا لقب "امیر المومنین فی الحدیث" ہے۔ انہوں نے جب حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سنی، فرمایا: اہل کوفہ سے علم کی روشنی چلی گئی، اب یہ لوگ قیامت تک ان جیسا نہیں دیکھیں گے۔

استقامت:

ایک بار عباسی خلیفہ نے دوسو دینار کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ "ان پر میرا کوئی حق نہیں"۔ ایک مرتبہ امیر المومنین نے ایک خوبصورت لونڈی بھیجی

مگر آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا، "میں اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں اس لئے مجھے کنیز کی حاجت نہیں"۔ (مناقب للموفق، ص: ۲۲۷)

بنوامیہ کے دورِ حکومت میں ابن ھبیرہ کوفہ کا گورنر تھا۔ اس نے ایک بار اپنے اور خوراج کے مابین ایک دستاویز لکھنے کے لئے ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ سے کہا۔ دونوں نے ایک ماہ کا وقت لے کر مضمون لکھا جو اسے پسند نہ آیا۔ ان کے بتانے پر ابن ھبیرہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت مضمون لکھوا دیا جو گورنر اور علماء سب کو پسند آیا۔ (ایضاً: ۳۱۲)

ابن ھبیرہ نے کئی مشہور علماء کو حکومتی عہدے دیئے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر بیت المال کی نظامت کا منصب پیش کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ اس پر گورنر غضبناک ہو گیا اور اس نے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ آپ نے کوڑوں کی سزا برداشت کر لی مگر یہ منصب قبول نہ کیا۔ پھر گورنر نے آپؒ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں اپنے آپ کو کبھی حکومت میں شریک نہیں کروں گا"۔

گورنر نے غصہ میں قسم کھائی، اگر عہدۂ قضا کو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبول نہ کیا تو ان کے سر پر تیس کوڑے مارے جائیں گے اور جیل میں ڈال دوں گا۔ آپ نے فرمایا، "کوڑے تو ہلکی سزا ہے اگر وہ مجھے قتل بھی کر دے تو میں یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا"۔ یہ جواب سن کر گورنر آگ بگولہ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے حکم پر آپ کو کوڑے مارے گئے اور جیل میں ڈال دیا گیا۔

ایک رات ابن ھبیرہ کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میرے امتی کو بلاوجہ سزا دے رہے ہو، شرم کرو۔ اس دن ابن ھبیرہ نے آپ کو جیل سے رہا کر دیا۔ آپ کوفہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا ہے۔ جب بنوامیہ کی حکومت ختم ہو گئی تو عباسی حکومت کے دور میں آپ کوفہ واپس آ گئے۔ (ایضاً: ۳۱۵)

ایک بار عباسی خلیفہ منصور اور اس کی بیوی میں اختلاف ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا، کسی کو منصف بنالو۔ اس نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا، چنانچہ آپ کو بلا لیا گیا اور خلیفہ کی بیوی پردے کے پیچھے بیٹھی تاکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ خود سنے۔ منصور نے آپ سے پوچھا، کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ آپ نے فرمایا، چار عورتوں سے۔ منصور نے اپنی بیوی سے کہا، غور سے سن لو۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ سے کہا، امیر المومنین! چار بیویوں کی اجازت اس کے لئے ہے جو ان میں عدل کر سکے، ورنہ ایک نکاح کا حکم ہے۔ یہ سن کر خلیفہ خاموش ہو گیا۔

جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ گھر تشریف لے آئے تو کچھ دیر میں ایک خادم پچاس ہزار درہم اور دیگر تحائف لئے ہوئے آیا کہ خلیفہ کی بیوی نے بھجوائے ہیں۔ آپ نے اس خادم سے کہا۔ "یہ سب واپس لے جاؤ اور اپنی مالکہ سے کہو کہ میں نے جو کچھ کہا محض رضائے الٰہی کے لئے کہا، یہ میرا دینی فرض تھا"۔ (ایضاً: ۲۲۷)

عباسی خلیفہ منصور نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بغداد بلا کر چیف جسٹس کا عہدہ قبول کرنے کا حکم دیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے انکار پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں ضرور ایسا کروں گا۔ اس پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ خلیفہ کے وزیر نے کہا، آپ امیر المومنین کی قسم پر قسم کھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں کیونکہ امیر المومنین مجھ سے زیادہ آسانی سے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر سکتے ہیں۔ خلیفہ کے دربار میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کا منصب قبول کرنے پر بڑی بحث ہوئی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تک فرما دیا، تم تو ایسے شخص کو قریب لایا کرتے ہو جو تمہاری ہاں میں ہاں ملائے اور ہر حال میں تمہاری تکریم کرے اور میں اس کام کے لئے بالکل موزوں نہیں۔ (تبییض الصحیفہ: ۳۷)

جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تو آپ نے خلیفہ سے کہا، بات یہ ہے کہ میں اس

منصب کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ خلیفہ نے کہا، آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ یقیناً اس کی اہلیت وصلاحیت رکھتے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے استغناء اور بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔ ''اب تم خود اپنے دل سے فیصلہ کرلو کہ ایک جھوٹا شخص چیف جسٹس کیونکر مقرر کیا جاسکتا ہے''۔ یہ سن کر خلیفہ لاجواب ہوگیا اور اس نے آپ کو کوڑے لگوائے۔

(مناقب للموفق:۴۳۱)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نرمی سے جواب نہیں دیتے تھے اور نہ حیلہ جوئی کرتے تھے بلکہ وہ علی الاعلان حق کی آواز بلند کرتے تھے اور نتائج کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اگر اس راستے میں کوئی تکلیف پہنچتی تو اسے صبر واستقلال سے برداشت کرتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہدۂ قضا وافتا سے بغیر حیلہ جوئی کے صراحت کے ساتھ انکار کردیتے ہیں اور عطایا اس بنا پر قبول نہیں کرتے کہ یہ مال مسلمانوں کے بیت المال سے آیا ہے اور ان کے لئے حلال نہیں ہے، خلیفہ اگر کسی بات پر قسم کھا کر اصرار کرتا ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی انکار میں قسم کھا لیتے ہیں۔ رنج کی نوک جھونک کی پروا نہیں کرتے کیونکہ وہ ہر بات کو ثواب سمجھ کر کرتے، معاد پر نظر رکھتے ہیں اور سمجھتے کہ اللہ ہی بدلہ دینے والا ہے۔

والدین سے حسن سلوک:

آپ اپنی والدہ سے بے حد محبت کرتے اور ان کی خوب خدمت کرتے۔ آپ کی والدہ شکی مزاج تھیں اور عام عورتوں کی طرح انہیں بھی واعظوں اور قصہ گوئی کرنے والے خطیبوں سے عقیدت تھی۔

کوفہ کے مشہور واعظ عمرو بن ذر اور قاضی زرعہ پر انہیں زیادہ یقین تھا اس لئے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ آپ

اپنی والدہ ماجدہ کے ارشاد کی تکمیل کے لئے ان کے پاس جاتے۔

وہ بیچارے سراپا عذر بن کر عرض کرتے، حضور! آپ کے سامنے میں کیسے زبان کھول سکتا ہوں اور اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو کوئی مسئلہ کا جواب نہ آتا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کرتے، ''آپ مجھ کو جواب بتا دیں تا کہ میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں''۔ آپ جواب دیتے تو وہ اسے آپ کے سامنے دہرا دیتے اور پھر وہی جواب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کو آ کر بتا دیتے۔ (الخیرات الحسان: ۱۹۶)

آپ کی والدہ کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی چنانچہ وہ خچر پر سوار ہوتیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پیدل ساتھ جاتے حالانکہ آپ کا گھر وہاں سے کئی میل دور تھا۔ وہ خود مسئلہ بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب اطمینان ہوتا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک دن میں نے دیکھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کو خچر پر بٹھائے عمرو بن ذر کے پاس جا رہے تھے تا کہ آپ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کر سکیں۔ آپ اپنی والدہ کی خواہش پر لے جا رہے تھے ورنہ آپ کو معلوم تھا کہ عمرو بن ذر کا کیا مقام ہے۔ یہ سب اپنی والدہ کی خواہش کے احترام کے پیش نظر تھا۔

(مناقب للموفق: ۲۹۳)

ایک بار آپ کی والدہ نے آپ سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے فتویٰ تحریر فرما دیا۔ وہ بولیں، میں تو وہی فتویٰ قبول کروں گی جو زرعی لکھیں گے۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ کی دلجوئی کے لئے زرعہ کے پاس گئے اور فرمایا، میری والدہ آپ سے یہ فتویٰ پوچھتی ہیں، تو انہوں نے کہا، آپ زیادہ بڑے فقیہ ہیں، آپ فتویٰ دیجئے۔ آپ نے فرمایا، میں نے یہ فتویٰ دیا ہے لیکن وہ آپ سے تصدیق چاہتی ہیں تو زرعہ نے لکھ کر کہا، فتویٰ وہی صحیح ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا۔ اس تحریر سے وہ مطمئن ہو گئیں۔ (ایضاً)

جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو عباسی خلیفہ نے چیف جسٹس مقرر کرنا چاہا تو آپ نے

انکار کیا۔ اس پر آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جلاد روزانہ جیل سے نکال کر آپ کو لوگوں کے سامنے کوڑے مارتے اور کہتے کہ چیف جسٹس کا منصب قبول کرلیں مگر آپ انکار کرتے رہے۔ ایک دن کوڑے کھاتے کھاتے رو پڑے۔ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا، میں اپنی تکلیف کی وجہ سے نہیں رویا مجھے اپنی والدہ یاد آ گئیں کہ وہ میری جدائی میں کس قدر مغموم ہوں گی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب میری والدہ میرے خون آلود چہرے کو دیکھیں گی تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ (ایضاً)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب مجھے کوڑے لگائے جاتے تھے تو میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں، ابوحنیفہ! تجھے علم نے اس قوت برداشت تک پہنچا دیا ہے۔ تم اس علم کو چھوڑ دو اور عام دنیا والوں کی طرح کام کرتے جاؤ۔ میں نے کہا، امی جان! اگر میں علم چھوڑ دوں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل کروں گا"۔

آپ فرماتے تھے، میں اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لئے ہر جمعہ کے دن بیس درہم خیرات کرتا ہوں، اور اس بات کی میں نے منت مانی ہوئی ہے۔ دس درہم والد اور دس درہم والدہ کے لئے خیرات کرتا ہوں۔ ان مقررہ درہموں کے علاوہ آپ اپنے والدین کے لئے فقراء و مساکین میں اور بھی چیزیں صدقہ کرتے تھے۔

(ایضاً:۲۹۴)

اساتذہ کا ادب:

علامہ موفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کے لئے دعا کرتے تو حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے پہلے لیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے، والدین بچے کو جنم دیتے ہیں مگر استاد اسے علم و فضل کے خزانے دیتا ہے"۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان ہوئی ہے۔

آپ کو اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے خاص محبت تھی۔ آپ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابوحنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کئے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا:

''ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی وروحانی علوم کے ذخائر ہیں''۔ (ایضاً:۱۹۲)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو پہلے نہیں دیکھا تھا مگر سمجھ گئے کہ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تعظیم کیلئے آگے بڑھے اور عرض کی، اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ آ رہے ہیں تو میں پہلے ہی سے استقبال کیلئے کھڑا رہتا۔ اب جب تک آپ تشریف فرما رہیں گے میں تعظیماً کھڑا رہوں گا۔ آپ نے فرمایا: ''بیٹھ جائیے اور لوگوں کے مسائل کا جواب دیجیے''۔ اس خاص تعظیم کی وجہ محبت اہل بیت تھی۔ (مناقب للموفق:۲۶۵)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے زمانے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ ایک بار جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار میں بلایا گیا تو آپ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی دربار میں بلوالیا تاکہ سوال وجواب کی صورت میں علمی گفتگو کے ذریعے خلیفہ کی اصلاح کی جائے۔ آپ نے 40 سوالات کئے جن کے مدلل جوابات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔ (ایضاً:۱۳۳)

آپ نے طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے

ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہے: ''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا''۔

(مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم:۴۱)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سالانہ منافع جمع کرتے رہتے پھر اس رقم سے شیوخ اور محدثین کی ضروریات زندگی لباس، خوراک اور دوسری چیزیں خریدتے، پھر جو اشرفیاں بچ جاتیں وہ ان شیوخ اور محدثین کو دے ڈالتے اور ان سے کہتے: ''یہ روپے اپنی ضروریات میں صرف کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا شکر نہ ادا کیجئے کہ میں نے آپ کو اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا یہ تو محض خدا کا فضل ہے''۔

علماء کے وقار کا خیال:

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے تجارتی نفع سے علماء کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی ضروریات زندگی پوری کرتے اور چاہتے کہ علم ہر قسم کی بخشش وعطا سے بے نیاز رہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بات کا پورا خیال رکھتے کہ ان کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ عمدہ لباس پہنتے یہاں تک کہ ان کا ایک کمبل تیس اشرفی کا ہوتا۔ بڑے ٹھاٹھ سے رہتے، خوشبو لگاتے، قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام اپنے تسمے تک کا خیال رکھتے، چنانچہ ان کے جوتے کا تسمہ تک کبھی ٹوٹا ہوا نظر نہیں آیا۔

امام صاحب بحیثیت استاد:

امام صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے علامہ ذہبی نے فرمایا ہے آپ کے آٹھ سو شاگرد تھے علامہ موفق نے بحساب حروف تہجی اور معہ اوطان سات سو شاگردوں کی نشان دہی کی ہے اور فرمایا ہے یہ آپ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگرد تھے۔

تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پر ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اولاد بنالیا ہے تا کہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو۔ اگر کوئی عام شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑا نہ کرنا ورنہ تمہاری عزت چلی جائے گی اور اظہارِ حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ وحشمت کا خیال نہ کرو اگر چہ وہ سلطانِ وقت ہو۔

یہ بات محقق ہے کہ امام مالک مدینہ طیبہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے تا کہ ان سے مسائل میں رہنمائی حاصل کریں اور بسا اوقات حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علمی مذاکرہ میں ان کی پوری پوری رات گزر جاتی تھی۔ ایک بار طویل مذاکرے سے فارغ ہو کر اپنے شاگردوں کے حلقہ میں پہنچے تو پسینہ سے تر تھے۔ شاگردوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مذاکرے میں، میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ بے شک وہ بہت بڑے فقیہ ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار فرمایا ہے کہ علم اور دنیوی معاملات میں مجھ پر امام محمد کا جس قدر بڑا احسان ہے کسی اور کا نہیں ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد جیسا صاحب علم وفضل کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا، امام محمد کی عظمت کی وجہ سے وہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قدر مداح تھے کہ فرمایا کرتے تھے، جس کو فقہ حاصل کرنا ہو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کو لازم پکڑے کیونکہ فقہ میں سب ان کے محتاج ہیں اور فرمایا کرتے تھے، میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کی بقدر کتابیں لکھی ہیں، اگر امام محمد نہ ہوتے تو مجھے علم سے کوئی مناسبت نہ پیدا ہوتی، علم میں سب لوگ اہل عراق کے محتاج ہیں اور اہل عراق، اہل کوفہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست نگر ہیں ور ایک بار جب وہ بغداد میں مقیم تھے، فرمایا کہ میں روزانہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضر ہو کر برکت حاصل کرتا ہوں اور اپنی کسی پریشانی کے رفع ہونے کی ان کی قبر پر

پہنچ کر خدا سے دعا کرتا ہوں تو وہ پریشانی بہت جلد رفع ہو جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے ارشاد فرمایا، حدیث میں میرے سب سے پہلے استاد ابو یوسف ہیں اور میں نے ان کے پاس رہ کر تین الماریاں بھر حدیثیں ان سے لکھی ہیں۔

حسن بن زیاد نے کہا کہ مسعر بن کدام مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھتے تھے اور ایک گوشہ میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھتے تھے اور ان کے اصحاب صبح کی نماز کے بعد اپنی ضروریات کے سلسلہ میں چلے جاتے تھے اور پھر ان کی آمد ہوتی تھی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے پڑھانے کو بیٹھتے۔ ان میں کوئی کچھ دریافت کرتا تھا، کوئی مناظرہ کرتا تھا اور ان کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں اور جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے ان کے سامنے دلیلیں پیش کرتے تھے، وہ سب آوازیں بند ہو جاتی تھیں، یہ دیکھ کر مسعر کہتے تھے: جس شخص سے اللہ تعالیٰ ان آوازوں کو تسکین دیتا ہے وہ یقیناً اسلام میں بڑی شان والا ہے۔

باب پنجم

مندرجاتِ فقہ حنفی

دستورِ اسلامی وتدوین فقہ حنفی:

عہد نبوی میں اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا۔ حجاز کے علاوہ جو قبائل زیادہ فاصلے پر آباد تھے وہ دین کی باتیں سیکھنے آتے اور واپس آ کر اپنے قبیلوں میں ان ہی تعلیمات کو سکھلاتے تھے۔ حضور ﷺ بھی مدینہ منورہ سے عمال کو مختلف قبیلوں میں اسی غرض سے بھیجتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ان قبائل میں اسی غرض سے بھیجا گیا تھا۔

اس کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ آیا جس میں اسلام دوسرے ملکوں میں بھی پہنچ گیا جہاں کا رنگ ڈھنگ، طرز معاشرت اور زبان مختلف تھی وہاں پہنچ کر اسلامی تعلیمات، عقائد، معاملات، عبادات کی اہمیت کو مختلف الفاظ مثلاً فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام وغیرہ سے ظاہر کرنا پڑا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ لوگ امور دینیہ کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہتے۔

چونکہ ان مفتوحہ ممالک (ایران، شام، عراق، مصر، ایشیائے کوچک) تک حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پہنچ چکے تھے اور انہوں نے وہاں کی بودوباش بھی اختیار کر لی تھی اس لئے خوب اشاعت کی اور اسی کو احکامات میں اپنا مرجع بنایا لیکن اختلاف ادوار اور ضروریات زندگی کے ابھار کے باعث انہیں جو چیزیں پیش آئیں ان کا جواب انہوں

نے قرآن وسنت کی علل مستنبطہ کے ذریعہ دیا۔ خلیفہ وقت کی طرف سے بھی اپنے مقرر عمال کو یہی حکم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو تحریر فرمایا:

''اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرو بالخصوص اس مسئلہ میں جو تمہارے دل میں موجب تردد ہو۔ اگر قرآن وسنت سے تم کو وہ بات نہ معلوم ہو تو ایسے موقع پر ملتے جلتے ایک دوسرے سے مشابہ مسائل کو پہچان لو پھر مسائل میں قیاس سے کام لو اور جو جواب تم کو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے زیادہ قریب نظر آئے اور اس کو اختیار کرو۔''

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اہل افتاء:

1. حضرت عمر رضی اللہ عنہ
2. حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ
3. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
4. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
5. حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
6. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
7. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

ان سات حضرات کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ بیس صحابہ رضی اللہ عنہم وہ ہیں کہ جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں لیکن کم بھی نہیں ہے مثلاً:

1. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
2. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
3. حضرت انس رضی اللہ عنہ

۴ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

۵ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

۶ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

۷ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

۸ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

۹ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۱۰ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۱۱ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

۱۲ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

۱۳ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

۱۴ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

۱۵ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

۱۶ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۱۷ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

۱۸ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

۱۹ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

۲۰ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

ان حضرات کے علاوہ ۱۲۳ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ ہیں جن میں سے بعض حضرات کے صرف ایک یا دو ہی فتوے ہیں اسی وجہ سے ان کو اس فہرست میں داخل نہیں کیا گیا۔

اس زمانہ میں سات مقامات ایسے تھے جہاں تعلیمات دین کے لئے بڑی درس گاہیں اور دارالافتاء قائم تھے۔ان مقامات پر بڑے بڑے جید تابعی موجود تھے اور

کام کررہے تھے۔ وہ سات مقامات یہ ہیں: (۱) مدینہ منورہ (۲) مکہ معظمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) دمشق (۶) مصر (۷) یمن۔

۱۲۰ھ سے قبل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت ایک طالب علم کی تھی لیکن ۱۲۰ھ میں امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مستقل معلم اور مفتی اور کوفہ کی درس گاہ کے صدر نشین ہو گئے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ نہایت فہیم وذکی تھے انہوں نے سوچا اب علم کسی ایک جگہ اور ایک فرد کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ اطراف عالم میں منتشر ہو چکا ہے اس کو اگر یکجا نہ کیا گیا تو وہ ضائع ہو جائے گا یا پہلی امتوں کی طرح اس کی اصل صورت بدل جائے گی۔ پھر ان کی نظروں کے سامنے واضعین حدیث کی تصرفات موجود تھے۔ امام صاحب یہ بھی جانتے تھے کے اختلاف زبان واحوال اور حوائج کی وجہ سے ایک صدی میں بڑا تغیر ہو چکا ہے تو آئندہ ادوار میں یہ تغیر نہیں رک سکتا، اس لئے اس علم کو یکجا کرنا چاہئے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایسا دستور العمل مرتب کر دینا چاہئے جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو اس لئے اسلامی قانون کی تدوین اور اس کے اصول کا متعین کرنا ضروری ہوا۔ لہٰذا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۰ھ ہی سے اپنی درس گاہ کو اس نہج پر چلایا اور تدوین کا کام شروع کر دیا۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے اس کام کو بھی بند کر دیا تھا لیکن ۱۳۲ھ سے پھر پابندی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا اور بالآخر ۱۵۰ھ تک اس کام کو پورا کر دیا۔ **فجزاہ اللّٰہ عنی و عن جمیع المسلمین الی یوم القیامۃ خیراً و احسن الجزاء۔**

عام مسلمان قاضیوں کے مختلف فیصلوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے چنانچہ ابن المقفع نے خلیفہ ابوجعفر منصور کو اپنے خط میں لکھا ہے:

''عدالتوں میں بدنظمی چھائی ہوئی ہے، ان میں کسی مشہور قانون کی

طرف رجوع نہیں کیا جاتا بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے
اپنے اجتہاد پر ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شہر میں متضاد احکام
صادر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ
کے ایک علاقہ میں لوگوں کی جان و مال اور عصمت کے خلاف فیصلہ
دیا جاتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دوسرے قاضی کے فیصلہ کے مطابق
اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے۔“

وجہ اس کی یہی تھی کہ کوئی قانون مدون نہیں تھا۔امام صاحب نے اسی قسم کی
موجودہ اور آئندہ ضروریات کو محسوس کیا اور قانون اسلامی کو مدون کرنا شروع کر دیا اور
امت مسلمہ پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر بڑا احسان فرمایا اسی وجہ سے قانون سازی کی
تاریخ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے اور قانون ساز اسمبلیوں کے لئے
اس فرزند جلیل کی ہدایات مینارۂ نور ہیں۔

کیفیت تدوین فقہ:

تدوین فقہ کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ مسئلہ زیر غور آیا کہ اس مجلس کو کس
جگہ قائم کرنا چاہئے۔بہت غور و فکر کرنے کے بعد کوفہ کو ترجیح دی گئی کیونکہ کوفہ اس کام
کے لئے بہت عمدہ صلاحیت رکھتا تھا۔مختلف عربی و عجمی تہذیبیں وہاں موجود تھیں۔قسم
قسم کے مسائل وہاں اٹھتے رہتے تھے۔اہل علم بھی بہت تھے۔اس کے علاوہ عرب کے
دوسرے شہروں کی تہذیب خالص عربی وسادہ تھی اور ایک قانون ساز کے لئے ضروری
ہے کہ وہ دنیا کی تہذیبوں کو بہ نظر غائر مطالعہ کرے اور ان سے پیدا شدہ مسائل و
ضروریات و حوائج کے ابھار کو ہرگز نظر انداز نہ کرے۔

بہرحال کوفہ میں یہ سب چیزیں موجود تھیں اور امام صاحب نے جس کام کا

بیڑہ اٹھایا تھا اس کے لئے بھی ضرورت ایسی ہی جگہ اور ہوشیار افراد کی تھی اس لئے انہوں نے ایک مجلس شوریٰ جو مجلس مباحثہ تھی کو مرتب کیا۔ علامہ موفق فرماتے ہیں:

فوضع ابوحنیفه مذهب شوریٰ بینهم لم یستبد فیه بنفسه دونهم.

"امام صاحب نے اپنے مسلک کو مشورہ پر رکھا اور مجلس سے کٹ کر فقہ کو صرف اپنی ذات پر موقوف نہیں رکھا۔"

چنانچہ امام صاحب نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہر فن اشخاص منتخب کئے۔ امام طحاوی نے بہ سند متصل بیان کیا ہے کہ اس مجلس کے اراکین کی تعداد چالیس تھی۔ یہ سب کے سب حضرات درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے ان چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور مجلس خصوصی تھی جس کے رکن امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، احمد بن عمرو، یوسف بن خالد، یحییٰ بن زائدہ، امام محمد و عبداللہ بن مبارک اور خود امام ابوحنیفہ تھے۔ مجلس تدوین فقہ کے متعلق وکیع بن الجراح مشہور محدث فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر، محمد جیسے لوگ قیاس اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان، مہذل جیسے ماہرین حدیث ان کے ساتھ تھے اور لغت اور عربیت کے ماہر قاسم بن معن یعنی عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی فضیل بن عیاض، زہد اور تقویٰ اور پرہیزگاری رکھنے والے حضرات موجود تھے، لہٰذا جس کے رفقاء کار اور ہمنشین ایسے لوگ

ہوں وہ غلطی نہیں کرسکتا، کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ واپس کرنے والے تھے۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استنباط مسائل کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً کتاب اللہ پھر سنت نبویہ پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد قیاس، امام صاحب کی نظر احادیث کے بارے میں بہت دوربین تھی۔ وہ حدیث کے قوی، ضعیف، مشہور، احاد کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آخری امر جس پر جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے وہ کیا تھا۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں اختلاف ہوتا تو بر بنائے فقہ افقہ کی روایت کو ترجیح دیتے تھے۔

تقریباً ۲۲ سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی کو مدون کرلیا تھا۔ یہ کتابیں کتب فقہ ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہ مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات وعقوبات سے تھا۔ ان ہی مسائل کے ضمن میں دقائق نحو اور حساب بھی مذکور تھے جن کے سمجھنے کے لئے عربیت اور حساب کے ماہر کی ضرورت ہے۔

اس مجموعہ کی ترتیب اس طرح تھی۔ باب الطہارت، باب الصلوٰۃ، عبادات کے بعد دوسرے ابواب اور ان کے بعد معاملات اور عقوبات کے ابواب تھے۔ آخر میں باب المیراث تھا۔ چنانچہ مروجہ کتب حنیفہ اسی ترتیب پر آج بھی موجود ہیں۔

یہ مجموعہ اگرچہ ۱۴۴ھ سے پہلے مرتب ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے کیونکہ جب امام صاحب کو کوفہ سے بغداد جیل میں منتقل کر دیا گیا تو یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ امام محمد کا امام صاحب کی مجلس سے تعلق وہیں سے ہوا ہے۔ اضافہ کے بعد اس مجموعہ کی تعداد ۵ لاکھ مسائل ہوگئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

كتبت كتب ابى حنيفة غير مرة كان يقع فيها زيادات فاكتبها۔

"میں نے امام صاحب کی کتابوں کو متعدد بار لکھا ہے ان میں اضافے بھی ہوتے رہے میں ان اضافوں کو بھی لکھتا تھا۔"

اس مجموعہ کو امام صاحبؒ کے زمانے ہی میں شہرت حاصل ہوگئی تھی اس کے جس قدر اجزاء تیار ہو جاتے تھے ہاتھوں ہاتھ چلے جاتے تھے۔ عدالتوں میں قضاۃ نے سرکاری طور پر ان اجزاء کو رکھوالیا تھا۔ جب یہ مجموعہ بالکل تیار ہوگیا تو امام صاحب نے اپنے تمام شاگردوں کے سامنے ایک تقریر فرمائی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر:

میرے دل کے مسرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے تمہاری ہستیوں میں میرے حزن وغم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ فقہ (قانون اسلامی) کی زین کس کر تم لوگوں کے لئے تیار کر چکا ہوں اس کے منہ پر تمہارے لئے لگام بھی چڑھا چکا ہوں۔ اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو۔ میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اس پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ تلاش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب لوگ علم کی حفاظت میں میری مدد کرو۔ تم سب میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عہدۂ قضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ان میں سے دس آدمی ایسے ہیں جو قاضی نہیں بلکہ ان کے معلم بھی بن سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور علم کا جو کہ تم کو ملا ہے اس کی عظمت وجلالت کا حوالہ دیتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ اس علم

کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا، اور اگر تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونا پڑے تو میں یہ کہے دیتا ہوں کہ ایسی کمزوریوں کو جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں جو لحاظ کرے گا اس کا فیصلہ جائز نہ ہوگا، اس کے لئے خدمت قضا حلال ہے اور نہ اس کی تنخواہ لینا حلال۔ قضا کا عہدہ اس وقت درست ہے جب قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ اسی قضاء کی تنخواہ حلال ہے۔ بہر حال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک کر چیزوں مثلاً دربان وغیرہ کو حائل نہ ہونے دینا پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھنا ہمیشہ لوگوں کی حاجت پوری کرنے کو تیار رہنا۔ امام یعنی مسلمانوں کا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویے کو اختیار کرلے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مدون شدہ قانون اس وقت کے تمام علماء اور والیانِ ریاست کے کام آیا۔ عدالتوں میں سرکاری طور سے اس کو داخل کرلیا گیا۔ یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں:

قضی به الخلفاء و الائمة والحکام و استقر علیه الامر۔

خلفاء، حکام، ائمہ، امام صاحب کے مدون کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے بالآخر اسی پر عمل ہونے لگا۔

شرکاء تدوین فقہ:

①	امام زفر	م ۱۵۸ھ
②	امام مالک بن مغول	م ۱۵۹ھ

③	امام داؤد	م۱۶۰ھ
④	امام مندل بن علی	م۱۶۸ھ
⑤	امام نصر بن عبدالکریم	م۱۶۹ھ
⑥	امام عمرو بن میمون	م۱۷۱ھ
⑦	امام حبان بن علی	م۱۷۲ھ
⑧	امام ابوعصمہ	م۱۷۳ھ
⑨	امام زہیر بن معاویہ	م۱۷۳ھ
⑩	امام قاسم بن معین	م۱۷۵ھ
⑪	امام حماد بن الامام اعظم	م۱۷۶ھ
⑫	امام ہیاج بن بسطام	م۱۷۷ھ
⑬	امام شریک بن عبداللہ	م۱۸۷ھ
⑭	امام عافیہ بن یزید	م۱۸۰ھ
⑮	امام عبداللہ بن مبارک	م۱۸۱ھ
⑯	امام ابو یوسف	م۱۸۲ھ
⑰	امام محمد بن نوح	م۱۸۲ھ
⑱	امام ہیثم بن بشیر السلمی	م۱۵۹ھ
⑲	امام ابوسعید یحییٰ بن زکریا	م۱۸۳ھ
⑳	امام فضیل بن عیاض	م۱۸۷ھ
㉑	امام اسد بن عمرو	م۱۸۸ھ
㉒	امام محمد بن الحسن	م۱۸۹ھ
㉓	امام علی ابن سہر	م۱۸۹ھ

۲۴	امام یوسف بن خالد	م۱۸۹ھ
۲۵	امام عبداللہ بن ادریس	م۱۹۲ھ
۲۶	امام فضل بن موسیٰ	م۱۹۲ھ
۲۷	امام علی بن ظبیان	م۱۹۲ھ
۲۸	امام حفص بن غیاث	م۱۵۴ھ
۲۹	امام وکیع بن الجراح	م۱۹۷ھ
۳۰	امام ہشام بن یوسف	م۱۹۷ھ
۳۱	امام یحییٰ بن سعید القطان	م۱۹۸ھ
۳۲	امام شعیب بن اسحاق	م۱۹۸ھ
۳۳	امام ابو حفص بن عبدلرحمٰن	م۱۹۸ھ
۳۴	امام ابو مطیع بلخی	م۱۹۹ھ
۳۵	امام خالد بن سلیمان	م۱۹۹ھ
۳۶	امام خالد بن سلیمان امام عبدالحمید	م۲۰۳ھ
۳۷	امام حسن بن زیاد	م۲۰۴ھ
۳۸	امام ابو عاصم النبیل	م۲۱۲ھ
۳۹	امام مکی بن ابراہیم	م۲۱۵ھ
۴۰	امام حماد بن دلیل	م۲۱۵ھ

نیت کی ضرورت اس وجہ سے ہے تا کہ عبادات اور عادات میں امتیاز ہو جائے یا ایک عبادت کو دوسری عبادت سے ممتاز کیا جائے مثلاً مسجد میں بیٹھنا آرام کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ثواب کی نیت سے بھی۔

نیة المومن خیر من عملہ۔

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔''

اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے:

ان اللہ لاینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم۔(الحدیث)

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

اس کی تائید قرآن پاک کی آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

لن ینال اللہ لحومھا و لا دمائھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔

(الحج 37)

''اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا اس کو تو تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

''جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں (گڑگڑاہٹ) محسوس کرے اور اس کو شک ہو جائے کہ کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں؟ تو مسجد سے نہ نکلے جب تک کہ آواز یا بدبو محسوس نہ کرلے''۔

''ہر چیز اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتی ہے''۔

یعنی اگر اصل کے اعتبار سے کوئی چیز پاک ہے تو شک سے ناپاک نہ ہوگی اور اگر اصل کے اعتبار سے ناپاک ہے تو شک سے پاک نہ ہوگی یہی حال حلت اور حرمت کا ہے مثلاً:

ا۔ اگر کوئی آدمی وضو سے تھا اور کچھ وقفہ گزرنے کے بعد اس کو خیال آیا معلوم نہیں وضو ہے یا ٹوٹ گیا تو اس شک سے اس کا وضو ختم نہیں ہوگا۔

ب۔ گلی کوچوں میں جو مٹی اور کیچڑ ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی زمین کی

اصل طہارت ہے تو وہ محض اس گمان سے کہ ممکن ہے کہ یہاں کوئی نجاست گر گئی ہو ناپاک نہ ہوگی۔

ج۔ اگر کوئی بچہ کسی جگہ پڑا ہوا مل جائے (یعنی لقیط) تو وہ آزاد شمار ہوگا، کیونکہ آدمی کی اصل حریت ہے لہٰذا شک کی وجہ سے غلامی ثابت نہ ہوگی۔

د۔ خاوند اور بیوی میں وطی کے بارے میں اختلاف ہوا، ایک نے کہا وطی ہو چکی ہے دوسرے نے انکار کیا تو قول انکار کرنے والے کا معتبر ہے کیونکہ اصل اس معاملہ میں عدم وطی ہے۔

کسی آدمی نے چند نمازیں پڑھنے کے بعد کپڑے پر نجاست دیکھی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کب لگی ہے تو یہ آدمی وقوع نجاست کے آخری موقع کی طرف اس کو منسوب کرے اور اسی اعتبار سے نماز کا اعادہ کرے۔

ایک گھر کا ایک حصہ فروخت ہوا اور شریک نے شفعہ کا دعویٰ کر دیا۔ اگر اس موقع پر مشتری اسکی ملکیت کا انکار کر دے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ (یہ مدافعت کی صورت ہے) البتہ شریک گواہوں سے ثابت کر دے تو اس کے گواہ معتبر ہوں گے۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا"۔ (سورہ بقرہ 185)

دوسری آیت مبارکہ یہ ہے:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں تنگی نہیں کی"۔ (الحج 78)

حدیث پاک یہ ہے:

"اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین سیدھا نرمی والا ہے"۔ (الحدیث)

مشقت کی دو قسم ہیں:

ا۔ یہ کہ اس سے عبادت جدا نہ ہو سکے مثلاً روزہ کی مشقت، گرمیوں میں حج کے

لئے سفر کی مشقت، سردیوں میں وضو کی مشقت، یہ مشقتیں ایسی ہیں کہ کسی وقت بھی عبادت متعلقہ سے جدا نہیں ہوتیں اور نہ ان کی وجہ سے یہ عبادتیں ساقط ہوتی ہیں۔

ب۔ وہ مشقت جو عبادت سے جدا ہے اس کے چند درجے ہیں، مثلاً مشقت خوف، یہ موجب تخفیف ہے اگر راستہ مامون نہیں ہے تو حج کی ادائیگی مؤخر ہو جائے گی، دوسری مشقت خفیفہ ہے مثلاً ادنیٰ درجہ کا سر میں درد ہو یا ادنیٰ درجہ کا سوءِ مزاج ہو تو اس مشقت سے کوئی تخفیف نہیں ہوتی اس لئے یہ مشقت قابل لحاظ نہیں ہے۔

ج۔ تخفیفات شرع کی بھی چند اقسام ہیں جیسے تخفیف اسقاط، جیسے حیض اور نفاس کی وجہ سے نماز کا ساقط ہو جانا۔ (۲) تخفیف تنقیث، جیسے سفر کی وجہ سے قصر صلوٰۃ۔ (۳) تخفیف ابدال جیسے غسل اور وضو کی جگہ تیمّم، قیام کی جگہ قعود، رکوع اور سجدہ کی جگہ اشارہ، روزہ کی جگہ فدیہ۔ (۴) تخفیف تقدیم جیسے جمع صلوٰۃ مزدلفہ میں، تاخیر صیام مریض اور مسافر کے لئے، تاخیر صلوٰۃ مریض کے لئے یا کسی ڈوبتے کو بچانے آگ بجھانے کے لئے نماز کو موخر کر دینا۔ (۵) تخفیف ترخیص جیسے بلا پانی استنجاء کئے نماز پڑھنے کی اجازت۔ (۶) تخفیف تغیر جیسے صلوٰۃ خوف میں ترتیب صلوٰۃ میں تغیر آ جاتا ہے۔

اگر کسی آدمی کے حلق میں لقمہ اٹک گیا اور شراب کے علاوہ کوئی ذریعہ اس کے اترنے کا نہیں ہے تو شراب کے گھونٹ سے اس کو اتارا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی جان بلب ہے اور مردار کے علاوہ کوئی چیز جان بچانے کو نہیں ہے تو بقدر سدرمق مردار کھانا مباح ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کا اقرار کیا تھا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے رجم کا حکم صادر فرمایالیِ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جگہ موجود تھے انہوں نے فرمایا اس سے پوچھا جائے شاید کوئی عذر پیش کر سکے عورت سے دریافت کیا تو اس نے بتلایا۔ میرا ایک پڑوسی تھا جس کے یہاں اونٹ، پانی، دودھ تھا اور میرے یہاں یہ چیزیں نہ تھیں اس لئے میں پیاسی رہتی تھی میں نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے پانی دینا اس شرط پر منظور کیا کہ وہ میرے ساتھ حرام کرے میں نے تین دفعہ انکار کر دیا مگر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا میں نے اس کی خواہش پوری کر دی اس وقت اس نے مجھے پانی پلایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ اکبر جو چیز مجبوری کی وجہ سے کی جائے اور اس کا ارادہ سرکشی نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اسی قبیل سے یہ بھی ہے۔

طبیب کو مریض کا ستر عورت بقدر ضرورت دیکھنا جائز ہے۔

شہید کا خون اس کے لئے پاک ہے اور دوسرے کے لئے ناپاک ہے۔

مجنون کو ایک عورت سے زیادہ شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

قاعدہ ج ۲۱:

جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ عذر ختم ہوتے ہی باطل ہو جاتی ہے۔

یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے اور اس کا ماخذ بھی وہی آیات ہیں اور اس کی مثالیں بھی وہی ہیں۔ ان کے علاوہ:

وجہ جواز تیمم جب ختم ہو جائے تو تیمم خود بخود ٹوٹ جائے گا مثلاً پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا تھا تو جیسے ہی پانی بقدر استعمال مل جائے گا تیمم ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ اس کے استعمال پر قادر ہو۔

اسی قبیل سے شہادت علی الشہادت ہے اگر اصل گواہ مریض تھا پھر وہ اچھا ہو گیا

تو دوسری گواہی جو اس کے بدلہ میں دی گئی ہے ختم ہو جائے گی۔ (ایک قول کی بناء پر)

قاعدہ د ۲۳:

ضرر کو ضرر سے یا نقصان کو نقصان سے دور نہیں کیا جائے گا۔

''ضرر شدید کو ضرر خفیف سے دور کرنا جائز ہے''۔

مثلاً اگر کسی کی دیوار شاہراہ عام کی طرف کو جھکی ہے اور گرنے کا اندیشہ ہے تو اس کو گرا دیا جائے۔ آج کل کارپوریشن اور میونسپلٹیاں اسی قاعدے کے تحت مکانات گراتی ہیں۔

اسی قبیل سے مجنوں اور پاگل قسم کے یا مالیخولیہ زدہ مفتی کو فتویٰ دینے اور جاہل طبیب کو علاج کرنے سے روک دینا ہے۔

اسی قبیل سے ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ کی ممانعت ہے کیونکہ اسی میں ضرر عام ہے۔

اگر کسی کی مرغی نے کسی کا موتی نگل لیا تو دیکھنا چاہئے کہ موتی کی قیمت زیادہ ہے یا مرغی کی اگر موتی کی قیمت زیادہ ہے تو مرغی کو ذبح کر دینا چاہئے۔

ایسے ہی اگر کسی جانور نے دیگ میں منہ ڈال دیا اور منہ اس میں پھنس گیا تو جانور کو ذبح کر دینا چاہئے یا اگر برتن کم قیمت ہے تو اس کو توڑ کر جانور کا منہ نکال دینا چاہئے۔

قاعدہ ص ۲۴:

اگر کوئی دو خرابیوں میں مبتلا ہو جائے اور دونوں برابر درجہ کے ہوں تو جس کو چاہے اختیار کر لے اور اگر کوئی آسان ہے تو آسان کو اختیار کر لے۔

یہ قاعدہ بھی پہلے کی شرح ہے مذکورہ حدیث میں اس کا اشارہ ہے اس کے علاوہ:

ایک زخمی آدمی ہے یا کسی کے آپریشن ہوا یا آنکھ بنوائی ہے اگر رکوع سجدہ سے نماز پڑھے گا تو ٹانکے ٹوٹ جائیں گے اس کو چاہئے اشارہ سے نماز پڑھے۔

ایک آدمی کے پاس پورا کپڑا ناپاک ہے اسے اختیار ہے چاہے ننگے نماز پڑھے یا ناپاک کپڑے پہن کر ہی ادا کرے۔

"جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر طاقت بجالاؤ اور جب کسی چیز سے منع کردوں تو اس سے ضرور رک جاؤ"۔

یعنی رکنے کے لئے استطاعت کی قید نہیں ہے اس سے بھی مذکورہ قاعدہ کی تائیدی ہوتی ہے۔ایک دوسری حدیث ہے:

"ممنوعات خداوندی میں سے ذرا برابر کو ترک کر دینا جنات اور انسانوں کی عبادت سے افضل ہے"۔

اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ بھی ہے۔جنبی کو غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے مگر روزہ کی حالت میں مکروہ ہے۔اور موئے زیر ناف تراشنا مسنون ہے لیکن حالتِ احرام میں ناجائز ہے جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن کسی بڑے فساد کو روکنے کے لئے بولنا جائز ہے۔

چنانچہ آپ نے تدوینِ فقہ کے عظیم کام کے لیے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور افراد جو اپنے اپنے فن کے ماہر تھے، ان کا انتخاب کر کے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ائمہ حضرات درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ان اراکین کمیٹی میں امام ابو یوسف، امام داؤد طائی، حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ، حضرت حفص بن غیاث اور حضرت عبداللہ بن مبارک کو روایت اور حدیث و آثار میں خاص کمال حاصل تھا۔حضرت قاسم بن معن اور امام محمد عربیت اور ادب میں مہارت رکھتے تھے جبکہ امام زفر قوتِ استنباط میں مشہور تھے۔

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''امام اعظم ابو حنیفہ نے ایک کارنامہ انجام دیا جو اسلامی قانون کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم اور یادگار کارنامہ ہے۔ اس زمانے میں امام مالک، امام اوزاعی وغیرہ بڑے بڑے فقیہ موجود تھے۔ انہوں نے کتابیں بھی لکھیں لیکن ان کی کوششیں انفرادی تھیں۔ امام ابو حنیفہ نے سوچا کہ انفرادی کوشش کی جگہ، اسلامی قانون کی تدوین اگر اجتماعی طور پر کی جائے تو بہتر ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں میں سے چالیس ماہرینِ قانون منتخب کر کے ایک اکیڈمی قائم کی۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور پھر اس مسئلہ پر آپ کے تلامذہ گفتگو کرتے۔ بعض اوقات بحث و تمحیص میں ان کی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نہایت خاموشی سے ان کی گفتگو سنتے رہتے پھر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے اور یہ سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ ایک شخص زنے یہ منظر دیکھ کر کہا:

''پاک ہے وہ ذات جس نے امام ابو حنیفہ کے لیے ان حضرات کو خاموش کرایا''۔ (مناقب للموفق:۳۱۲)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے۔ کبھی تو آپ کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ آپ کے طریقہ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اس کے اراکین اس مسئلے کو اس قدر گردش دیتے ہیں اور اس کے ہر پہلو کا اس قدر غور

سے جائزہ لیتے ہیں کہ بالآخر اس کا حل روشن ہو جاتا ہے"۔

(مناقب للکردری، ج ۲: ۳)

آپ ایک مسئلہ پیش کر کے اپنے تلامذہ کی رائے سنتے اور پھر اپنا نظریہ بیان فرماتے۔ ضرورت ہوتی تو ایک ماہ یا زیادہ عرصہ بحث ہوتی۔ حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر آ کر بات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسے اصول میں درج کر لیتے اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لیے۔ (حیات امام ابوحنیفہ: ۳۴۱)

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بحث شروع ہو جاتی اور امام عافیہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اس بحث کو عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آ جاتے اور وہ سب کی رائے سے متفق ہو جاتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۱۰۸)

ان چالیس میں سے دس یا بارہ ائمہ کی ایک اور خصوصی مجلس تھی جس میں امام اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن ظبیان، قاسم بن معن اور اسد بن عمرو شامل تھے جو فیصلہ کو حتمی شکل دیتی اور پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔

دستورِ اسلامی کی تدوین کا یہ عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا حتیٰ کہ آپ کی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔ اس دستور کے جتنے اجزاء تیار ہو جاتے، ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کر دیا جاتا۔ یہ مجموعہ "کتبِ فقہ ابی حنفیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"امامِ اعظم رضی اللہ عنہ تراسی ہزار (۸۳،۰۰۰) مسائل طے کیے، ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸،۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۴۵،۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے"۔ (ذیل الجواہر ج ۲: ۴۷۲)

ایک شخص نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی''۔ تو امام وکیع الجراح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحیٰی بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسی محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت وعربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ ان کو حق کی طرف لوٹا دیتے''۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (الخیرات الحسان:۱۰۰)

فقہاء نے کیا خوب فرمایا ہے:

''فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیراب کیا، حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹا، حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اناج جدا کیا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پیسا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے گوندھا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روٹیاں پکائیں جبکہ باقی لوگ اس کے کھانے والے ہیں''۔ (درمختار)

''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے مسائل بیان کئے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام صاحب نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے''۔ (مناقب للموفق:۳۷۹)

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علم فقہ کی تدوین کی اور اس کو ابواب میں مدون کیا اور اس کی کتابیں مرتب کیں جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں انہیں

کی پیروی کی۔اس سے قبل لوگ اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔
آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کی''۔(الخیرات الحسان:۱۰۱)

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مسائل میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

ما خالفت ابا حنیفة فی قول الا وقد کان ابو حنیفة یقول به۔

''میں نے کسی قول میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ وہ بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا ایک قول ہوتا تھا''۔(الجواہر المضیۃ، ج۱:۲۴۴)

تدوین فقہ کی ضرورت کیوں پیش آئی:

ہجرت کا ایک سو بیسواں سال تھا جوں جوں وقت گزرتا گیا دنیا ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی گئی اور نئے نئے مسائل پیش آنے شروع ہو گئے تعلیم اور تعلم میں ترقی تجارت کا کاروبار ملکی تعلقات اور بین الاقوامی مسائل معاملات میں بے انتہا وسعتوں کے پیش نظر دور دراز سے روزانہ سینکڑوں مسائل امام ابوحنیفہ کے پاس آنے لگے ظاہر ہے یہ کام ایک شخص تو سرانجام نہیں دے سکتا تھا اور نہ ایک شخص کے کندھوں پر یہ وزن ڈالنا مناسب تھا اور پھر امام صاحب نے کئی مرتبہ دیکھا کہ حکام شرعی فیصلے کرتے وقت غلطی بھی کر جاتے ہیں۔

توان حالات کے پیش نظر امام صاحب کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ کچھ قواعد وضوابط مقرر کر دیئے جائیں جن کے تحت حکام اور قاضی معاملات کو احسن

طریقے سے انجام تک پہنچا سکیں کیوں نہ احکام و مسائل اور جزئیات کو ترتیب دے کر ایک مستقل فن بنا دیا جائے تاکہ امت غلطی سے بچ جائے اور امت مسلمہ صحیح راستہ پر گامزن ہو جائے۔

تدوین کا دستور:

تمام فقہی ذخائر میں صرف فقہ حنفی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ ایک شخص کی رائے پر تدوین نہیں ہوئی بلکہ چالیس جید علماء وفقہا کی لاء کونسل کی ترتیب شدہ فقہ ہے اسی لئے امام موفق کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک شورائی مسلک ہے اور ابن عمرو کہتے ہیں امام صاحب کے پاس ایک مسئلہ کی مختلف صورتیں اور مختلف جوابات پیش کئے جاتے پھر جو سب سے زیادہ قوی اور تحقیقی ہوتا آپ وہی جواب جاری کر دیتے اور ایک مسئلہ پر کئی کئی دن بحث ہوتی تھی اس کے بعد وہ کہیں جا کر لکھا جاتا۔

زیر بحث مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء کے جوابات مختلف ہوتے چنانچہ اگر ایک کا جواب یہ ہوتا تو دوسرے کا جواب وہ ہوتا پھر وہ مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا جاتا۔ ان کی رائے دریافت کی جاتی تو عموماً امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب قریب ہی ہوتا تو پھر ان جوابات پر بحث ہوتی جو تین دن تک جاری رہتی۔ آخر میں جو جواب صحیح ہوتا اس کو مسائل فقہ حنفی کے رجسٹر میں درج کر دیا جاتا۔ (دفاع ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

حمیری کا بیان ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دستوری کمیٹی کے اجلاسوں میں مختلف مسائل پر بحث کرتے۔ اگر اس وقت کے قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ان کے آنے تک مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لاتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے تب امام صاحب فرماتے اس کو لکھ لو جب تک مسئلہ تحقیق کے مراحل طے نہ کر لیتا آپ

اس کو لکھنے سے منع کرتے۔(دفاع ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

غرض کہ مسلک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں جتنی احتیاط ہے اس جیسی احتیاط کسی اور مسلک میں دکھائی نہیں دیتی۔

کتب فقہ ابی حنیفہ:

اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی یا دستور اسلامی کے مؤلف اول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں اور دیگر ائمہ آپ کے خوشہ چیں ہیں اور سب ہی نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ دور تدوین کے ان آثار علمیہ کے بارے میں علامہ شبلی نے فرمایا ہے:

"غالباً یہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود الجمان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صاحب نے جس قدر مسائل مدون کئے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے یہ مسائل ۶ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے ان کی تصدیق ہوسکتی ہے۔"

لیکن افسوس کہ اس مجموعہ کا کیا نام تھا یہ معلوم نہیں ہوسکا، البتہ اقدمین کی کتابوں میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ کوثری نے لکھا ہے کہ کتاب الرائے، کتاب اختلاف الصحابہ رضی اللہ عنہم، کتاب الجامع، کتاب السیر، کتاب الاوسط، الفقہ الاکبر، العالم والمعلم، کتاب الرد علی القدریہ، رسالۃ الامام ابی عثمانی البتی، چند مکتوبات بطور وصایا، امام صاحب کے علمی تحفے ہیں اور امام صاحب کا فقہی مجموعہ امام ابویوسف اور امام محمد کے قلم سے آج بھی بعینہ موجود ہے۔ ان کتابوں کا نام جو

کتب فقہ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم ہیں، سطور ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

کتب ظاہر الراویۃ:

اس میں چھ کتابیں شمار ہوتی ہیں:

① جامع صغیر:

اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام صاحب کے تمام مسائل جمع کیے ہیں۔ اس کتاب کے مسائل کی تعداد ۵۳۲ ہے جن میں سے ۱۷۰ مسائل سے امام محمد نے اختلاف بھی کیا ہے اس کتاب کی چالیس شروحات لکھی گئی ہیں جن میں سے خاص شروح یہ ہیں:

① ابو اللیث سمرقندی
② صدر الاسلام بزدوی
③ فخر الاسلام علی بزدوی
④ شمس الائمہ سرخسی
⑤ الصدر الشہید حسام الدین
⑥ علامہ الاسبیجابی
⑦ برہان الدین صاحب المحیط
⑧ علامہ المحبوبی
⑨ علامہ العتابی
⑩ علامہ تمرتاشی
⑪ احمد بن اسماعیل
⑫ علامہ المحبوبی

- ابوالمعین النسفی
- فخرالدین خاں
- بدرالدین عمر
- صاحب الہدایہ۔

جامع صغیر کو محمد بن سماع اور عیسیٰ بن ابان نے امام محمد سے روایت کیا ہے اس کتاب کے تبویب قاضی ابوطاہر بن محمد الدبوسی نے کی ہے۔ ہندوستان میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

۲ جامع کبیر:

یہ کتاب بھی جامع صغیر کی طرح ہے مگر اس میں مسائل زیادہ ہیں۔ اس کتاب میں امام صاحب کے اقوال کے علاوہ امام ابویوسف اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ہر مسئلہ کی دلیل بھی موجود ہے بعد کے فقہاء نے اصول فقہ کے مسائل اسی کتاب سے اخذ کئے ہیں۔ اس کتاب کی شروح بھی بہت ہیں مثلاً:

- قاضی ابوخاروم
- الامام علی القمی
- امام ابوبکر بلخی
- شیخ ابوبکر رازی جصاص
- ابوعبداللہ جرجانی
- ابواللیث سمرقندی
- الامام المسعودی
- امام ابوالفضل کرمانی

۹ قاضی ابوزید الدبوسی

۱۰ امام برہان الدین

۱۱ شمس الائمہ حلوائی

۱۲ الصدر الشہید حسام الدین

۱۳ شمس الائمہ السرخسی

۱۴ فخر الاسلام البزدوی

۱۵ صدر الاسلام البزدوی

۱۶ قاضی الارسانیدی

۱۷ امام العتابی

۱۸ شیخ الاسلام علاؤ الدین سمرقندی

۱۹ فخر الدین قاضی خاں

۲۰ امام ظہیر الدین

۲۱ جمال الدین الحصیری

۲۲ صدر الاسلام مجد الدین

۲۳ الامام السیجابی۔

اسی جامع کبیر کو پڑھ کر ایک نصرانی مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا یہ حال ہے تو بڑے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا۔

۳ مبسوط:

یہ امام محمد کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اصل کے نام سے مشہور ہے اس میں امام محمد نے ایسے ہزاروں مسائل جمع کئے ہیں جن کا امام صاحب نے جواب دیا ہے

اور وہ مسائل بھی ہیں جن میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اختلاف کیا ہے۔ اس کتاب میں امام محمد کی یہ عادت ہے کہ پہلے آثار پھر ان سے ماخوذ مسائل اور آخر میں ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں۔

۴ زیادات:

اس کتاب میں وہ مسائل ہیں جو جامع صغیر اور جامع کبیر میں درج ہونے سے رہ گئے تھے۔

۵ السیر الصغیر:

اس کتاب میں حکومت و سیاست اور جہاد کے مسائل ہیں جب اس کتاب کو امام اوزاعی نے دیکھا تو پسند کیا اور طنز بھی کیا اور کہا اہل عراق کو سیر سے کیا واسطہ۔ امام محمد نے جب یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھ ڈالی۔

۶ السیر الکبیر

یہ کتاب ۱۶۰ اجزاء پر مشتمل ہے جب امام محمد اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو خلیفہ وقت اور امام اوزاعی نے اس کتاب کو بہت زیادہ پسند کیا۔ علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ یہ امام محمد کی سب سے آخری کتاب ہے۔

اعلم ان السیر الکبیر اخر تصنیف صنعه محمد فی الفقه.

''سیر کبیر امام محمد کی فقہ میں آخری کتاب ہے۔''

یہ کتابیں مذہب حنفیہ کی اصل ہیں۔ چوتھی صدی کے آغاز میں ابوالفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بحاکم شہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں

کتب ظاہر الراویۃ کے تمام مسائل جمع کر دیئے ہیں، امام سرخسی نے اس کتاب کی ۳۰ جلدوں میں شرح لکھی جواب مبسوط کے نام سے مشہور ہوئے۔

کتب نوادر:

کتب ظاہر الراویۃ کے علاوہ امام محمد کی دیگر کتب فقہ کو نوادرات کہتے ہیں۔ اس میں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد نوادر ابن رستم وغیرہ داخل ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث و فقہ میں حضرات صاحبین کی متعدد کتابیں مثلاً کتاب الآثار، کتاب الحج، اختلاف ابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الآثار امام ابو یوسف، موطا امام محمد وغیرہ داخل ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے مسائل بیان کیے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے۔

(مناقب للموفق: ۲۷۹)

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علم فقہ کی تدوین کی اور اس کو ابواب میں مدون کیا اور اس کی کتابیں مرتب کیں جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں انہی کی پیروی کی۔ اس سے قبل لوگ اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کی''۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۱)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مسائل میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

ما خالفت ابا حنيفة فى قول الاوقد كان ابو حنيفة يقول به.

''میں نے کسی قول میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ وہ بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ایک قول ہوتا تھا''۔(الجواہر المضیہ، ج۱:۲۴۴)

ان کے علاوہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت معروف تصنیف ''فقہ اکبر'' ہے جو کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہے۔اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

1. کتاب السیر
2. الکتاب الاوسط
3. الفقہ الابسط
4. کتاب الرد علی القدریہ
5. العالم والمتعلم
6. کتاب الرایٔ
7. رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء۔
8. کتاب اختلاف الصحابہ
9. کتاب الجامع
10. مکتوب وصایا۔

تقرر حاکم شرعی:

فقہ حنفی میں تقرر حاکم شرعی یا امام اہم واجبات اسلام میں سے ہے۔اس لئے

کہ اسلام انفرادیت کو ناپسند اور اجتماعیت کو پسند کرتا ہے چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

یامعشر العریب الارض الارض انہ لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بامارۃ ولا امارۃ الا بطاعۃ.

''اے اہل عرب زمین پر فساد سے بچو! بلاشبہ اسلام بلا جماعت کے نہیں اور جماعت بلا امیر اور بلا اطاعت کے نہیں۔''

بات یہی ہے کہ جب تک قوم میں اجتماعیت نہ ہو اسلام کی ضیا پاشیوں سے محروم رہے گی۔ آخر کوئی تو چیز تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے دفن سے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا گیا اور جب تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ ہوئے، کوئی کام نہ شروع کیا۔

انتخاب امام کا طریقہ:

امام دو طریقے سے منتخب ہوتا ہے، اول یہ کہ ارباب حل وعقد نے اس کو امام بنایا ہو دوسرے یہ کہ امام سابق نے اس کو اپنا جانشین یا ولی عہد مقرر کیا ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قسم اول میں شمار ہوتی ہے کہ پہلے پانچ آدمیوں (مثلاً حضرت عمر ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت اسید بن حضیر، حضرت بشر بن سعد اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے بعد دوسرے حضرات نے اور دوسری قسم کی خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جس خلیفہ کو ارباب حل و عقد نے منتخب کیا ہو ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر ہر شہر منتخب کرے۔ بعض نے کہا کہ پانچ آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ اہل بصرہ کا یہی مذہب ہے۔ اہل کوفہ کہتے ہیں کہ تین ارباب حل وعقد کافی ہیں۔

حاکم شرعی کے اوصاف:

فقہائے احناف نے کتاب وسنت کی روشنی میں حاکم شرعی کے جو اوصاف مقرر کیے ہیں وہ یہ ہیں:

ان یکون عدلا عفیفا عالما بالسنة و بطریق من کان قبله من القضاة.

''عادل، پاکباز، عالم بالسنۃ اپنے سے پہلے حاکموں کے فیصلوں اور طریق کار سے واقف ہو۔''

اسی کے ساتھ اجتہاد کا بھی اضافہ ہے کیونکہ فہم ناقص کی صورت میں اولاً تو فیصلہ ممکن ہی نہیں اور اگر ہوگا تو غلط ہوگا۔

ان یکون من اهل الاجتهاد.

''اور اہل اجتہاد بھی ہو۔''

حنفیہ نے حاکم شرعی کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ کتاب وسنت سے مستنبط ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ۔ (ص:26)

''لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

اسی طرح جناب رسول ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی مقرر کیا تو ان سے دریافت کیا تمہارے فیصلوں کی کیا نوعیت ہوگی۔ انہوں نے بالترتیب جواب دیا کہ پہلے کتاب اللہ، پھر سنت رسول اللہ اور پھر اپنی صوابدید پر فیصلے کروں گا۔

مجتہد کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان عاقل، بالغ اور فقیہ النفس یعنی شدید الفہم ہو۔ لغت عربیہ کا ماہر اور علوم قرآنیہ پر حاوی ہو احادیث کے متن وسند ناسخ و منسوخ اور طریق قیاس کا عالم ہو۔ جو کتاب اللہ سے متعلق تمام طرق اجتہاد سے واقف ہو یعنی عام، خاص، مجمل، مفسر، مؤول، محکم، متشابہ، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص، امر، نہی، حروف مبانی اور ان کے علاوہ علمائے متقدین کے مسلک پر کافی عبور رکھتا ہو تا کہ ان کی وجوہات فاسدہ یا وجوہات ترجیحہ اس سے پوشیدہ نہ ہوں۔

عالم بالحدیث سے مراد حدیث سے متعلق جتنے علوم ہیں خواہ از قسم سند ہوں یا از قسم متن سب سے پوری طرح واقفیت ہو بلکہ ان چیزوں میں مہارت حاصل ہو اور آیت وحدیث اور اثر صحابی کے معنی لغویہ اور شرعیہ سے پوری طرح باخبر ہوں، حاصل یہ ہے کہ:

مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اس کو فقہ بھی آتا ہو تا کہ آثار کے معنی دریافت کر سکے اور ایسا صاحب فقہ ہو کہ اس کو حدیث کا بھی علم ہو تا کہ منصوص علیہ کی موجودگی میں قیاس کے پیچھے نہ ہو لے اور کہا گیا ہے کہ صاحب نظر اور بصیرت بھی ہو تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی عادات سے باخبر رہے کیونکہ بہت سے احکامات عادات انسانیہ پر ہی مبنی ہیں۔

ان تمام شرائط کے ساتھ سب سے زیادہ اہم شرط تقویٰ ہے کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ ہوائے نفس کا اجتہاد میں دخل نہ ہونا چاہئے ورنہ پھر اس دین حنیف کا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو ادیان سابقہ کا ہوا ہے۔

حکومت کے فرائض:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عن الہیثم عن الحسن عن ابی ذر روایت فرماتے ہیں کہ جناب

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! حکومت ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے دن ایک رسوائی ہے اور شرمندگی ہے مگر اس شخص کے لئے جس نے امارت اور حکومت کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس سے سبکدوشی حاصل کی۔

اور ایک روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امارت قیامت کے دن ایک ذلت ہے اور شرمساری ہے مگر جس نے اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا، فرمایا اے ابوذر ایسا ہوتا ہی کہاں ہے۔

حاکم عادل:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں میں بلندترین امام عادل ہوگا۔

دوسری روایت میں فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو ان میں سے دوزخی ہیں یعنی وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے، لوگوں میں بغیر علم کتاب وسنت کے ایک کو دوسرے کا مال ناحق کھلاتا ہے اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور ناحق فیصلے دیتا ہے تو یہ ہر دو قسم کے قاضی دوزخی ہیں۔ تیسرا وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے، کتاب اللہ کی رُو سے تو وہ جنتی ہے۔

اقلیتوں کے ساتھ:

اقلیتوں اور ذمیوں کو جو رعایتیں اسلامی حکومت میں حاصل ہیں وہ ان کو اپنی حکومت میں بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ شراب اور سور جو مسلمانوں کے نزدیک مکروہ اور مبغوض ترین اشیاء میں سے ہیں، لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے ذمی بھائی کی ان چیزوں کو تلف کردے تو حاکم اس پر جرمانہ عائد کردے گا اور مالک کو اس کا ڈنڈ دلوائے گا۔

من اتلف خمرا او خنزيرا لذمي يجب الضمان علي

متلفها سواء كانت متلفا مسلما او ذميا غير ان المتلف ان كان ذميا يجب عليه قيمة الخمر.

"اگر کسی نے شراب یا سور کو تلف کر دیا تو اگر یہ چیزیں کسی ذمی کی تھیں تو تلف کرنے والے پر ان کا تاوان واجب ہوگا۔ عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو۔ فرق بس اتنا ہے کہ ذمی ہو تو شراب کے تاوان میں شراب ہی واجب ہوگی اور مسلمان پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔"

واذا تلف المسلم خمرا لذمی او خنزيره ضمن فان اتلفها لمسلم لم يضمن الخمر لهم كالخل لنا و الخنزير لهم كالشاة لنا ونحن امرنا ان نتركهم و مايدينون و السيف مرفوع.

"اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب یا سور کا نقصان کر دیا تو اسے تاوان دینا ہوگا اور اگر یہ چیزیں کسی مسلمان کی تھیں تو نہیں، اس لئے کہ شراب تو ان کے لئے ایسی ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ اور خنزیر ان کے لیے ایسی ہے جیسے ہمارے لیے بکری اور ہمیں حکم ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑ دیں اور تلوار ان کے اوپر سے اٹھالی گئی ہے۔"

یہ غیر مسلم اقلیت کے ساتھ اسلامی دستور کا سلوک کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں آنے کے بعد ان کے دین کی حفاظت کا بھی اعلان اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا بھی انتظام کیا۔

اجتہاد کا درجہ:

اگر کسی آدمی نے اجتہاد کے ذریعہ قبلہ متعین کر کے نماز پڑھی اور درمیان صلوٰۃ

میں ایک رکعت یا دو رکعت کے بعد اس کا اجتہاد بدل گیا اور اس نے اسی وقت رخ تبدیل کر دیا تو بناء صلوٰۃ درست ہے یا نہیں ہے کہ پہلی رکعت فاسد ہوئی اب پھر شروع سے نماز پڑھی جائے۔

کسی عدالت نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا اس کے بعد عدالت کو خیال ہوا کہ وہ اجتہاد درست نہیں تھا تو آئندہ وہ دوسرے اجتہاد پر عمل کرے۔

دوسرا اجتہاد اور پہلا اجتہاد دونوں برابر ہیں لیکن پہلے اجتہاد کو فیصلہ اور قضاء کی تقویت حاصل ہوگئی ہے اس لئے وہ اپنی جگہ درست ہی رہے گا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کچھ فیصلے کئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے خلاف فیصلہ کیا وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں قاضی ہوتا تو فیصلہ نہ کرتا۔ اس آدمی نے کہا اب آپ اس فیصلہ کو بدل دیجئے، فرمایا:

"چونکہ اس معاملہ میں کوئی نص نہیں ہے اس لئے رائے رائے دونوں برابر"۔

مسائل اجتہادی میں قاضی کا حکم نہیں ٹوٹتا۔

نص شرعی کی موجودگی میں اجتہاد (قیاس) جائز نہیں ہے۔

یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے قیاس اور سنت شریفہ کی بحث میں اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔ روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ایام منیٰ میں طواف زیارت (جو فرض ہے) کے بعد ایک عورت کو حیض آ گیا کیا وہ کوچ کر سکتی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا۔ اس آدمی نے عرض کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف حکم دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو مارنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا جب تمہیں معلوم ہے تو پھر کیوں دریافت کیا؟

حضرات شوافع نے فرمایا ہے کہ عبادات اور تقرب کے کاموں میں ایثار مکروہ

ہے اور عبادات کے علاوہ میں محبوب ہے۔

وضو کا پانی ستر عورت کے لئے کپڑا، صف اول وغیرہ امور میں ایثار مکروہ ہے کیونکہ عبادات میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتی ہے اور ترک تعظیم جائز نہیں۔ یہ تو ہر ایک ہی کے لئے لازم ہے کہ بخلاف اس کے کہ ایک بھوکا دوسرے بھوکے کا ایک پیاسا دوسرے پیاسے کو ترجیح دے سکتا ہے۔

ایسے ہی کسی آدمی کو صف اول کے لئے جگہ دے اور خود پیچھے آ جائے جائز نہیں ہے۔

تابع کا حکم متبوع کے حکم کے ساقط ہونے سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

مثلاً: ایام جنون میں چند نمازیں فوت ہو گئیں تو فرائض کے ساتھ سنن بھی فوت ہو جاتی ہیں۔

جس کا حج فوت ہو جائے اور افعال عمرہ ادا کر کے احرام سے باہر آ جائے اس پر سے وقوف عرفات کے ساتھ رمی اور وقوف مزدلفہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ یہ وقوف عرفات کے تابع ہیں۔

اس قاعدہ کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے ''جب اصل ساقط ہو جاتی ہے تو فرع بھی ساقط ہو جاتی ہے''۔

''تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا''۔ جیسے مقتدی امام سے آگے نہیں ہوسکتا۔

ہر شعبۂ حکومت میں ان ہی لوگوں کو مقدم کیا جائے جو اس کے حقوق اور مفادات کا زیادہ خیال رکھ سکتے ہوں۔

چنانچہ قوم کی قیادت اور سیادت کا ان ہی کو حق حاصل ہے جو قوم کی سیاست اور شریعت سے زیادہ واقف کار ہوں۔ حکومت اور قیادت کے لئے یہ نہایت جامع قاعدہ ہے۔ اس قاعدہ نے حکام اور سیاستدانوں کی رہنمائی کی ہے۔ جو حاکم یا سیاستدان قومی مفادات اور حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے وہ انجام کار ناکام ہوتے ہیں۔

جب حقوق میں تصادم ہو تو تنگدست کو خوشحال پر اور فوری چیز کو تاخیر والی چیز اور فرض کو فرض کفایہ پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

عبادات میں اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآن شریف تلاوت کر رہا ہے اور اذان ہونے لگتی ہے تو اب اس کے جواب کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ اذان کا جواب، اذان ختم ہونے کے بعد نہیں ہو سکتا، تلاوت قرآن پھر بھی کر سکتا ہے۔

اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہے یا نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے اور اسی وقت کوئی آدمی یا اندھا کنویں میں گرنے والا ہے یا آگ میں جل جائے گا تو نماز کو چھوڑ کر اس کو بچائے۔

اسی قبیل سے فرض نماز کو جنازہ کی نماز سے مقدم کیا جاتا ہے۔

مقامات فوجداری میں عدالتیں ثبوت میں ادنیٰ درجہ کی کمزوری سے مقدمات کو خارج کر دیتی ہیں۔ یہ حنفی فقہ ہی کا احسان ہے۔

حدود میں ترجمان کا قبول قبول کر لیا جائے گا۔

یعنی مجرم کسی دوسری زبان کا ہے اور عدالت اس زبان کو نہیں جانتی تو اس بارے میں ترجمان کا قول قابل قبول ہے۔ معلوم رہے ترجمان بدل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے قابل قبول نہ ہو کیونکہ زبان کو نہ جاننے کی وجہ سے ترجمان مقرر کیا جاتا ہے اس لئے اصل ہی کے درجہ میں ہے جیسا کہ شہادت اقرار نہ کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔

شبہ سے دفع ہونے میں قصاص بھی حدود کی طرح ہے۔

یعنی معاملاتِ قتل بھی شبہات سے دور ہو جاتے ہیں (عدالت فوجداری آج کل یہی کرتی ہے) مثلاً کسی نے سوتے ہوئے کو ذبح کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ میں نے تو مردہ سمجھا تھا، اس پر قصاص نہ ہوگا۔ دیت واجب ہوگی بہرحال قصاص مثل حدود کے ہے مگر سات صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

- اگر عدالت کو ذاتی طور پر معلوم ہو تو یہ علم قصاص میں معتبر ہے حدود میں نہیں۔
- حدود میں وراثت نہیں قصاص میں وراثت ہے۔
- حدود میں معافی نہیں قصاص میں معافی ہے۔
- زمانہ ماضیہ کا قتل شہادت قتل کو مانع نہیں حدود میں شبہات ماضیہ معتبر نہیں۔
- قصاص گونگے کے اشارہ اور کتابت سے ثابت ہو جائے گا حدود اشارہ سے ثابت نہ ہوں گی۔
- حدود میں شفاعت جائز نہیں قصاص میں جائز ہے۔
- حد قذف کے علاوہ دیگر حدود دعویٰ پر موقوف نہیں۔

اگر کوئی مسجد میں آیا اور اس نے فرض نماز ادا کی یا سنتیں ادا کیں تو وہی تحیۃ المسجد کے لئے کافی ہیں۔

کسی نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور تین آیات پڑھنے سے پہلے نماز کا سجدہ کرلیا تو سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا یا سجدۂ تلاوت پڑھنے کے بعد فوراً ہی بعد رکوع کرلیا تو یہی رکوع کافی ہو جائے گا۔

اگر کسی سے نماز میں کئی مرتبہ سہو ہوا تو صرف ایک ہی سجدہ کافی ہوگا۔

کسی نے پہلے باکرہ سے زنا کیا اور پھر ثیبہ (شادی شدہ) سے زنا کیا تو صرف رجم ہی کافی ہو جائے گا یہ نہیں کہ کوڑوں کی سزا بھی دی جائے۔

کسی عورت نے اپنے خاوند سے کہا ''مجھے طلاق''۔ شوہر نے کہا ہاں! تو اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔

کسی آدمی نے دوسرے سے کہا، میرے اوپر تیرے ایک ہزار ہیں، اس نے جواب میں کہا ہاں! تو یہ اقرار شمار کیا جائے گا اور اس سے ایک ہزار کا مطالبہ کیا جائے گا۔

خاموش کی طرف بات منسوب نہیں کی جاسکتی۔

ایک آدمی نے دیکھا کہ زید اس کا سامان بیچ رہا ہے وہ دیکھ کر خاموش رہا تو اس خاموشی سے زید کو اس کا وکیل نہ سمجھا جائے گا۔

اگر حاکم وقت نے دیکھا کہ فلاں آدمی کوئی چیز بیچ رہا ہے یہ دیکھ کر اس نے اس کو کچھ نہیں کہا تو خاموشی سے بیٹھنے والا لائسنس دار نہیں سمجھا جائے گا۔

ایسے ہی کوئی عورت اپنے نامرد خاوند کے ساتھ برسوں رہی لیکن اپنی رضا کو ظاہر نہ کیا تو اس کا یہ سکوت رضامندی قرار نہ دیا جائے گا، لیکن اس قاعدہ کے باوجود بہت سے مسائل ایسے ہیں جہاں سکوت قائم مقام رضامندی قرار دیا جاتا ہے، مثلاً:

اجازت نکاح کے لئے باکرہ کا سکوت قائم مقام رضامندی کے ہے۔

ایسے ہی باکرہ کا مہر پر قبضہ کرنے پر سکوت۔

ایسے ہی باکرہ کا نکاح کی خبر معلوم ہونے پر سکوت۔

عدالت جب کسی گواہ کے چال چلن کی تصدیق چاہے اور وہ اس پر خاموش رہے تو یہ بھی قائم مقام رضامندی کے ہے۔

تنگدست کو معاف کر دینا مستحب ہے لیکن مہلت دینا واجب ہے اس جگہ بھی مستحب واجب سے افضل ہے۔

ابتداء اسلام مسنون ہے لیکن جواب واجب ہے اس جگہ بھی یہ سنت واجب سے افضل ہے۔

وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے اور بعد وقت کے وضو واجب ہے یہاں بھی یہ مستحب واجب سے افضل ہے۔

جس چیز کا لینا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔

اس قاعدہ کے تحت ہزاروں مثالیں آتی ہیں مثلاً:

رشوت، سود، زنا کی اجرت اور بہت سی حرام اجرتیں اور حرام منافع سب اسی

قاعدہ کے تحت آتے ہیں۔

جو کام کرنا حرام ہے وہ طلب کرنا بھی حرام ہے۔

جو کوئی وقت سے پہلے کسی چیز کا لینا چاہے تو اس کی سزا اس سے محرومی ہے۔

اگر کوئی مرد مرض وفات میں عورت کو میراث سے محروم کرنے کے لئے طلاق دیدے تو وہ عورت محروم نہ ہوگی بلکہ اس کو ترکہ دیا جائے گا۔

اگر کوئی اپنے مورث کو دولت پر قبضہ کرنے کے لئے قتل کردے وہ میراث سے محروم رہے گا، لیکن اس کے باوجود علامہ ابن نجیم نے اس کے چند مستثنات ذکر کئے ہیں۔

اگر کوئی ام ولد اپنے آقا کو آزاد ہونے کی غرض سے قتل کردے تو وہ آزادی سے محروم نہ ہوگی۔

اگر کوئی قرضدار، قرض خواہ کو قتل کردے تو اس کا قرضہ ساقط نہ ہوگا۔

اگر کسی عورت نے حیض آور دوا پی لی اور اس کو حیض آ گیا تو وہ نماز قضا نہ کرے گی۔

ولایت خاصہ، ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ حاکم وقت ولی کی موجودگی میں یتیم بچہ یا بچی کا نکاح کا ولی نہیں بن سکتا۔

جس خیال کی غلطی ظاہر ہوگی اس کا اعتبار نہیں۔

کسی آدمی نے یہ خیال کرکے صبح کی نماز پڑھ لی کہ وقت ہو گیا ہے مگر ابھی رات تھی تو اس کو دوبارہ فجر ادا کرنی ہوگی۔

اگر کسی نے کسی کو مالدار جانتے ہوئے زکوٰۃ دے دی پھر ظاہر ہوا کہ وہ غریب تھا اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

اگر ناجائز کمائی ہو اور وہ حقدار کو واپس نہ کی جا سکتی ہو تو اسے خیرات کر دیا جائے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ظلم یا رشوت سے مال جمع کیا اور وہ مر جائے تو اس کے وارث اس کا مال میراث میں تقسیم نہ کریں (گو قانوناً اس کے وارث اور حقدار

ہیں مگر اخلاقاً ان پر حرام ہے) بلکہ اس مال کو اگر ممکن ہو تو حقداروں کو واپس کر دیں ورنہ خیرات کر دیں۔

ہر وہ فعل جس کی نیکی اس کے بار بار کرنے سے بڑھتی رہتی ہو وہ حکم عین ہوتا ہے اور جس کی نیکی بار بار بڑھتی ہو وہ حکم کفایہ ہوتا ہے۔

حکم عین کی مثال پنج وقتہ نمازیں ہیں اور یہی فرض عین ہیں اور عینی مستحب کی مثال صدقات ہیں اور حکم کفایہ کی مثال ڈوبتے ہوئے کو بچانا ہے اس کے بعد اگر کوئی خواہ مخواہ تیرتا رہے تو اس کو بھلائی نہیں ملے گی، اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا بھی حکم کفایہ ہے۔

حرمت سے جواز کی طرف منتقل ہونے کے لئے اعلیٰ اسباب و مراتب کی شرط ہے مگر جواز سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کے لئے معمولی سبب بھی کافی ہے۔ مثلاً مسلمان کے خون کی حرمت مسلم ہے حدیث شریف میں اس کو "قتالہ کفر" اس کو عمداً قتل کرنا کفر کے قریب قرار دیا ہے مگر یہ حرمت شادی شدہ سے زنا کرنے کے جرم میں جب رجم کیا جائے یا جب مرتد ہو جائے تو قتل کر دیا جائے تو یہ جواز حرمت کی طرف آ جاتا ہے اور معاف کرنا بہت معمولی سبب ہے۔ ایسے ہی قزاق اور لٹیرے گرفتار ہونے سے پہلے اگر توبہ کر لیں تو ان کا مباح القتل ہونا ختم ہو جاتا ہے اور ان پر حد جاری نہ ہو گی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ عورت نکاح سے پہلے حرام ہے لیکن جب دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو جاتا ہے تو وہ حلال ہو جاتی ہے لیکن معمولی الفاظ طلاق مغلظہ کے بولنے سے پھر حرام ہو جاتی ہے۔

حقوق دو طرح کے ہیں۔ وارث کی طرف منتقل ہونے اور نہ منتقل ہونے والے۔ پہلے کی مثال مال ہے اور دوسرے کی مثال مورث کا علم، عقل تقویٰ خیالات

وغیرہ صفات ہیں اور کسی ذات کی صفات میں تقسیم جاری نہیں ہوسکتی اسی طرح وارث مورث کے فرائض منصبی کے بھی وارث نہیں بن سکتے مثلاً خطابت، امامت، وکالت۔

وکیل ان ہی امور میں بنایا جاسکتا ہے کہ جو امور موکل کے بغیر بھی انجام پاسکتے ہوں لیکن جو امور موکل کے بغیر انجام نہ پاسکتے ہوں ان میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

مثلاً نکاح۔ یہ بغیر موکل کے بھی ہوسکتا ہے عورت اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنائے تو نکاح ہوجائے گا۔

اسی طرح تمام معاہدے اور دعوے بغیر موکل کے بھی ہوسکتے ہیں ان میں وکیل بنانا جائز ہوجائے گا۔

نماز روزہ میں وکیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ ان کا مقصد عبادت ہے اس لئے یہ موکل ہی کے لئے لازم ہیں۔

قسم کھانا۔ اگر کوئی وکیل قسم کھا کر دوسرے کی صداقت ثابت کرے تو یہ جائز نہیں اس لئے قسموں میں وکالت جائز نہیں ہے۔

اصل شہادت کے لئے بھی وکیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اکثر وقوع پذیر واقعات اور حالات کو معتبر جانا جائے۔

مثلاً سفر چونکہ کثیر الوقوع ہے اور اس میں اکثر مشقت ہوتی ہے اس وجہ سے قصر صلوٰۃ روزے میں تاخیر کا حکم ہے۔

معاہدہ کی اصل یہ ہے کہ وہ لازم ہوتا ہے۔

معاہدوں کی دو اقسام ہیں۔ لازم معاہدات جیسے نکاح، بیع، اجارہ، دوسرے معاہدات جیسے وکیل بنانا، ثالث بنانا، یہ معاہدات لازم نہیں ہیں غیر لازم ہیں۔

ہر وہ فعل جو خرابیوں سے پاک ہو مگر خود کسی خرابی کا سبب بن سکتا ہو، ممنوع ہے۔

اس قاعدہ میں دنیا سے بگاڑ اور فساد کو دور کرنے کی تعلیم ہے، مثلاً:

بلا محرم کے عورت کا سفر کرنا ناجائز ہے تا کہ عورت کی عزت اور آبرو محفوظ رہے۔
اجنبی مرد کے ساتھ عورت کو تنہائی سے روکنا تا کہ زنا کا ارتکاب نہ ہو جائے۔
جب اصل مقصد کا اعتبار جا تا رہے تو وسیلہ کا بھی اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔
بالفاظ دیگر اسباب مقاصد کے تابع ہوتے ہیں (جیسا کہ گزر چکا ہے) اگر
مقصد محمود ہے تو ذرائع بھی محمود اور پسندیدہ اور مقصد مذموم ہیں تو ذرائع بھی مذموم اور
ناجائز شمار ہوں گے۔ مثلاً شراب پینا حرام ہے اس لئے اس شراب کو وجود میں لانے
کی نیت سے جتنے ذرائع بھی ہوں گے سب ناجائز ہوں گے۔
حاکم وقت کو ہدایات اور تحائف قبول کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ انجام کار
اس میں ناانصافی پیدا ہو جائے گی یا بے جا قسم کے منافع کا حصول لازم آئے گا۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد عبدالقیس کو ان برتنوں کے استعمال سے بھی
روک دیا تھا جن میں شراب تیار ہوتی تھی تا کہ شراب خوری کی بری عادت پھر عود نہ کر آئے۔
محدث بننے کے لئے اجتہاد کی شرط نہیں ہے اور نہ فقہ کی لیکن ایک فقہ کے لئے
حامل قرآن وحدیث ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا اجتہاد غلط اور باطل ہوگا۔
امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ وہ پہلے کسی مسئلہ میں قرآن سے استدلال
کرتے تھے پھر احادیث کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے بعد اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کا تتبع
فرماتے تھے۔ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم میں اقرب الی القرآن اور پھر اقرب الی الحدیث کو ترجیح
دیتے تھے اور بس امام صاحب اقوال تابعین کا تتبع نہیں فرماتے بلکہ آپ کا فرمانا ہے کہ:

نحن رجال و هم رجال.

”ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں۔“

لہٰذا اجتہاد فرماتے اور یہ اجتہاد ان کا کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز آثار
صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ امام صاحب کا فرمانا ہے:

اتركوا قولي بخبر رسول الله ﷺ و قول الصحابة و نقل انه قال اذا اصح الحديث فهو مذهبي.

”میرے قول کو خبر رسول ﷺ اور قول صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ترک کردو آپ کے بارے میں منقول ہے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔“

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کا طریقہ تعلیم اور آپ کی درسگاہ کے اصول کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم پر تھی، آپ نے ان کو سمجھا اور حقیقت کو ظاہر فرمایا، یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار کو پورے اترے ہیں وہاں قرآن وحدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں گویا امام صاحب کا فقہ قرآن وحدیث کی ایک صحیح اور مدون شدہ تفسیر ہے جس میں اصول وفروع کے ساتھ ترتیب بھی ہے اور انسانوں کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل بھی۔

ترمذی اور سنن ابی داؤد میں ہے:

ایک اعرابی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا، عرض کیا کہ میری بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے وہ کالا ہے اور مجھے اس پر کچھ شک ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے اونٹ ہیں۔ عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کون سے رنگ کے ہیں۔ اس نے عرض کیا سرخ رنگ کا۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے۔ اس نے عرض کیا جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ خاکی رنگ کا کہاں سے آیا۔ اعرابی بولا، ممکن ہے کوئی رگ کھینچ کر لائی ہو۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا لڑکے کا بھی یہی حال ہے۔ یہ آپ ﷺ سرکار کا اجتہاد اور قیاس ہی تھا جس نے اعرابی کو تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کر دیا۔

معاشی مسائل:

بینک سسٹم، کوآپریٹو نظام، انشورنس، لاٹریاں، بونڈز وغیرہ تمام ہی طریقوں میں سود اور ناحق نفع خوری پائی جاتی ہے اس طرح قمار بازی، سٹہ، جرمانہ اور ٹیکس سب کی سب سرمایہ دارانہ لعنتیں ہیں جس میں ہند و پاک کے ہندو مسلمان سب ہی گرفتار ہیں۔ ایسی حالت میں حنفی دستور نے نزاکت کو محسوس کیا ہے اور مسلمانوں کو ایسے دورِ ابتلا میں پسماندگی کی بدترین لعنت سے محفوظ رکھا ہے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان اہل کفر کے ملک میں امان (ویزا) لے کر جائے (یا اس ملک کے دستور کو تسلیم کر کے وہاں کا شہری بن جائے) اور وہاں کے کافروں کے ساتھ لین دین اس طرح کرلے کہ کافر اس کو ایک درہم کے بدلے میں دو درہم (سود) دیں تو اس مسلمان کے لئے مضائقہ نہیں ہے یہ اس کے لئے حلال ہے اس لئے کہ مسلمانوں کے احکامات کافروں پر جاری نہیں کئے جاسکتے لہٰذا اہل کفر اپنی مرضی سے جس طرح بھی اپنا مال مسلمانوں کے سپرد کریں مسلمانوں کے لئے یہ مال حلال ہے۔

لہٰذا بینک وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کو جو رقم سود کے نام سے ملتی ہے وہ ان کے لئے جائز ہے، لیکن اس سہولت اور دستوری لچک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان آپس میں بھی سودی کاروبار کرنے لگیں اس لئے کہ مسلمانوں کی حیثیت نہ صرف ایک عام شہری کی سی ہے بلکہ ان کے ذمہ اقامت دین اور دعوت دین کی بھی ذمہ داری ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ عملی طور پر اسلام کا کردار پیش کریں۔

اہل کفر کے ملک میں مسلمان اور کافر کے درمیان ربو نہیں۔

اس سے بات صاف ہوگئی، لیکن باوجود اس کے مسلمان کو ہرگز ہرگز اجازت

نہیں ہے کہ وہ آزادطبع ہوجائیں، ہاں بدرجہ مجبوری اگران کوکافروں کی مرضی سے کچھ مل رہا ہوتو اس کوحاصل کرلیں۔ازخوداس کے طالب نہ ہوں اورحتی الامکان اجتناب ہی کریں کیونکہ ابن عارضی نفع خوری سے اجتناب بہتر ہے۔

جب مسلمان اہل کفر کے ملک میں پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعہ داخل ہو جائیں تو کافروں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے۔

صاحب ہدایہ تحریرفرماتے ہیں:

اس لئے کہ کافروں کا مال دارالحراب میں غذروخیانت کے علاوہ جس طرح بھی حاصل کیا جائے وہ مال مباح ہے۔

حنفی فقہ نے حدیث شریف کی روشنی میں اس مضرت رساں ذخیرہ اندوزی کو بری نظر سے دیکھا ہے:

من احتکر فھو خاطی۔

''جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ خاطی ہے۔''

زمانہ جاہلیت میں تاجروں نے عادت بنالی تھی کہ لوگوں کی ضرورت کی اشیاء خاص خاص مواقع کے لئے ادھرادھر سے جمع کر کے روک لیتے تھےاور پھر بہت زیادہ قیمت پرفروخت کرتے تھے جس سے لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کومعلوم ہوا کہ شہر سے باہر کچھ تاجر ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے پاس غلہ کی بڑی مقدار ہے۔آپ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص ہےاورآپ کے غلام نے یہ غلہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ مناسب وقت پر کثیر منافع لے کرفروخت کرے تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کونصیحت فرمائی۔

حنفی فقہ نے ایسی ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کہ جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے روکا ہےاورحرام قراردیا ہے۔یہ حکم صرف کھانے پینے کی اشیاء تک ہی

محدود نہیں ہے بلکہ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء میں داخل ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کل ماضربہ العامۃ فھو احتکار.

"ہر وہ شے جس کی رکاوٹ سے عوام کو ضرر ہو احتکار ہے۔"

بھلا وہ لوگ کس طرح فلاح پا سکتے ہیں جو عیوب اور خرابیوں کو فن کی طرح سیکھتے ہیں لیکن اسلام کے نزدیک یہ فعل نہایت ہی مذموم ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ فقہ حنفی نے اس مذموم حرکت کو بند کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پیش کیا ہے:

لیس منا من غش فی البیع و الشراء. (الحدیث)

"وہ ہم میں سے نہیں جس نے خرید و فروخت میں دھوکہ دیا۔"

اس حدیث کی روشنی میں فقہا حنفیہ نے حکم دیا ہے:

الغش حرام.

"غش حرام ہے۔"

اس بیع کو توڑ دیا جائے گا جس مبیع میں عیب موجود ہوگا۔

اس قسم کے معاملہ کو فقہ حنفی میں بیع غرر یا غش کہتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے باب خیار عیب کے تحت اس کے قواعد وضوابط بیان کئے ہیں اور جگہ جگہ احادیث سے استدلال کر کے اس ناجائز منافع خوری کی کمر توڑ دی ہے۔

"بلاشبہ شراب، جوا، بت، پانسے یہ سب سراسر نجاست اور شیطانی دھندے ہیں ان سے بچو۔" (الآیۃ)

سود کی یہ لعنت جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربو فمن لم

یا کلہ اصابہ من بخارہ.

''لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی سودخوری سے باقی نہ رہے گا اور جو نہیں بھی کھائے گا اس کا دھواں ضرور پہنچے گا۔''

معاشرت:

رشتوں میں تال میل قائم رکھنے کے لئے اور اس کی وجہ سے جو مصائب و آلام پیش آتے ہیں ان پر صبر و تحمل سے کام لینے کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث پیش کی ہے:

اذابات احد کم مغوماً مھموماً من سبب العیال کان افضل عند اللّٰہ تعالٰی من الف ضربۃ بالسیف فی سبیل اللّٰہ.

''تم میں سے کسی کا اولاد کے غم و فکر میں کوئی رات گزارنا اللہ کے نزدیک اس کی راہ میں تلوار کے ایک ہزار وار چلانے سے افضل ہے۔''

نکاح کی وجہ سے تہذیب اخلاق اور باطنی وسعت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان معاشرہ میں اپنے ابنائے نوع کے ساتھ تحمل اور بردباری سے پیش آتا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد کی تربیت، غریبوں کی امداد، عزیز و اقارب کا نان و نفقہ اور نفس کی پرہیزگاری اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے اہلیت عبادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ غرض کہ ایسے بہت سے فرائض ہیں جن کی ادائیگی صرف نکاح پر موقوف ہے اسی وجہ سے نکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا ہے۔

فقہ حنفی نے زوجین کو پورا پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رشتہ زوجیت میں منسلک ہوں۔

لا تجبر البالغۃ العاقلۃ.

''بالغہ، عاقلہ لڑکی پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔''

لیکن حنفی فقہ نے اس سے آگے بڑھ کر یہاں تک اجازت دے دی ہے کہ غض بصر کی قیودات کے باوجود انتخاب زوجین (خطبہ) میں ایک دوسرے کو دیکھا جا سکتا ہے اس کے لئے حنفی فقہ ایک حدیث پیش کرتی ہے:

النظر الیھا احری۔

''عورت کو دیکھ لینا زیادہ مناسب ہے۔''

یعنی جس عورت کو بیوی بنانے کا ارادہ ہو اس کو دیکھ لینا زیادہ اچھا ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں فقہائے حنفیہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر ہونے والے شوہر کو شہوت کا اندیشہ بھی ہو تب بھی اپنی منگیتر کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے جس میں مندرجہ ذیل اقسام کی عورتوں سے نکاح کرنے کو منع کیا گیا ہے:

1. شہبرہ موٹی فربہ عورت جس کی آنکھیں بلی کی طرح ہوں۔
2. نہبرہ دبلی پتلی اور لمبی عورت گویا چھپر کی بلی ہے۔
3. لہبرہ آزاد شدہ بڑھیا عورت۔
4. ہبدرہ پستہ قد عورت گویا کہ کپڑے کی گٹھری ہے۔
5. نعوت جس کی گود میں دوسرے شوہر کا بچہ ہو۔

اس روایت کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمانے کے بعد دیر تک ہنستے رہے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اکثر مہر کی حد نہیں لیکن قلت میں کم از کم دس درہم ہونا ضروری ہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث حجت ہے۔

لا مھر اقل من عشرۃ دراھم.

''دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔''

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم سے کم نصاب سرقہ بھی یہی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے کہ قطع ید چونکہ دس درہم کے عوض میں آ جاتا ہے اس لئے دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا عضو انسانی کے شرافت کے خلاف ہے۔

اذا احضراۃ شاهدین فقد اعلیناه.

''جب دو گواہ موجود ہو گئے تو اعلان ہو گیا۔''

عربی لغت کے اعتبار سے بھی تین آدمیوں کا وجود (دو گواہ اور ایک شوہر) بھی اعلان ہے۔

وسك ما كان عند امر
و سر الثلاثة غير الخفي

نکاح میں اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے:''رجل و امرتان''۔

امام صاحب کی کتابوں کا نام ''فقہ اکبر'' ہے۔ امام صاحب نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ ہم شرح فقہ اکبر سے اس جگہ پیش کر رہے ہیں:

❶ ایمان کی تعریف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ایمان نام ہے اقرار اور تصدیق کا''۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا۔ نہ تنہا اقرار ایمان ہے اور نہ تنہا تصدیق و معرفت ایمان ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعمال ایمان سے ایک علیحدہ شے ہے کیونکہ بسا اوقات مومن سے عمل مرتفع ہو جاتا ہے اور ایمان مرتفع نہیں ہوتا مثلاً فقیر پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس پر ایمان واجب نہ ہو۔

◆ گناہ اور کفر کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہتے ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص فاسق ہو اور کافر نہ ہو''۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہگار سب مومن ہیں کافر نہیں ہیں۔ بندہ خارج از ایمان نہیں ہوتا جس کے اقرار نے اسے داخل ایمان کیا تھا۔

◆ امام صاحب گناہگار مومن کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہم یہ نہیں کہتے کہ گناہ مومن کے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگر وہ فاسق ہو۔

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے نہ جنتی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں اور نہ دوزخی ہونے کا اور نہ ہم ان پر کفر، شرک اور نفاق کا حکم لگاتے ہیں۔ جب تک ان سے ایسی بات کا صدور نہ ہو جائے، ہم ان کی نیتوں کا معاملہ ان کے خدا کے سپرد کرتے ہیں''۔

◆ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر افضل قرار دیتے ہیں اور سب سے پہلے خلافت ان کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم اور یہ خلفاء راشدین مہدیین ہیں''۔

دیگر حضرات کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کی محبت میں حد سے نہیں گزرتے اور نہ کسی سے تبری کرتے ہیں ان سے

بغض رکھنے والے اوران کا ذکر برائی سے کرنے والے کو ہم ناپسند کرتے ہیں اوران کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح نہیں کرتے۔"

امام صاحب نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں جو عقیدہ تحریر فرمایا ہے اس کی آسان الفاظ میں تفسیر اس طرح کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسول کو بھی بھیجا، جس طرح کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح رسول پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ صرف براہ راست کتاب اللہ ہی پر ایمان لاکر ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی کتاب اللہ کے ساتھ رسول پر اعتماد رکھنا اوران کے ارشادات پر اعتماد رکھنا ضروری ہے کیونکہ ہمارے سامنے آپ کے ارشادات ہی سے کتاب اللہ کے مطالب واضح ہوئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، موجودہ زمانہ تک اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا ذخیرہ ہم تک بالواسطہ پہنچا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو تسلیم کریں اور واسطوں کو قابل اعتماد قرار نہ دیں۔ ہمارے نزدیک جس طرح اسلامی تعلیمات محترم ہے اسی طرح اس کے واسطے اور وسائل محترم ہیں۔ ہم اپنی زبان سے کسی کو بھی نشانہ بنانا اپنے لئے دنیا اور آخرت کی بربادی کا مصداق جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین!

مشاجرات اور اختلافات صحابہ اسی طرح تابعین کے علمی اختلافات یا محدثین کرام کا آپس میں نقد وتبصرہ اگرچہ کتابوں میں موجود ہے لیکن وہ ہمارے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ ہمارے عدل وانصاف کی ترازو اس معیار کی نہیں ہے جس میں صحابہ اور تابعین کا عدل وانصاف تولا جاسکے۔ ہمارے سب اکابر اور رہنما ہیں۔

معاشرتی حقوق:

جب تم بصرہ پہنچو گے تو لوگ تمہارا خیر مقدم کریں گے، تم سے ملنے کے لئے

آئیں گے کیونکہ یہ ان کا معاشرتی فریضہ ہے۔اب تم ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو، بزرگوں کو عزت دو، علماء کی تعظیم کرو، بوڑھوں کی توقیر کرو، نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، عوام کے قریب رہو، نیک و بد کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھو۔ بادشاہ وقت کی توہین نہ کرو، کسی کو کم تر نہ سمجھو، اپنی مروت اور شرافت کو پس پشت نہ ڈالو۔

اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو، بغیر پرکھے ہوئے کسی پر اعتماد نہ کر بیٹھو، خسیس الطبع اور کمینوں سے میل جول نہ رکھو، اس شخص سے محبت کا اظہار نہ کرو جو تمہیں پسند نہ ہو۔ سنو کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو اور ان کی دعوت قبول نہ کرو اور نہ ہی ان کا ہدیہ قبول کرو۔

نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسن اخلاق، کشادہ دلی اور اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لیے لازم رکھو۔ سواریوں میں ہمیشہ اچھی سواری ہی استعمال کرو۔ حوائج ضروریہ کے لیے کوئی وقت مقرر کرلو تاکہ ہر کام آسانی سے کرسکو۔ اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو، ان کی اصلاح کی سب سے پہلے فکر کرو، مگر اس میں نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو، نرم لہجہ میں گفتگو کرو، عتاب و توبیخ سے بچو کہ اس سے نصیحت کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔انہیں اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تمہاری تادیب کریں، ایسا کرنے سے تمہارے حالات درست رہیں گے۔

نماز کی پابندی کرو اور سخاوت سے کام لو کیونکہ بخیل آدمی کبھی بھی سردار نہیں بن سکتا۔ اپنا ایک مشیر کار رکھ لو جو تمہیں لوگوں کے حالات سے مطلع کرتا رہے اور جب تمہیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح کرنے میں جلدی کرو اور جب اصلاح پا جائے تو اپنی عنایت اور رغبت کو اور بڑھاؤ۔ جو شخص تم سے ملے تم اس سے ملو اور اس سے بھی ملو جو نہ ملے۔ جو شخص تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو کوئی بدخلقی سے پیش آئے تو تم حسن اخلاق کا ثبوت دو اور عفو و

کرم کو مضبوطی سے تھام لو۔ نیک کاموں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو اور جو تم سے بیزار ہو اس سے ترک تعلق کر لو۔ حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو۔

اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو مزاج پرسی کرو اور اگر کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو۔ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو صلہ رحمی سے پیش آؤ۔ جو شخص تمہارے پاس آئے اس کی عزت کرو۔ اگر کسی نے تمہاری برائی کی تو درگزر کرو۔ جو شخص تمہارے بارے میں غلط مشہور کرے تم اس کے بارے میں اچھی بات کہو۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق پورے کرو۔ اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آئے تو اسے مبارک دو، اگر کسی پر مصیبت پڑ جائے تو اس کی غمخواری کرو۔

اگر کسی پر آفت ٹوٹ پڑے تو اس کے غم میں شریک ہو اور اگر وہ تم سے کام لینا چاہے تو کام کر دو۔ اگر کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد سن لو، اگر کوئی مدد کا طالب ہو تو اس کی مدد کرو، جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں کی مدد کرو۔ لوگوں سے محبت و شفقت کا اظہار کرو، سلام کو رواج دو خواہ وہ کمینوں کی جماعت ہی کیوں نہ ہو۔

اگر مسجد میں تمہارے پاس کچھ لوگ بیٹھے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں تو ان سے اختلاف رائے نہ کرو۔ اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے وہ بتاؤ جو لوگوں میں رائج ہو پھر بتاؤ کہ دوسرا قول بھی ہے اور وہ ایسے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔ اس طرح ان کے دلوں میں تمہاری قدر و منزلت جاگزیں ہو جائے گی اور جو شخص تمہاری مخالفت کرے تو اسے کوئی ایسی راہ دکھا دو جس پر وہ غور کرے۔ لوگوں کو آسان باتیں بتایا کرو اور مشکل اور گہرے مسائل بیان نہ کیا کرو کہ کہیں وہ غلط مطلب نہ سمجھ لیں۔

لوگوں سے لطف و مہربانی کا سلوک کیا کرو بلکہ کبھی کبھی ان سے مذاق بھی کر لیا کرو کیونکہ تمہارا یہ عمل لوگوں میں تمہاری محبت پیدا کر دے گا۔ ہمیشہ علمی چرچا رکھو اور کبھی کبھی ان کی دعوت کر دیا کرو، ان سے سخاوت سے پیش آؤ، چھوٹی چھوٹی غلطیوں

سے درگزر کر دیا کرو اور ان کی ضروریات کو بھی پورا کیا کرو۔ بہتر یہی ہے کہ لطف و کرم اور چشم پوشی کو اپنا خاصہ بنالو۔

نہ تو کسی سے دل تنگ کرو اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ سے پیش آؤ۔ آپس میں گھل مل کر اس طرح رہو کہ گویا تم ایک ہی ہو۔ لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرو جو تمہیں پسند ہیں۔

نفس کی حفاظت اور احوال کی دیکھ بھال کرو اور فتنہ و جھگڑے سے دور رہو۔ اگر کوئی شخص تم سے بری طرح بات کرتا ہے تو اس سے اچھی طرح بات کرو اور ان کو جھڑکو نہیں۔ اخلاص نیت سے لوگوں کا خیر مقدم کرو اور سچائی کو لازم کرلو۔

غرور و تکبر کو اپنے سے دور رکھو اور دھوکہ بازی سے دور رہو۔ خواہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہوں۔ امانت میں خیانت نہ کرو، خواہ لوگ تمہارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، وفاداری اور تقویٰ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اہل کتاب سے وہی تعلق اور معاملہ رکھو جیسا وہ تمہارے ساتھ رکھتے ہوں۔

مغربی و دیگر اصحاب کی آراء:

آج کل مغربی علماء اور مستشرقین علوم و فنون خصوصاً اسلامیات کے بارے میں بہت توجہ دے رہے ہیں، خصوصاً میکگل یونیورسٹی کے پرنسپل ڈاکٹر اسمتھ کو اس سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ 19 فروری 64ء کو نئی دلی میں مستشرقین کی کانفرنس بھی ہوئی تھی جن میں سے بیشتر حضرات نے اسلامیات کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا، اس جگہ ہم انصاف پسند مغربی اور مشرقی اہل قانون کے تاثرات کو ذکر کرتے ہیں۔

پروفیسر لامبیر:

مشہور فرانسیسی محقق پروفیسر لامبیر کہتا ہے:

① جو کتابیں اسلامی شریعت کے بارے میں لکھی گئی ہیں وہ غیر فانی خزانہ اور لازوال سرچشمہ ہیں۔

② قرون وسطیٰ میں اسلامی شریعت سے مسیحی تمدن نے مدد حاصل کی ہے اور اس کے عام اصولوں کو اخذ کیا ہے، لہٰذا موجودہ تہذیب و تمدن کی نشوونما میں یونانی اور رومی تمدن کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت اور اس کے تمدن نے بھی بہت حصہ لیا ہے۔

پروفیسر بوار کاز:

آپ نے مشورہ دیا ہے کہ اسلامی شریعت کے اصول اور مبادیات کو اختیار کیا جائے۔

ڈاکٹر سانتیلانا:

ایک مشہور مستشرق فرماتے ہیں کہ اگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلامی فقہ تمام انسانیت کے لئے کافی ہے تو کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اسلامی مسلمانوں کے دیوانی قانون کے لئے بہت کافی ہے۔

ڈاکٹر سلیم باز جو:

آپ لبنان کے عیسائی عالم ہیں اور احکام الشرعیہ کے شارح بھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلامی فقہ کے ذریعہ انسان کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں خواہ وہ کاروباری معاملات ہوں یا دوسرے مقدمات ہوں، سب کا حل اسی میں موجود ہے۔ فقہ اسلامی کی کتب کا ذخیرہ نہ صرف مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے بلکہ ہالینڈ کے شہر لیڈن، روم، برلن، پیرس، برٹش میوزیم نیز ویٹیکن محل میں بھی پاپائے اعظم کے کتب خانہ میں فقہ اسلامی کی کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ ان کتب خانوں میں جو کتابیں ہیں وہ ہزاروں علمائے اسلام

کی محنت وکاوش کا ثمرہ ہیں۔ کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ اسلامی شریعت میں انسان کی تمام ضروریات اور مسائل واحکام کا حل موجود ہے اور ہر معاملہ میں کسی نہ کسی فقیہ اور عالم کا قول ان کتابوں میں مل جاتا ہے۔

پروفیسر دمبری:

ایک ترک ادیب کو مخاطب کرتے ہوئے پروفیسر دمبری نے کہا کہ تمہارا فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے کیوں نہیں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانونی نظام فقہ اسلامی سے اخذ کیا۔

پروفیسر ہوکنگ:

آپ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں، فرماتے ہیں میں اپنے آپ کو حق وصداقت پر محسوس کرتا ہوں جب میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول اور مبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام ذہبی:

مصر کے مشہور قانون دان اور مصر کی مخلوط اپیل کورٹ کے سابق مشیر فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں معاملات کے بارے میں نہایت مہذب اور دقیق اصول موجود ہیں۔ معاملات پر اس کے احکامات اس قدر زوردار ہیں اور اعلیٰ درجے کے ہیں کہ وہ علم قانون کے سنگ بنیاد کی حیثیت سے جدید قوانین کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

وان کریم:

ایک جرمنی قانون داں کہتا ہے:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر آنے والے زمانے کے عظیم ترین قانون سازوں میں سے ایک ہیں''۔

علامہ کرمانی:

آپ بخاری شریف کے شارح ہیں۔آپ نے بخاری شریف کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس کے مقلد نہ ہوئے ہوتے۔ ہمارے زمانے تک جس کو امام صاحب سے تقریباً چار سو سال ہوتے ہیں ان کے فقہ کے مطابق اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی تعداد ظاہر کرتے ہوئے ملدی علی قادری نے بیان فرمایا ہے کہ رائے پر عمل ہو رہا ہے اور اس میں اس کی صحت کی دلیل ہے۔

''کل مسلمانوں میں حنفیہ کی تعداد دو ثلث ہے''۔

مذہب حنفی کی اس قبولیت اور اشاعت کے متعلق مضمون کی مناسبت سے اس جگہ نواب صدیق حسن خان صاحب کی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے:

''کتاب مسالک الممالک میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ واثق باللہ عباسی نے چاہا کہ سد سکندری کا حال معلوم کرے چنانچہ اس نے اس کے لئے ۲۲۸ھ میں سلام نامی جو کہ چند زبانوں کا ماہر تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان رسد دے کر روانہ کیا یہ لوگ بلاد آرمینیہ، سامرہ، ترخان سے گزر کر ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں سخت بدبو نکلتی تھی، پھر کئی روز چل کر ایسی زمین میں پہنچے جہاں ان کو ایک پہاڑ نظر آیا وہاں ایک قلعہ بھی تھا اور کچھ لوگ اس میں تھے مگر آس پاس آبادکاری کے

نشانات نہ تھے۔ ۲۷ منزل وہاں سے آگے اور طے کیں اور ایک قلعہ پر پہنچے جہاں سے ایک پہاڑ قریب تھا اور اس کی گھاٹیوں میں سد یاجوج ماجوج تھی اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم تھیں مگر صحرا اور متفرق مکانات بہت تھے۔ سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے وہ سب مسلمان تھے، ان کا مذہب حنفی تھا، زبان عربی اور فارسی بولتے تھے۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی المسلک ہیں۔ آپ جابجا اپنے مکتوبات میں حنفی مسلک کی توصیف کرتے ہیں۔ آپ کا ایک مکتوب ہم گزشتہ ابواب میں نقل کر چکے ہیں یہاں ایک دوسرے مکتوب کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

مسئلہ توحید میں سراج الامۃ رئیس الموحدین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ نہایت بلند اور روشن سلجھا ہوا ہے، ان کا ہر مسئلہ شرک کی رگِ جان پر ایک کاری ضرب کا کام دیتا ہے۔ الخ حنفی مذہب نے شرک کے تمام دروازوں کو بند کردیا ہے۔ امام صاحب نے توحید کے مسائل جن کا ذکر کتب فقہ میں موجود ہے، نہایت وضاحت اور صفائی سے بیان کیا ہے بلکہ شرک کے تمام چور دروازے بند کردیئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

شاہ صاحب فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون کیا گیا بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانہ میں۔

یحییٰ بن سعید القطان:

آپ فن رجال کے امام ہیں۔ امام احمد بن حنبل علی بن المدینی آپ کے درس

حدیث کے حلقہ میں عصر تا مغرب کھڑے ہو کر احادیث کی تحقیق کیا کرتے تھے۔آپ امام صاحب کے تلمیذ ہیں۔اس پر آپ فخر کیا کرتے تھے۔فرماتے ہیں:

''واللہ خدا گواہ ہے ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ہم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو صائب الرائے نہیں دیکھا۔ہم نے اکثر ان کے اقوال اخذ کئے ہیں واللہ ہم امام صاحبؒ کی مجلس میں شریک رہے ہیں میں نے جب بھی ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو یقین ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے پوری طرح متصف ہیں۔خدائے بزرگ کی قسم،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس امت میں قرآن وحدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔''

محدث ابوداؤد:

مشہور محدث ہیں،فرماتے ہیں:

''اہل اسلام پر نماز میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعا کرنی لازمی ہے،کیونکہ انہوں نے دوسروں کے لئے سنن و آثار محفوظ کر دیا۔جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان ہیں اور اگر کوئی ان کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔''

مکی بن ابراہیم:

آپ بخاری کے استاذ ہیں،فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم زاہد تھے۔میں کوفہ کے علماء کی مجلس میں بیٹھا ہوں۔میں نے ان میں سے کسی کو امام صاحب سے زیادہ متورع نہیں پایا۔''

امام احمد بن حنبل:

آپ صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ حدیث میں مقام رفیع کے مالک ہیں۔ آپ کی جرح وتعدیل پر سب کا اتفاق ہے، فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زہد وتقویٰ اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہنچ سکا۔''

امام شعرانی:

ایک بڑے محدث اور اپنے وقت کے امام ہیں، فرماتے ہیں:

''ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ ہم ایسے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کریں کہ جس کی جلالت قدر، علم وورع پر سب کا اتفاق ہے۔ امام صاحب پر کسی طرح بھی اعتراض مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ائمہ متبوعین میں سب سے بڑے مرتب کے ہیں، ان کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف زیادہ قریب ہے۔''

حفص بن عبدالرحمٰن:

آپ امام نسائی اور ابوداؤد کے استاذ ہیں، فرماتے ہیں:

''میں ہر قسم کے علماء، فقہاء اور زاہدوں کے پاس بیٹھا، لیکن ان میں سب اوصاف کو جامع امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی کو نہیں پایا۔''

عبداللہ بن مبارک:

آپ امیر المومنین فی الحدیث اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ بخاری و

مسلم میں آپ کی سند سے سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ امام بخاری نے آپ کے متعلق اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا ہے۔ ابن مبارک اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، فرماتے ہیں:

❶ وہ شخص محروم ہے جس کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم سے حصہ نہیں ملا۔

❷ خدا اس شخص کو برا کرے جو ہمارے شیخ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر برائی سے کرے، اگر امام صاحب تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے تو وہ بھی سب ان کا اتباع کرتے۔

❸ اگر میں امام صاحب سے ملاقات نہ کرتا تو میں بھی حدیث کے نقالوں کی طرح ہوتا۔

❹ اگر مجھے افراط کلام کا الزام نہ دیا جائے تو میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کسی کو ترجیح نہ دوں گا۔

امام ابو یوسف:

آپ امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ اکبر اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ ہیں، فرماتے ہیں:

❶ میری آرزو ہے کہ مجھے جمال ابن ابی لیلیٰ کا اور زہد مسعر بن کدام کا اور فقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مل جائے۔

❷ رائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، ہم تو ان کے عیال ہیں۔

❸ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم پر سب کو اتفاق ہے اور ہماری مثال تو ان کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسی نہر فرات کے مقابلے میں چھوٹے نالے کی۔

امام مالک:

صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں، ان کی موطا، بخاری شریف سے پہلے اصح الکتب شمار ہوتی تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

1. امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں۔
2. ایک دفعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں علمی مذاکرہ ہوا۔ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مجلس سے اٹھے تو اپنے تلامذہ سے فرمایا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کیا سمجھتے ہو وہ تو بڑے فقیہ ہیں۔

امام مالک ہر سال جب موسم حج آتا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدینہ منورہ میں آمد کا انتظار کرتے تھے۔ جب امام صاحب پہنچتے تو ہمیشہ ان کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

امام شافعی:

صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں:

1. سب کے سب فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عیال ہیں۔
2. جو شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ عالم معتبر نہیں ہوسکتا۔

مسعر بن کدام:

محدثین میں نہایت اونچے مقام کے مالک ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ کی سند سے روایات موجود ہیں۔ امام شعبہ اور امام سفیان ثوری آپ کو میزانِ عدل کہا کرتے

تھے۔امام صاحب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام صاحب کا وسیلہ بنائے گا اور ان کے مذہب پر چلے گا میں امید کرتا ہوں اس کو خوف نہ ہوگا۔''

امام ابن تیمیہ:

آج کل تو امام تیمیہ کو عالم اسلام میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں ان کو شیخ الاسلام کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ابتداء میں امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے لیکن تیزیٔ طبع کی وجہ سے ان کی تقلید کے قلادے کو گردن سے اتار دیا اور آزاد روش اختیار کی۔اس آزادیٔ طبع کی بناء پر آج کل یہ ہندوستان، پاکستان اور خصوصاً مصر میں بہت مقبول نظر آتے ہیں، امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں کرسکتا۔ کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں۔''

شافعی مسلک کے جن علماء محدثین نے آپ کی شان میں کتب تصنیف کی ہیں ان میں سے مشہور حضرات یہ ہیں۔

- علامہ سیوطی نے ''تبییض الصحیفہ فی مناقب امام ابی حنیفہ'' تصنیف فرمائی۔
- علامہ ابن حجر مکی نے ''الخیرات الحسان فی مناقب النعمان'' تصنیف فرمائی۔
- علامہ ذہبی نے امام اعظم کا ذکر ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''کاشف'' میں کیا اور ایک مستقل رسالہ بھی آپ کے مناقب میں تحریر کیا۔

❀ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

❀ علامہ یافعی نے اپنی تصنیف ''مرآۃ الجنان'' میں آپ کے مناقب کا ذکر کیا ہے۔

❀ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب وغیرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آپ کی تعریف فرمائی ہے۔

❀ علامہ نووی شارح مسلم نے اپنی تصنیف ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں امام اعظم کی تعریف بیان فرمائی۔

❀ امام غزالی نے احیاء العلوم وغیرہ میں آپ کی توصیف بیان فرمائی۔

❀ مالکی مسلک کے مشہور امام اور محدث ابن عبدالبر وغیرہ نے آپ کے مناقب ذکر فرمائے۔

❀ حنبلی مسلک کے یوسف بن عبدالہادی الحنبلی نے کتاب ''تنویر الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ'' تصنیف فرمائی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کا تابعی ہونا ثابت ہے جس زمانہ کے خیر ہونے کے متعلق نبی کریم ﷺ نے خود ذکر فرمایا:

''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم''.

''سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر جو اس کے بعد ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے۔''

سفیان ثوری ان کے معاصر ہیں اور خود مجتہد وقت...... مگر ابوحنیفہ کی برتری مانے بغیر نہ رہ سکے...... اور بے جھجک پکار اٹھے:

انه لیکشف لك من العلم عن شئی کلنا عنه غافل.

یعنی اے ابوحنیفہ! خدا تیرے سینے پر وہ علم انڈیلتا ہے کہ ہم میں سے کوئی دوسرا اسے پا نہیں سکتا۔

ابن شبرمہ کو لوگوں نے بھری مجلس میں دیکھا کہ...... بے ساختہ ابوحنیفہ کی ذہانت پر یوں ناز کرنے لگے:

عجزت النساء ان یلدن مثلك سیرلعاماعلیك فی العلم کلفة.

''یعنی اے ابوحنیفہ! عورتوں کی کوکھ اب تجھ سا کوئی ذہین اور صاحبِ فکر جنم نہ دے سکے گی، علم تجھ پر بے ساختہ برستا ہے۔''

علی بن مدینی کئی شہروں کے فقہاء سے ملے...... اور جب کوفہ میں امام اعظم تک پہنچے تو یہیں کے ہو رہے...... اور بے دھڑک کہنے لگے...... این البحر من السواقی...... یعنی کہاں سمندر اور کہاں نہریں...... قاسم بن معن جو حضرت عبداللہ بن مسعود کی اولاد میں خود کو ایک عظیم فقیہ تھے...... ابوحنیفہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے...... اور جب کسی نے سبب پوچھا تو برملا پکار اٹھے۔

امام اہل بیت امام باقر نے بہت پہلے ابوحنیفہ کو دیکھ کر یونہی تو نہیں کہہ دیا تھا کہ ...... ما احسن ھدیه و سمته وما اکثر فقھه...... یعنی کیا خوبصورتی ہے اس شخص کے کردار میں اور کیا فراوانی ہے اس کے علم و تفقہ میں...... دنیائے فقہ کا مستقبل ابوحنیفہ سے جڑا ہے۔

حضرت داؤد طائی...... فقہ ظاہر اور فقہ باطن دونوں سے فیض یاب تھے۔ سنئے وہ کیا کہتے ہیں:

ذلك نجم یھتدی به الساری و علم تقبله قلوب المؤمنین
فکل علم لیس من علمه فھو بلاء علی حامله.

(کتاب امام الائمہ سیدنا امام اعظم، شاہ تراب الحق صفحہ 31)

یعنی ابوحنیفہ آسمان علم کا قطب ستارہ ہے...... جادۂ فقہ کے سب راہی اسی کی

راہبری میں چلتے ہیں...... اس کا علم مومنوں کے دلوں میں اترتا جاتا ہے...... اور جو علم ابوحنیفہ کی راہ سے نہ آیا ہو وہ بس ایک آزار ہی ہے۔

ابو یوسف امام اعظم کے شاگرد بھی ہیں...... اور خود ایک عظیم مجتہد بھی ان سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اپنے استاد کا فیض لٹاتے...... اور ساتھ ہی یوں کہتے:

هذا قول ابی حنیفة ومن جعله بینه و بین الله فقد استبرأ لدینه. (ایضاً 31)

''یہ ابوحنیفہ کا ارشاد ہے اور جس نے خدا کے ساتھ اپنا رشتہ ابوحنیفہ کے علم کی راہ سے جوڑلیا اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔''

حضرت عبداللہ بن مبارک اسی لئے فرمایا کرتے تھے:

قول ابی حنیفة کالاثر عن رسول الله ﷺ اذا لم نجد اثرا. (ایضاً 33)

''یعنی جب کسی معاملہ میں کوئی حدیث نبوی ﷺ میسر نہ ہوتو امام ابو حنیفہ کا قول وہاں کلامِ ماثور کا پرتو محسوس ہوتا ہے۔''

معمر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

''ابوحنیفہ سے بڑھ کر فقہ کی مہارت رکھنے والا مجھے کوئی اور نظر نہیں آتا جو مخلوق کو راہِ نجات دکھانے والا ہو''۔

ابوحنیفہ کو خدا نے سب سے پہلے تدوینِ شریعت کی راہ سمجھائی۔ اصولِ شریعت انہوں نے دریافت کیے۔ منہجِ استنباط اور معیارِ تدوین انہوں نے وضع کیا۔ مقاصدِ شریعت اور قواعدِ اجتہاد انہوں نے متعین کیے۔ مجلسِ تدوینِ فقہ انہوں نے بنائی۔

امام ابو یوسف جنہیں پوری سلطنتِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بناتے وقت خلیفہ

ہارون الرشید نے کہا:

”بخدا میں نے علم کے جس باب میں اس شخص کو آزمایا، اس میں کامل اور ماہر پایا۔ اس کا کردار آلودگیوں سے پاک ہے، اس جیسا کوئی اور نہیں۔“

امام محمد بن حسن شیبانی جن کے ایک شاگرد امام شافعی تھے اور وہ اپنے استاد کے بارے میں کہا کرتے:

”میں نے ان سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔ وہ جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو یوں لگتا کہ وحی اتر رہی ہے۔“

امام زافر بن حذیل جو امام اعظم کے حلقہ درس میں ان کے جانشین ہوئے اور جن کے بارے میں خود امام اعظم نے کہا:

”زفر مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں، حسب نسب اور شرافت میں بلند پایہ، ہمارے اصحاب میں قیاس کے سب سے زیادہ ماہر“۔

باب ششم

درس وتدریس

حلقۂ درس:

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کا طریقہ تعلیم اور آپ کی درسگاہ کے اصول کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم پر تھی آپ نے ان کو سمجھا اور حقیقت کو ظاہر فرمایا، یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترے ہیں وہاں قرآن وحدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں گویا امام صاحب کا فقہ قرآن وحدیث کی ایک صحیح اور مدون شدہ تفسیر ہے جس میں اصول وفروغ کے ساتھ ترتیب بھی ہے۔ اور انسانوں کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل بھی۔

گزشتہ زمانے میں سامعین کو آواز پہنچانے کے لئے استاد کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتا اور سامنے تلامذہ کا حلقہ حسب استعداد دوزانو ہوتا استاد کسی مسئلہ کو بیان کرتا اور طلبا یاد کر لیتے تھے لیکن جن لوگوں کو اپنے حافظہ پر اعتماد نہ ہوتا وہ لکھ بھی لیتے تھے یہی حال امام صاحب کے حلقہ درس کا تھا۔

امام صاحب چونکہ ایک بڑے زبردست متکلم بھی تھے اس لئے ہر ایک مسئلہ پر بحث ونظر اور تنقید وتبصرہ بھی کیا جاتا تھا ان پر استدلات او اعتراضات کی بھرمار بھی ہوتی تھی۔ اور ایک ایک مسئلہ پر بہت کافی عرصہ تک بحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا تب

تھیں تلامذہ اپنے اپنے صحیفوں میں اس کو درج کرتے تھے۔

امام صاحب کی درسگاہ کی ہفتہ میں دو یوم کی تعطیل رہتی تھی یعنی جمعہ اور ہفتہ۔ ہفتہ کا دن آپ کی ذاتی اور گھریلو مصروفیات کا دن تھا۔ جمعہ کا دن اہتمام جمعہ اور احباب سے ملاقات کے لئے مقرر تھا اس روز آپ کے احباب جمع ہوتے اور آپ ان کے لیے انواع واقسام کے کھانے تیار کراتے تھے۔ روزانہ اشراق سے چاشت تک تجارتی کاروبار کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور پھر بعد ظہر سے شام تک درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

طلباء کی نشست و برخاست کا بھی آپ بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ امام محمد چونکہ نوعمر اور حسین وجمیل تھے جب یہ آپ کی درسگاہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ان کو اپنی پشت کی طرف بیٹھنے کے لئے فرمایا اور جب ان کی داڑھی نکل آئی تو سامنے بٹھانا شروع کر دیا تھا۔

امام صاحب چونکہ نہایت محتاط اور متحمل المزاج واقع ہوئے تھے اس لئے طلباء کے اشکالات اور اعتراضات کو نہایت خندہ پیشانی سے سنتے اور نہایت نرمی سے اس کا جواب دیتے تھے ایک دفعہ آپ کے حلقۂ درس میں واعظ عراق جو حسن بصری کے عزیز بھی ہوتے تھے، شریک تھے، امام صاحب نے کسی مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا اخطا الحسن یعنی حسن سے چوک ہوگئی اس پر واعظ عراق کو غصہ آگیا اور فوراً ہی اٹھ کر کہہ دیا۔

تقول الحسن اخطا یا ابن الزانیة.

''ارے حرامی بچے تو حسن کو یہ کہتا ہے کہ اس نے خطا کی۔''

بھری مجلس میں یہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا نہ معلوم کتنے تلامذہ کے خون کھولنے لگے ہوں گے اور کتنوں نے آستین چڑھالی ہوں گی آپ نے سب کو خاموش کیا اور پھر نرمی سے فرمایا:

واللہ اخطا الحسن واصاب ابن مسعود.

"قسم خدا کی حسن سے خطا ہوئی اور ابن مسعود نے صحیح فرمایا۔"

ایسے ناخوشگوار مواقع پر آپ یہ فرمایا کرتے تھے:

اللھم من ضاق بنا صدرہ
فان قلوبنا قداتسعت له

"اے اللہ جن کے قلوب ہماری جانب سے تنگ ہیں ہمارے قلوب ان کے لئے کشادہ ہیں۔"

چنانچہ آپ ایسے گستاخوں کو معاف کر دیتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اہل علم میں سے اگر کسی نے میرے متعلق کچھ کہا ہے اور وہ چیز میرے اندر نہیں ہے تو وہ غلطی پر ہے اور علماء کی غیبت تو کچھ نہ کچھ ان کے بعد میں بھی رہتی ہے۔"

امام صاحب درس پوری محویت اور توجہ کے ساتھ دیتے تھے، اگر کوئی حادثہ بھی پیش آ جاتا تو آپ کی محویت میں فرق نہیں آنے پاتا تھا ایک مرتبہ چھت میں سے آپ کی گود میں سانپ آ گرا۔ لوگ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن آپ کی ہیئت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی معمولی طور پر کپڑے کو جھٹک دیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

امام صاحب چونکہ نہایت ذہین تھے اس لئے حاضر جواب بھی تھے درسگاہ میں کوئی کیسا ہی سوال پیش کرے فوراً ہی اس کا جواب دیتے تھے ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں ضحاک بن قیس خارجی نے کہا آپ حکم بنانے کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں امام صاحب نے فرمایا اگر میں عرض کروں تو فیصلہ کون کرے گا ضحاک نے کہا ان میں سے جس کو چاہو مقرر کر لو وہی فیصلہ کر دے گا۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو میں کہتا ہوں۔

امام صاحب اپنی رائے میں نہایت محتاط تھے اپنی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے

تھے بلکہ اظہار رائے کے بعد فرمادیتے تھے:

هذا رائي وهو احسن ما قدرنا عليه فمن جاء باحسن من قولنا فهو اولى بالصواب.

''میری یہ رائے احسن ہے جس پر میں قادر تھا لیکن اگر کوئی اس سے بھی اچھی رائے ظاہر کرے وہی قبولیت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ تقریرات درس قلمبند کرتے رہتے تھے ایک دن امام صاحب نے فرمایا مجھ سے سنا کرو لکھا نہ کرو، ممکن ہے کہ آج کی بات کل کو غلط ثابت ہو جائے۔

حلقۂ درس کی مقبولیت:

مندرجہ بالا خصوصیات کی وجہ سے امام صاحب کے حلقہ درس کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی ابتداء تو صرف امام حماد کے تلامذہ ہی شریک رہتے تھے لیکن بعد میں ائمہ فن اور آپ کے اساتذہ بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہونے لگے تھے مثلاً مسعر بن کدام امام اعمش، یہ حضرات دوسروں کو بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے کے لئے کہتے تھے غرض کہ اس وقت اسلامی دنیا میں اسپین کے سوا کوئی حصہ ایسا نہ تھا کہ جہاں کے باشندے آپ کے حلقہ درس میں شریک نہ ہوتے ہوں۔ صاحب الجواہر المضیۂ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے حلقہ درس میں مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسطہ، موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین بغداد، ہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استر آباد، ہمدان، رے، قومس، ذوامغان، طبرستان، جرجان، نیشا پور، سرخس، بخارا، سمرقند، کس، صنعاء، ترمذ، ہرات، نہستار، الزام، خوارزم سیتان، مدائن، مصیصہ، حمص وغیرہ اضلاع کے باشندے شریک رہتے تھے۔

امام صاحب کے حلقہ درس کی یہ مقبولیت بلا وجہ نہیں تھی بلکہ لوگوں کو امام صاحب کی حق گوئی، بے نفسی، زہد و تقویٰ قوت استدلال، مشکوٰۃ نبوت سے اخذ و استباط نے گرویدہ بنادیا تھا علوم کے پیاسے دنیا بھر میں گشت کرآتے تھے لیکن ان کی تشنگی یہیں رفع ہوتی تھی لہٰذا کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک خلق کثیر ایک ایسے شخص کے گرد جمع ہوگئی تھی جو قیاس، مرجی، ضعیف اور روایت حدیث میں ایک ناقابل استناد شخص ہو بلکہ ہمارا عقیدہ تو حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

''میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہو سکے گی''۔

پھر زمانہ بھی وہ جس کو خیر القرون کی شرافت حاصل ہے جن کو شر کے مقابلہ میں خیر سے زیادہ تعلق ہے جو اپنی دیانت، امانت، زہد و تقویٰ وغیرہ اوصاف حمیدہ میں آج کے انسانوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہیں جو حق گوئی اور بے باکی میں بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہونا نہیں جانتے تھے ان کے بارے میں ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ ایک غلط آدمی کے گرد جمع ہو گئے تھے بلکہ حق یہی ہے کہ اس زمانے کے صاحب فضل و کمال حضرات کا امام صاحب کے گرد جمع ہو جانا، امام صاحب کے فضل و کمال ہی کی وجہ سے تھا۔

امام صاحب کے گرد جو حضرات تھے وہ اپنے زمانہ کے آفتاب و ماہتاب تھے ان میں سے ۲۸ آدمی تو قاضی ہونے کے لائق تھے اور بڑی تعداد ایسی تھی جو مفتی بنانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ امام صاحب بھی ان کے قدرداں تھے کبھی بھی امام صاحب نے اپنی رائے کو ان پر نہیں تھوپا تین تین، چار چار دن تک بلکہ بعض دفعہ پورے پورے مہینہ آزادی کے ساتھ گفتگو چلتی رہتی تھی یہ امام صاحب کے کمال ہی کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے مقابلہ اور موجودگی میں آزادی رائے کو نہیں روکا۔ اسلام کے نزدیک آزادی رائے یہی ہے آج کل آزادی رائے کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ

کچھ اور ہے جس سے ہم متفق نہیں ہیں۔

قیام مکہ معظّمہ:

زمانہ قیام مکہ معظمہ میں آپ کا کیا مشغلہ تھا۔بعض مؤرخین نے آپ کے حلقہ درس کا یہاں انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ نے کوفہ اور بغداد کے علاوہ کہیں حلقہ درس قائم نہیں کیا لیکن ابوزہرہ نے اس روایت کی تردید کی ہے اور علامہ موفق نے بھی وہی بیان کیا ہے جو ابوزہرہ کی رائے ہے چنانچہ موصوف نے دلیل میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی یہ روایت پیش کی ہے۔

> ''میں نے ابوحنیفہ کو مسجد حرام میں بیٹھے دیکھا کہ آپ اہل مشرق اور اہل مغرب کو فتویٰ دیتے تھے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب بڑے بڑے فقہاء اور بہترین انسان موجود ہوتے تھے''۔

اس روایت سے آپ کا حلقہ درس وافتاء مسجد حرام میں بھی ثابت ہے لیکن یہ مجلس مستقل نہیں تھی بلکہ عام دستور کے مطابق جب کسی بڑے شہر میں بڑا عالم پہنچ جاتا ہے تو استفادہ کی غرض سے وہاں آدمی جمع ہو ہی جاتے ہیں اسی طرح کا یہ اجتماع ہوگیا، لیکن اصل سوال مجلس تدوین فقہ کا ہے۔

مروان کے زمانے میں یزید بن عمرو بن ہبیرہ کوفہ کا گورنر ہوا یہ نہایت مدبر اور سیاستداں تھا اس نے منصوبہ بنایا کہ امور سلطنت میں علماء کو شریک کرنا چاہیے اس طرح پبلک کے اوپر سہولت سے قبضہ ہو جائے گا اس منصوبہ کے تحت تمام علمائے عراق کو جمع کیا اور مختلف عہدے اور جاگیریں عطا کیں جس کو انہوں نے قبول کرلیا، امام صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد کرنا چاہا تو انہوں نے اس سے انکار کردیا۔ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ آپ کو قبول کرنا ہوگا۔امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کروں گا

اور حد یہ ہے کہ آپ اگر مسجد کے ستون کو شمار کرنے کو بھی کہیں گے تو نہیں کروں گا چہ جائے کہ ایک مسلمان کے قتل پر دستخط کروں۔ اس پر ابن ہبیرہ کو غصہ آ گیا اور حکم دیا کہ ان کے روزانہ دس کوڑے مارے جایا کریں چنانچہ امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا اور روزانہ دس کوڑے مارے جانے لگے جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ اور جسم ورم کر آیا تھا مگر آپ اپنی بات پر اٹل رہے۔

امام صاحب کو یہ سزا کتنے دنوں دی گئی؟ بعض روایت میں چالیس اور بعض میں دس یوم مذکور ہے۔ امام صاحب نے اس مصیبت سے کس طرح نجات پائی اس کے لئے علامہ کردری کی تحریر پیش ہے۔

ابن ہبیرہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں:

"تو خدا سے نہیں ڈرتا جو میری امت کے ایک بلاقصور آدمی کو مارتا ہے"۔ اس کے بعد ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو آزاد کر دیا۔

اہل تاریخ نے یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا بتلایا ہے اس کے بعد آپ نے کوفہ کی سکونت کو ترک کر دیا اور مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا اور ۱۳۶ھ تک آپ وہیں مقیم رہے جب ابو العباس السفاح خلیفہ ہوا تو آپ پھر دوبارہ کوفہ آ گئے تھے۔

قیام کوفہ:

۱۳۶ھ میں پھر دوبارہ آپ نے کوفہ مستقل قیام فرما لیا اس وقت ابو جعفر منصور خلیفہ تھا، اس کی خواہش تھی کہ علماء اس کے یہاں آمد و رفت رکھیں بہت سے حضرات کو اس نے سرکاری عہدے بھی دیئے تھے اس وقت پایۂ تخت ہاشمیہ کوفہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ اور دیگر علماء کو طلب کیا اور بیع وشراء، اور زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق کتاب لکھنے کو کہا۔ چنانچہ طویل مدت کے بعد ان حضرات نے مسودات پیش کیے تو خلیفہ کو پسند نہ آئے کسی درباری نے خلیفہ سے عرض کیا، حضور! کوفہ میں ایک شخص ابو حنیفہ نعمان ہیں ان کو بلایئے! چنانچہ امام صاحب کو بلایا گیا اور کتاب لکھنے کے لئے کہا گیا امام صاحب نے صرف دو دن میں وہ کتاب مرتب کر کے پیش کر دی خلیفہ نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور بطور انعام دس ہزار درہم پیش کیے تو امام صاحب نے لینے سے انکار کر دیا۔

ایک دفعہ خلیفہ نے امام مالک، ابن ابی ذئب اور امام صاحب کو بلوایا اور اپنی خلافت کے متعلق ہر ایک سے اظہار رائے چاہی ہر ایک نے جو اس کے نزدیک حق تھا بیان کر دیا امام صاحب سے پوچھا تو فرمایا:

جب آپ کی خلافت پر دو اہل فتویٰ متفق نہیں ہو پائے تو خلافت تو اجماع مومنین کا نام ہے۔

یہ سن کر خلیفہ نے خادم کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ باہر چلے جائیں تو تین تین ہزار درہم ہر ایک کو پیش کرنا، اگر امام مالک لیں تو کل کے کل دے دینا اور اگر یہ دونوں لیں تو ہر ایک کی گردن اڑا دینا چنانچہ غلام نے ان کے سامنے تین ہزار کی تھیلی پیش کی امام مالک کے علاوہ دونوں نے انکار کر دیا۔

امام صاحب کا جواب اگرچہ گستاخانہ شمار کیا جا سکتا ہے لیکن حق وصداقت بہر حال حق وصداقت ہے گو عارضی طور سے آدمی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن عند اللہ وعند الناس قدر ومنزلت کی راہیں اسی سے کھلتی ہیں۔ بے لاگ تنقید وتبصرے کے باوجود خلیفہ کو ذاتی اور سرکاری معاملات میں بھی امام صاحب کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

سیدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وطن کوفہ ہے۔ علامہ کوثری مصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''عہد فاروقی ۱۷ھ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر شہر کوفہ آباد کیا گیا اور اس کے اطراف میں فصحائے عرب آباد کئے گئے۔ سرکاری طور پر یہاں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا''۔

اہل کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے قبل ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، فقہ اور سنت کا علم حاصل کر لیا تھا۔

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بیعت رضوان والے تین سو صحابہ اور غزوہ بدر میں شریک ہونے والے ستر صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے''۔ (طبقات ابن سعد ج۶:۹)

ان اکابر صحابہ کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے۔

مشہور تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار پچاس صحابہ اور چوبیس بدری صحابہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے''۔ (کتاب الکنیٰ والاسماء، ج۱:۱۷۴)

حافظ ابن ہمام اور محدث علی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں تشریف فرما ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد پندرہ سو تحریر فرمائی ہے۔ (فتح القدیر ج۱:۴۲)

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں حدیث کے چار ہزار طلبہ موجود تھے''۔

(تدریب الراوی:۲۷۵)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے امام اعفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں چار ماہ قیام کیا۔ احادیث کا وہاں اتنا چرچا تھا کہ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ احادیث لکھ سکتے تھے، مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثوں پر اکتفا کیا۔ ہم نے کوفہ میں عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اس کو روا سمجھنے والا کوئی نہیں دیکھا''۔ (مقدمہ نصب الرایہ: ۳۵)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بیٹے نے پوچھا، حصولِ علم کے لئے ایک استاد کی خدمت میں رہوں یا دوسرے شہروں سے بھی علم حاصل کروں؟ فرمایا، سفر اختیار کرو اور کوفیوں، مصریوں، اہل مدینہ اور اہل مکہ سے علم لکھو۔ (تدریب الراوی: ۱۷۷)

امام سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں.

''جو جنگوں کا علم سیکھنا چاہے وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور حج کے مسائل اور مناسک سیکھنا چاہے وہ اہل مکہ سے سیکھے اور جو فقہ کا علم حاصل کرنا چاہے اس کے لئے کوفہ ہی ہے''۔ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے جنہوں نے طلب حدیث کے لئے بہت سے اسلامی شہروں کا سفر کیا لیکن کوفہ اور بغداد تو وہ کثرت سے جاتے رہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں دوبارہ مصر و شام گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا اور میں ہرگز نہیں گن سکتا کہ میں کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا''۔ (مقدمہ فتح الباری)

حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سو اکابر صحابہ کرام کی برکت سے کوفہ علم وفضل کا ایسا مرکز بن گیا تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو رمح اللہ (اللہ کا نیزہ)،

کنز الایمان (ایمان کا خزانہ) اور جمجمة العرب (عرب کا سر) کے القاب سے یاد کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو قبة الاسلام (اسلام کا گھر) قرار دیا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو ایمان کا خزانہ، اسلام کا سر اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کا لقب دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۶: ۵)

آپ کا وطن کوفہ ہے جو کہ عراق میں دریائے فرات کے کنارے آباد ہے۔

اس شہر کو اور بصرہ کو خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بسایا ہے۔ ۱۷ھ کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رستم کو شکست دے کر قادسیہ کو فتح کر لیا اور کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور مدائن میں آپ نے قیام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ اور کوفہ بسانے کا حکم دیا اور انہوں نے یہ دو شہر آباد کئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے ۱۷ھ کو بصرہ آباد ہوا اور ۱۸ھ کو کوفہ اور بعض نے ۱۹ھ لکھا ہے، لیکن مشہور قول ۱۷ھ کا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کے بارہ ہزار افراد کو اور نزار کے آٹھ ہزار افراد کو کوفہ بھیجا۔ ان سب کے واسطے آپ نے روزینہ مقرر کیا۔ کوفہ کی آبادی میں بہت سرعت سے اضافہ ہوا۔ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ جلد چھ میں کوفہ اور اہل کوفہ کا ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے:

كان عمريبدأ باهل الكوفة وفيها بيوتات العرب كلها وليست بالبصره.

''حضرت عمر اہل کوفہ سے شروعات کیا کرتے تھے وہاں تمام عرب گھرانے آباد تھے اور یہ بات بصرہ میں نہ تھی''۔

اور صفحہ ۹ میں لکھا ہے:

هبط الكوفة ثلاثمائة من اصحاب الشجرة وسبعون من اهل بدر.

''کوفہ میں تین سو افراد بیعت رضوان والے اور ستر افراد غزوہ بدر والے نازل ہوئے''۔

اس شہر کے بیچ میں عظیم الشان مسجد شریف بنوائی جس میں چالیس ہزار افراد نماز بیک وقت پڑھتے تھے۔ ابن سعد نے صفحہ ۵ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بالکوفة وجوه الناس.

''کوفہ میں سرکردہ افراد ہیں''۔

اور لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا ذکر کیا اور کہا:

رمح الله، وكنز الايمان وجمجمة العرب، يحرزون ثغورهم ويمدون الامصار.

''کوفہ اللہ کا نیزہ اور ایمان کا خزانہ اور عرب کی کھوپڑی ہے''۔

کوفہ والے سرحدی چوکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شہروں کی مدد کرتے ہیں اور آپ نے اہل کوفہ کو مکتوب ارسال کیا۔ ابتدا اس طرح کی۔ ''الٰی راس اہل الاسلام، اہل اسلام کے سرکردہ افراد کو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الكوفة جمجمة الاسلام و كنز الايمان وسيف الله و رمحه.

''کوفہ اسلام کی کھوپڑی، ایمان کا خزانہ اور اللہ کی تلوار اور اس کا نیزہ ہے''۔

اور حضرت سلمان فارسی نے فرمایا ہے:

الكوفة قبة الاسلام واهل الاسلام.

''کوفہ اسلام کا اور اہل اسلام کا گھر ہے''۔

اور صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ آپ نے اہل کوفہ کو مکتوب ارسال کیا اس میں لکھا:

"اے اہل کوفہ! تم عرب کا سر اور ان کی کھوپڑی ہو اور میرا وہ تیر ہو جس کو میں افتاد پڑنے پر ادھر ادھر پھینکتا ہوں۔ میں نے تمہارے پاس عبداللہ بن مسعود کو بھیج کر اپنے نفس پر تم کو ترجیح دی ہے"۔

اس مبارک شہر میں ایک ہزار صحابہ سے زیادہ افراد نے سکونت اختیار کی۔ ان حضرات کے رہنے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی تعلیم و تدریس اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہاں قیام اور جلیل القدر صحابہ کے ورود سے کوفہ بے مثل گلزار علم بن گیا۔ اسی مبارک سرزمین سے تمام علوم اسلامیہ نے سر ابھارا ہے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں آئے ان سے حدیث شریف کے دہانے کھلے۔ نحو، صرف، لغت، فقہ اللغۃ، علوم معانی، فقہ اور اصول فقہ کا مصدر کوفہ ہی ہے۔ شاطبیہ میں سات ائمہ کی قرأت کا ذکر ہے۔ نافع اور وہ مدینہ کے ابن کثیر اور وہ مکہ کے ابو عمرو اور وہ بصرہ کے ابن عامر اور وہ دمشق کے عاصم، حمزہ، کسائی اور یہ تینوں حضرات کوفہ کے ہیں۔

گرفتاری اور وفات

عہدۂ قضاء سے انکار:

امام صاحب نے ابن ہبیرہ کے زمانے میں بھی قضاء کے عہدے سے انکار کر دیا تھا اور ابو جعفر منصور کو بھی صفائی کے ساتھ جواب دے دیا تھا کہ میں ہرگز یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں اور اس پر قسم بھی کھائی تھی، اس پر امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ علامہ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں:

"داؤد بن راشد کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب کو سزا دی جاتی تھی تو میں موجود تھا آپ کو روزانہ قید سے نکالا جاتا تھا اور دس کوڑے

مارے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کو ۱۱۰ کوڑے مارے گئے اور آپ
سے قضاء کے قبول کرنے کو کہا جاتا تھا اور آپ یہی فرما دیتے تھے کہ
میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں چنانچہ جب مسلسل یہی سزا دی گئی
تو آپ نے خدا سے دعا کی کہ الٰہی! مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھ،
چنانچہ آپ کو زہر دیا گیا اور آپ کا اسی میں انتقال ہوا۔"

لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا عوامل تھے کہ جن کی بناء پر آپ نے اتنی سختی برداشت کی اور عہدۂ قضاء قبول نہ کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے بربنائے تقویٰ ایسا کیا تھا، تاریخی روشنی میں بھی یہ وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

قضاء سے انکار کا سبب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عدلیہ کے شعبہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے عدلیہ بالکل آزاد تھی، کوئی دباؤ اس پر نہیں ڈالا جاتا تھا چنانچہ علامہ حموی نے حاشیہ الاشباہ میں تحریر فرمایا ہے:

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ملکی مشاغل بہت زیادہ بڑھ گئے تو انہوں نے عدلیہ کو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ انہی ایام میں ان کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ایک کے حق میں فیصلہ کر دیا تو دوسرا شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور اپنی شکایت پیش کی تو آپ نے فرمایا:

لو كنت انا مكانه لقضيت لك.

"اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تیرے حق میں فیصلہ کرتا۔"

اس شخص نے کہا آپ تو خلیفہ ہیں کیوں نہیں فیصلہ کرتے، آپ نے فرمایا یہاں میرے پاس کوئی نہیں ہے اور ایک مشترک چیز ہے یعنی اس میں ہم دونوں برابر ہیں۔

لیس هناك نص و الرائے مشترك.

اس سے ظاہر ہے کہ عدلیہ کے معاملات میں خلیفہ وقت بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا لیکن اس کے برخلاف خلافت بنی امیہ میں اگر درباریوں کے خلاف کوئی فیصلہ کردیا جاتا تو قاضی کو بے عزتی کے ساتھ معزول کردیا جاتا تھا۔ خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید کے خلیفہ ہونے کے پہلے تک ایسا ہی رہا چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانہ میں قاضی شریک کا بہت براحشر ہوا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے زمانے میں ایک فوجی کے خلاف قاضی عبیداللہ بن حسن کی عدالت میں ایک تاجر نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ادھر پیشی ہوئی ادھر مہدی کا پیغام پہنچا ''دیکھو جس زمین کے متعلق فلاں افسر اور فلاں تاجر کے درمیان جھگڑا ہے اس میں فیصلہ افسر کے حق میں دو''۔ لیکن قاضی عبیداللہ نے فوجی افسر کے خلاف فیصلہ دیا اس پر مہدی نے ان کو معزول کردیا۔

بعض دفعہ تو قاضی کی اہلیت کا بھی سوال نہیں تھا خواہ وہ مستحق قضا ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا وفادار ہو اسی کو قاضی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اموی دور خلافت میں قاضی عابس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ پورا قرآن بھی نہیں پڑھا تھا، لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا، فرائض سے بھی واقف نہیں تھا لیکن پورے مصر کا قاضی تھا کیونکہ اس نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دی تھیں۔

یہ حالات تھے جن کے پیش نظر امام صاحب نے عہدہ قضاء سے انکار کردیا تھا کیونکہ وہ اپنے فیصلوں کو حکومت سے متاثر نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا کہ عدل وانصاف حکومت کی مرضی کے مطابق نہ کیا جائے یہ دیکھتے ہوئے امام صاحب نے انکار کردیا تھا۔

بغاوت کا الزام:

امام صاحب کی گرفتاری کا دوسرا سبب حکومت سے بغاوت بتلایا جاتا ہے جس

کو ہم سطورذیل میں علامہ شبلی کے قلم سے نقل کررہے ہیں:

۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنی امیہ کا خاتمہ ہوگیا اور آل عباس تخت وتاج کے مالک ہوئے۔ اس خاندان کا پہلا فرماں روا ابوالعباس سفاح تھا۔ اس نے چار برس حکومت کی۔ ۱۳۶ھ کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کردیا تھا یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دی تھیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا جا بجا بغاوتیں اٹھیں۔ ان فتنوں کو فرو کرنے میں سفاح اور منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ تمام ملک کی آنکھیں ان کے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کردیئے، چنانچہ ایک موقع پر منصور نے کہا، کیا کروں؟ کام کے آدمی نہیں ملتے۔ عبدالرحمٰن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے قلت بھی اسی کی ہوتی ہے۔

منصور نے یہ ستم بھی کیا کہ سادات کی بھی خانہ بربادی شروع کردی اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکار رہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی صرف بدگمانی پر منصور نے سادات علویین کی بیخ کنی شروع کی۔ جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی بڑی داستان ہے جسے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہئے۔ آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کرلی،

بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دے دیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی ہے۔ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر، قوی بازو، جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی نے علم بغاوت بلند کیا اور اس سروسامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اٹھالیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے ان کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک، کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش بیس لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ خاص کر علماء و فقہاء نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

امام بعد فانی قد جهزت اليك اربعة آلاف درهم و لم يكن عندى غيرها ولولا امانت عندى للحقت بك فاذ القيت القوم و ظفرت بهم فافعل كما فعل ابو فى اهل صفين اقتل مدرهم و اجهز جريحهم ولا تفعل كمافعل ابوك فى اهل الجمل فان القوم لهم فيئة.

"میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں اس وقت اسی قدر

موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ سے ملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں ایسا نہ کرنا جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں کیا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔"

گرفتاری:

۱۴۶ھ میں ابراہیم شہید ہو گئے۔ ان کے قتل کے بعد منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا اس لئے منصور نے بغداد پہنچ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا اور ان کو قتل کرنے یا قید کرنے کا یہ بہانہ تلاش کیا کہ آپ کے سامنے عہدۂ قضا پیش کیا آپ نے انکار کر دیا۔

منصور نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر لیا اور جیل خانہ میں بھی ڈال دیا لیکن چونکہ امام صاحب کوئی معمولی شخصیت کے مالک تو نہ تھے اس لئے شہرت ہوئی اور لوگ اسی حالت میں استفادہ کرنے کے لئے آنا شروع ہو گئے اور جیل خانہ ہی حلقہ درس بن گیا۔ اس حالت میں امام محمد نے بھی امام صاحب سے استفادہ کیا۔ غرض کہ تقریباً چار سال امام صاحب کو نظر بند رہنا پڑا یعنی ۱۴۶ھ لغایت ۱۵۰ھ۔

وفات:

امام صاحب کی وفات جس دن ہوئی وہ دن جمعہ کا، مہینہ شوال کا اور ۱۵۰ھ تھا۔ خلیفہ کو آپ کی طرف سے اندیشہ تھا کیونکہ آپ کی مقبولیت قید کی حالت میں اور بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لئے دھوکہ میں آپ کو زہر دے دیا گیا جس وقت آپ کو علم ہوا تو سجدۂ شکر ادا کیا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی گئی۔

اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔

صلوٰۃ جنازہ اور تدفین:

امام صاحب کے انتقال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا شہر امنڈ آیا۔حسن بن عمارہ (جو آپ کے استاد بھی ہوتے تھے) قاضی شہر نے آپ کو غسل دیا۔غسل کے وقت حسن بن عمارہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے تیس سال سے افطار نہیں کیا اور نہ چالیس سال سے رات کو آرام کیا،آپ ہم سب میں سے زیادہ فقیہ،سب سے زیادہ عابد،سب سے زیاد پرہیز گار تھے۔''

غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی بہت زیادہ کثرت ہوگئی تھی۔پہلی نماز (جو حسن بن عمارہ نے پڑھائی تھی) میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے۔آپ کے جنازہ کی نماز چھ مرتبہ ہوئی اور دفن کے بعد ۴۰ دن تک آپ کی قبر پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔خلیفہ منصور نے بھی آپ کی صلوٰۃ جنازہ قبر پر ہی جا کر پڑھی۔

امام صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر شریک خیزران کے مقبرے میں بنائی گئی۔آپ کے خیال میں وہی جگہ ایسی تھی جو مغصوبہ نہیں تھی۔امام صاحب کے انتقال کے بعد تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔

امام صاحب کا مقبرہ:

۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر شرف الملک ابوسعید نے قبہ تعمیر کرایا،اور اسی کے قریب ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔اس وقت ابوجعفر مسعود بن ابی الحسن عباسی بھی موجود تھا جس نے یہ اشعار پڑھے۔

❶ دیکھتے نہیں ہو علم مر چکا تھا لیکن اس کو اس قبر میں پوشیدہ ہستی نے زندہ کیا۔

❷ اسی طرح یہ زمین بھی مر چکی تھی اس کو ابوسعید نے زندہ کیا۔

جب اسماعیل بادشاہ بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس قبہ اور مدرسہ کو بالکل مسمار کر دیا تھا اور اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ یہی معاملہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے کے ساتھ کیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اشرار سے بغداد کو بہت جلد پاک وصاف کر دیا۔

۹۷۴ھ میں سلطان سلیم بن سلیم نے ازسرنو دونوں مزاروں پر قبے تعمیر کرائے جو کہ اب تک باقی ہیں۔ امام صاحب کی قبر شریف دیکھ کر کسی عربی شاعر نے چند اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ پیش ہے۔

❶ امام صاحب کی قبر جنت الخلد کا ایک باغیچہ ہے۔

❷ اس جگہ بہت زیادہ شرافتیں ملتی ہیں۔

❸ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے جب تک ستارے منور ہیں۔

بعد وفات ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام صاحب کے انتقال کے بعد جو رویائے صالحہ مختلف حضرات نے دیکھیں ان کو اس جگہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

❶ قاضی ابورجاء کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا، مغفرت فرمادی۔ امام ابویوسف کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

❷ حفص بن غیاث کہتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کو خواب میں

دیکھا تو دریافت کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا، بخش دیا۔

۳ امام ابو یوسف فرماتے ہیں، ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیچ میں ہیں، مجھے دیکھ کر فرمایا، کاغذ اور دوات لاؤ میں اپنے جنتی اصحاب کے نام لکھ لوں۔ میں نے عرض کیا میرا نام بھی لکھ لیجئے تو امام صاحب نے میرا نام بھی لکھ لیا۔

۴ ابن بسطام کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور امام صاحب جھنڈا لئے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا حضرت کس کا انتظار ہے؟ فرمایا، اپنے اصحاب کا انتظار کر رہا ہوں۔

۵ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے جب کبھی بھی امام صاحب کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔

۶ صاحب تذکرۃ اولیاء نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے:

"شیخ بوعلی کہتے ہیں کہ میں شام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کے قریب سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور ایک بوڑھے کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور ان کے پیروں کو بوسہ دیا اور دریافت کیا کہ یہ بوڑھے کون ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ مسلمانوں کے امام اور تیرے ہم وطن ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

نماز جنازہ پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا، پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا کہ اس سے بھی زیادہ تھے۔ ان پر چھ بار نماز ہوئی اور آخری مرتبہ صاحبزادہ امام

حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۹: ۳۴۱)

آپ کی وصیت تھی کہ چونکہ خلیفہ کے محلات کے اردگرد لوگوں کی غصب شدہ زمین ہے اس لئے مجھے مقبرہ خیزراں کی وقف شدہ زمین میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپ کو وہاں دفن کیا گیا۔

خلیفہ منصور نے احساسِ ندامت کم کرنے کے لئے بیس دن گزرنے کے بعد آپ کے مزار پر آ کر نمازِ جنازہ ادا کی۔ جب اسے بتایا گیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی اس وصیت کے پیش نظر مقبرہ خیزراں میں دفن کیا گیا ہے تو منصور نے کہا، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے، تو نے زندگی میں بھی مجھے شکست دی اور موت کے بعد بھی مجھے شرمندہ کیا ہے۔

۴۵۹ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپ کے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ بنوایا اور ایک مدرسہ بھی۔

جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آپ کی قبر مبارک پر آئے تو فرمایا: ''اللہ آپ پر رحم کرے، حضرت ابراھیم نخعی اور امام حماد رحمہما اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنا نائب چھوڑا مگر آپ نے اپنے وصال کے بعد روئے زمین پر اپنا نائب نہ چھوڑا''۔ پھر بہت روئے۔

مزار کی برکتیں:

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ علماء اور دیگر حاجت مند آپ کی قبر کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ کے پاس آ کر اپنی حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیابی پاتے ہیں۔ ان میں امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔آپ کا ارشاد ہے، میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے''۔(الخیرات الحسان:۲۳۰)

مناقب مکی کی روایت:

جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ کی طلبی پر بغداد بھیجے گئے تو ان کا چہرہ تمتما رہا تھا، فرمانے لگے:

''اس نے (یعنی خلیفہ) نے مجھے قاضی مقرر کرنے کے لئے بلایا تھا، میں نے جواب دیا کہ میں اس لائق نہیں ہوں، مجھے یہ معلوم ہے کہ مدعی پر دلیل اور منکر پر حلف واجب ہے، مگر قاضی بننے کی صلاحیت تو وہی شخص رکھتا ہے جو دل گردہ رکھتا ہو، تمہارے، تمہاری اولاد اور سالارانِ فوج کے خلاف فیصلہ کرنے کی جرأت رکھتا ہو، مگر مجھ میں یہ جرأت نہیں ہے۔میرا تو یہ حال ہے کہ جب تم مجھے بلاتے ہو تو میری جان میں جان اس وقت تک واپس نہیں آتی جب تک کہ تمہارے پاس سے باہر نہیں آجاتا''۔

خلیفہ نے کہا:

''اچھا یہ بتاؤ کہ میرے عطایا کیوں قبول نہیں کرتے؟''

میں نے جواب دیا:

''امیر المومنین اگر آپ اپنے ذاتی مال سے مجھے کچھ دیتے تو میں قبول بھی کر لیتا مگر جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں یہ تو مسلمانوں کے بیت

المال کا روپیہ ہے۔ جس کا میں اپنے آپ کو کسی حیثیت سے بھی مستحق نہیں پاتا۔ نہ میں ان لوگوں سے ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر میرا تعلق ان سے ہوتا تو میں اس مد سے لیتا اور نہ میں فقیر اور محتاج ہوں۔ اگر یہ صورت ہوتی تو فقراء کی مد سے میرے لئے لینا جائز ہوتا''۔

یہ سن کر منصور نے کہا:

''اچھا یہاں قیام کرو تاکہ قضاۃ کو اگر تم سے مشورے کی ضرورت ہو تو وہ مشورہ لے سکیں''۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میرے قول کو حدیث شریف اور قول صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے رد کر دو اور جو حدیث بات ہے وہی میرا مسلک ہے۔''

لہٰذا یہ غلط ہے کہ امام صاحب صرف قیاس یا رائے سے ہی کام لیتے تھے بلکہ وہ بحد ممکن احادیث اور نصوص شرعیہ سے استفادہ کرتے تھے:

کان ابو حنیفه شدید الفحص عن الناسخ والمنسوخ من الحدیث فیعمل بالحدیث اذا ثبت عنده عن النبیؐ و عن اصحابه و کان عارفا بحدیث اهل الکوفة.

''امام صاحب حدیث میں ناسخ و منسوخ کی بہت چھان بین کیا کرتے تھے اس کے بعد جب کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل کرتے

تھے وہ اہل کوفہ کی احادیث سے بخوبی واقف تھے۔"

امام صاحب اوراصول حدیث:

امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ بشیر عدوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث بیان کرنا شروع کر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی تو بشیر عدوی نے جھنجھلا کر کہا عجیب بات ہے میں حدیث سنا رہا ہوں اور آپ اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہے تب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، عدوی بھائی! ایک وقت وہ تھا کہ جہاں کسی نے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا ہم ہمہ تن گوش ہوئے اور اب تو ہم وہی حدیثیں سنتے ہیں جو ہم کو بھی معلوم ہیں۔

ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے اور درمیان سے الفاظ حذف کرتے جا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے واللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ نہیں دیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک تحریر دیکھی تو اس میں سے تھوڑے سے الفاظ کے علاوہ سب تحریر مٹادی۔

محدثین کی آراء:

1. عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں خدا کی قسم امام ابوحنیفہ سوائے حدیث کے رائے کو اختیار کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔
2. عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں اس کو امام ابوحنیفہ کی رائے نہ کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔
3. امام ابو یوسف فرماتے ہیں، میں نے تفسیر حدیث کے معاملہ میں امام صاحب سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔

۴. سفیان بن عینیہ کہتے ہیں امام ابوحنیفہ حدیث میں علم الناس ہیں۔

۵. یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے تمام محدثین کی حدیثوں کو یاد کر رکھا تھا لیکن انہوں نے انہی حدیثوں کو اختیار کیا جن پر آخر زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

۶. معمر کہتے ہیں شرح حدیث میں امام صاحب سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔

۷. عمر بن دینار کہتے ہیں نعمان بن ثابت بہت اچھے آدمی ہیں جس حدیث میں فقہ ہوتا ہے اس کو اچھی طرح یاد رکھتے ہیں۔

۸. حسن بن زیادہ کہتے ہیں امام صاحب نے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں دو ہزار حماد سے اور دو ہزار دیگر مشائخ سے۔

۹. ابن حجر مکی کہتے ہیں امام صاحب نے لوگوں کو کبھی بھی اپنے مسلک کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا اشارہ منامی کے دعوت نہیں دی۔

۱۰. یعنی فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مسائل کو پسند نہیں فرما سکتے جو قرآن اور ان کی سنت کے خلاف ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵ھ) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر آپ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا اور آپ سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔ آپ نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے دس سال استفادہ کیا۔

(مناقب کردری ج ۲:۲۱۶)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جب مسلمانوں کی ضروریات میں مشغول ہوئے تو ان سے روایتِ حدیث ظاہر نہ ہوئی جیسا کہ ان کے سوا دوسرے کم عمر صحابہ سے ظاہر ہوئی۔

اس طرح امام مالک اور امام شافعی سے بھی فقہ میں مشغولیت کے باعث اس قدر احادیث ظاہر نہیں ہوئیں جیسا کہ ان حضرات سے مثلاً ابوزرعہ اور ابن معین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ظاہر ہوئیں جو کہ محض روایتِ حدیث کی طرف متوجہ رہے۔

صحاح ستہ کے اہم راوی حافظ الحدیث امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا لیکن وہ ہم پر غالب رہے''۔ (مناقب للذہبی: ۲۷ طبع مصر)

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ جنہیں امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ ''صاحب حدیث'' اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ''حافظ الحدیث'' کہتے تھے وہ فرماتے ہیں، میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر جاننے والا اور اس کے فقہی نکات پہچاننے والا نہیں دیکھا اور میں نے جب کبھی کسی بات میں ان کی مخالفت کی اور پھر اس پر غور کیا تو انہی کے مذہب کو آخرت کے لحاظ سے زیادہ موجبِ نجات پایا اور بسا اوقات میں حدیث کی طرف مائل ہوتا تو وہ مجھ سے زیادہ صحیح حدیث کو جاننے والے ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سو اکابر صحابہ کرام کی برکت سے کوفہ علم و فضل کا ایسا مرکز بن گیا تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو رمح اللہ (اللہ کا نیزہ)، کنز الایمان (ایمان کا خزانہ) اور جمجمۃ العرب (عرب کا سر) کے القاب سے یاد کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو قبۃ الاسلام (اسلام کا گھر) قرار دیا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو ایمان کا خزانہ، اسلام کا سر اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کا لقب دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۶: ۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔ (بخاری، مشکوۃ کتاب العلم)

ہر دور میں عموماً اور قرونِ اولیٰ میں خصوصاً محدثین کرام کی روایت میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایتِ حدیث میں نہایت محتاط طریقہ اختیار کیا۔

مشہور محدث امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم حاصل کرنے میں نہایت محتاط اور حدودِ الٰہی کی بے حرمتی کرنے پر بے حد مدافعت کرنے والے تھے۔ آپ صرف وہی حدیثیں لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھیں اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمر کے فعل کو لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماء کوفہ کو عمل کرتے پایا۔ مگر پھر بھی ایک قوم نے بلاوجہ ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی مغفرت کرے''۔

(الانتقاء لابن عبدالبر: ۱۴۲ طبع مصر)

حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ

''امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ناسخ و منسوخ احادیث کو بکثرت تلاش کرتے تھے اور اہلِ کوفہ کی تمام احادیث کا علم رکھتے تھے۔ لوگوں کا جس امر پر اتفاق تھا آپ اس کی سختی سے پیروی کرتے تھے اور آپ ان سب حدیثوں کے حافظ تھے جو آپ کے شہر والوں کو پہنچی تھیں''۔ (الخیرات الحسان: ۹۷)

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ہی کا ایک اور ارشاد نقل کیا ہے کہ

''امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فہم اور علم میں پختہ تھے جب آپ کے نزدیک آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح ثابت ہوتی تو پھر اس سے غیر کی طرف آپ ہرگز نہ جاتے''۔ (الانتقاء: ۱۲۸)

یہ سیدنا امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نبی کریم ﷺ کی احادیث سے محبت کی دلیل ہے اور اس محبت کا ہی ایک تقاضا یہ ہے کہ ان تمام راستوں کو بند کر دیا جائے جن کے ذریعے کوئی رسول کریم ﷺ کی جانب غلط روایت منسوب کر سکے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خیال سے صحابہ کرام کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔ حضرت ابو اسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

"نہیں ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ درے مارتے"۔ (سیرۃ النعمان:۱۷۱)

باطنی فراست:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بھی دل کی آنکھوں سے پڑھنے کے لائق ہے:

"کشف کی نظر میں مذہب حنفی عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں"۔ (مکتوبات دفتر دوم،۵۵)

امام ابن حجر مکی شافعی کی گواہی بھی ملاحظہ فرمایئے، آپ فرماتے ہیں:

"امام اعظم ان ائمہ اسلام میں سے ہیں جو خدا کے اس فرمان کا مصداق ہیں کہ الا ان اولیاء اللّٰه لا خوفٌ علیهم ولا هم یحزنون...... الخ۔ "سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں"۔ (سورہ یونس:۶۲-۶۴)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کسی موقع پر بھی اپنی باطنی فراست سے جو بات ارشاد فرمائی وہ پوری ہوئی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ اکثر انہیں درس سے لے جاتی تھیں تاکہ کچھ کما کر لائیں۔ ایک دن امام اعظم نے ان کی والدہ سے فرمایا، ''تم اسے علم سیکھنے دو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن یہ روغنِ پستہ کے ساتھ فالودہ کھائے گا''۔ یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

مدت بعد ایک دن خلیفہ ہارون الرشید کے دسترخوان پر فالودہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا، فالودہ اور روغن پستہ۔ یہ سن کر آپ ہنس پڑے۔ خلیفہ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو مذکورہ واقعہ بیان فرمایا۔ خلیفہ نے کہا، علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے، وہ باطن کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۴: ۲۴۵)

حدیث مبارکہ ہے:

''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

آپ نے ایک بار اپنی فراست سے امام داؤد طائی سے فرمایا، تم عبادت کے ہی ہو رہو گے، امام ابو یوسف سے فرمایا، تم دنیا کی طرف مائل ہو گے (یعنی دنیاوی منصب قبول کرو گے اور مالدار ہو جاؤ گے)۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب وضو میں استعمال شدہ پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر و کبائر و مکروہات ہوتے ان کو پہچان لیتے تھے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے تو وہ لوگوں کے وضو اور غسل کے پانی کو نہایت گندہ اور بدبودار دیکھے گا اور اسے استعمال نہ کرے گا، جیسے وہ اس پانی کو استعمال نہیں کرتا جس

میں کتا یا بلی مرگئی ہو۔ میں نے ان سے کہا، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اہل کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے۔ تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بڑے اہل کشف تھے۔
(ایضاً:٦٤)

ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے اور پانی کے قطرات اس کے اعضاء سے ٹپک رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا، اے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک شخص کے وضو کا مستعمل پانی دیکھا تو فرمایا، شراب نوشی اور گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس شخص نے توبہ کی۔ (ایضاً:٦٥)

استاذ محمد ابوزہرہ کی تحقیق یہ ہے کہ جو رسالے اور کتابیں خواہ وہ فقہ میں ہوں یا حدیث میں ہوں حضرت امام نے ان کو خود نہیں لکھا ہے، بلکہ آپ کے جلیل القدر شاگردوں نے جو کچھ آپ سے سنا اس کو مرتب اور منسوب کر کے لکھا، کیا فقہ اور کیا حدیث۔

حضرت امام کے اصحاب بکثرت تھے۔ ایک جماعت وہ تھی کہ کچھ مدت آپ کی خدمت میں رہ کر اور فضل و کمال حاصل کر کے اپنے وطن کو چلی گئی اور ایک جماعت وہ تھی جو آپ ہی سے وابستہ رہی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام نے فرمایا کہ یہ میرے 36 اصحاب ہیں، ان میں سے 28 میں صلاحیت ہیں کہ وہ قاضی بنیں اور 6 افراد میں فتویٰ دینے کی صلاحیت ہے اور دو جو کہ ابو یوسف اور زفر ہیں صلاحیت رکھتے ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کو مہذب اور مؤدب بنائیں۔

قاضی القضاۃ امام ابو یوسف:

یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری کوفی کی ولادت ۱۱۳ھ میں ہوئی، آپ
کی نشو ونما غریب گھرانے میں ہوئی، لہٰذا آپ مجبور تھے کہ کچھ کمائیں، باوجود اس
احساس کے علم پڑھنے اور علماء کے حلقوں میں بیٹھنے کا شوق تھا، آپ قاضی ابن ابی لیلیٰ
کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، کہا گیا ہے کہ آپ نو سال ابن ابی لیلیٰ کے حلقہ سے
وابستہ رہے۔ اتفاق سے کسی کے عقدِ نکاح کی محفل میں شریک ہوئے۔ قاضی ابن ابی
لیلیٰ بھی اس مجلس میں تھے، نکاح کے بعد کچھ شیرینی نچھاور کی گئی۔ ابو یوسف نے کچھ
شیرینی اٹھالی، قاضی ابن ابی لیلیٰ کو یہ فعل ناپسند آیا۔ انہوں نے ابو یوسف کو سخت لفظ کہا
اور ارشاد کیا یعنی تم کو خبر نہیں کہ یہ ناجائز ہے۔ یہ سن کر ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے پاس
آئے اور مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ
ﷺ مع صحابہ کے ایک انصاری کے عقد نکاح کی محفل میں شریک ہوئے۔ نکاح کے
بعد انہوں نے چھوارے اچھالے۔ رسول اللہ ﷺ نے چھوارے اٹھائے اور صحابہ سے
فرمایا۔ انتہبوا۔ لوٹو۔

اس واقعہ کے بعد ابو یوسف حضرت امام کے حلقہ سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت
امام کو ان کے گھر کی تنگدستی کا اور ان کے شوق علم کا علم ہوا۔ حضرت امام نے ان سے فرمایا،
تم اطمینان سے علم حاصل کرو اور ان کے اخراجات کے پوری طرح متکفل ہوئے۔

ابو یوسف سے حنفی فقہ کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ وہ قاضی بنے اور لوگوں کی
مشکلات سے ان کو واسطہ پڑا، لہٰذا عملی طور پر ان کی جلاء ہوئی اور مشاکل کے ازالہ
کرنے کے طریقوں سے شناسا ہوئے اور لوگوں کی بیماریوں کی دوا مہیا کی۔ ابو یوسف
وہ پہلے قاضی ہیں جو مملکت اسلامیہ کے قاضی تھے اور غالباً ابو یوسف وہ پہلے شخص ہیں

جنہوں نے اپنی آراء کو حدیث سے موید کیا ہے۔انہوں نے اہل رائے اور اصحاب حدیث کے طریقہ کو جمع کیا ہے۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

من احیاء ارضاً مواتاً فھی لہ۔

''جو کسی افتادہ زمین کو آباد کرے، یہ زمین اس کی ہے۔''

اس حدیث شریف کے بیان میں حضرت امام فرماتے ہیں۔ بے شک زمین کا آباد کرنے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے اگر اس نے حاکم یا والی سے اجازت لے لی ہے تاکہ دوسرا شخص کوئی دعویٰ نہ کرے اور لڑائی جھگڑے کی راہ مسدود ہو، حضرت امام نے حدیث شریف کو رد نہیں کیا ہے بلکہ آپ نے فتنہ وفساد کی راہ مسدود کی ہے۔

ابن مبارک نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مالک کے پاس گئے۔انہوں نے آپ کا اعزاز کیا اور جب آپ چلے گئے فرمایا جانتے ہو کہ یہ کون ہیں، حاضرین نے کہا، ہم نہیں جانتے۔آپ نے فرمایا، یہ ابوحنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اگر وہ کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو وہی ثابت ہوگا جو انہوں نے کہا ہے۔ان کو فقہ راست آ گئی ہے اور ان کو اس میں کچھ دقت پیش نہیں آتی، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جانے کے بعد سفیان ثوری مالک کے پاس آئے۔مالک نے ابوحنیفہ کی جگہ سے نیچے ان کو بٹھایا اور ان کے جانے کے بعد ان کی فقہ اور ورع کا ذکر کیا۔

ایک شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! ایک شخص ہے جو ایمان واسلام کا دعویٰ کرتا ہے، خود کو مسلمان کہلواتا ہے مگر اس کے باوجود:

- ① وہ جنت کی خواہش نہیں رکھتا۔
- ② اور نہ اسے نارِ جہنم کا خوف ہے۔
- ③ میتہ (غیر مذبوح چیز) بلا جھجک کھاتا ہے۔

۴ نماز پڑھتا ہے مگر رکوع وسجدہ نہیں کرتا۔

۵ گواہی دیتا ہے مگر دیکھے بغیر۔

۶ اس کے ہاں فتنہ محبوب اور حق مبغوض ہے۔

۷ رحمت سے دور بھاگتا ہے۔

۸ یہود اور نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔

بظاہر یہ سب وجوہات کفر ہیں جو اس میں موجود ہیں، ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

اگر اب کا زمانہ ہوتا تو سوال ختم ہونے سے پہلے خدا جانے کفر کے کتنے فتوے لگ چکے ہوتے۔ مگر یہ تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو قدرت نے سوادِ اعظم اہل سنت کی امامت کا شرف بخشا ہے۔ بغیر کسی تردد کے فرمایا:

میرے نزدیک وہ شخص مومن ہے۔

سائل کو حیرت ہوئی تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس لئے کہ:

۱ اس پر اللہ کی خواہش غالب ہے۔ جب اللہ ہی اس کا مطلوب ہے تو جنت کی خواہش کی اسے کیا پروا۔

۲ اسے نار جہنم کا نہیں بلکہ رب النار کا خوف ہے۔

۳ میتۃ (غیر مذبوح چیز) کھاتا ہے مچھلیوں کی صورت میں۔

۴ نماز جنازہ پڑھتا ہے اور اس میں سجدہ اور رکوع نہیں۔

۵ توحید ورسالت کی شہادت دیتا ہے (یعنی کلمہ شہادت پڑھتا ہے) حالانکہ اس نے خدا کو دیکھا ہے نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔

۶ انما اموالکم واولادکم فتنۃ...... قرآن نے اموال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا

ہے۔ اسے محبوب رکھنا انسان کی فطرت ہے۔ موت امر حق ہے مگر ذوق عبادت اور جمع حسنات کی وجہ سے اس سے بغض رکھنا (ناپسند کرنا) محمود ہے۔

۷ بارش اللہ کی رحمت ہے، اس سے دور بھاگتا ہے کہ بھیگ جانے سے بچ جائے۔

۸ یہود کے اس قول لیست النصاری علی شیئ اور نصاریٰ کے قول کہ لیست الیھود علی شیئ کی تصدیق کرتا ہے جو عین ایمان ہے۔

سائل و حاضرین ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب سے حیرت و استعجاب کے ساتھ ان کا منہ تکتے رہ گئے۔ (عقود الجمان:۲۵۱)

وصایا اور نصیحتیں:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو چند نصیحتیں فرمائیں جو ظاہری اصلاح اور باطنی تربیت میں بنیادی اور اہم حیثیت کی حامل ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا:

تم سب میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میرا حزن و ملال دور کرنے والے ہو۔ میں نے تمہارے لئے فقہ کی سواری تیار کی، اس کی زین کس دی اور اس کی لگام تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم تمہارے فیصلے سنا کریں گے اور تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچانا۔

جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے ان کا حاکم نہ بنے۔ لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضا سے علیحدہ ہو جانا، تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چمٹے نہ رہنا۔ ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر

قضا کے منصب پر قائم رہ کر خلق خدا کی امداد کرنا۔

ایسے لوگ جو امورِ دنیا سے علیحدہ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لئے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں۔ان کے لئے تنخواہ حلال ہے۔اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگا دینا کہ وہ تمہیں مل نہ سکیں۔ان کے لئے اپنی عدالتوں کے دروازے کھلے رکھنا، پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا، جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لئے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔عشاء کے بعد تین بار یہ اعلان کرنا۔اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جا سکو تو اتنے دنوں کی تنخواہ نہ لینا۔یاد رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں۔اگر کوئی گناہ یا جرم کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔(مناقب للموفق:۳۷۷ملخصاً)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نام:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے رشد و ہدایت اور حسن سیرت و کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ لوگوں سے معاملات کی جانب متوجہ ہوئے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں یہ وصیت فرمائی کہ اے یعقوب!!!

حاکم کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

سلطان وقت کی عزت کرو اور اس کے مقام کا خیال رکھو، اور اس کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور سے پرہیز کرو، اور ہر وقت اس کے پاس حاضر نہ رہو جب تک کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے۔کیونکہ جب تم اس سے کثرت سے ملو گے تو وہ تمہیں حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور تمہارا مقام اس کی نظروں سے گر جائے

گا۔ پس تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ رکھو جیسا کہ آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ تم اس سے نفع بھی اٹھاتے ہو اور دور بھی رہتے ہو، اس کے قریب تک نہیں جاتے کیونکہ اکثر حاکم اپنی ذات اور اپنے مفادات کے علاوہ کچھ اور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

تم حاکم کے قریب کثرت کلام سے بچو کہ وہ تمہاری گرفت کرے گا تا کہ اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ دکھلا سکے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور تمہارا محاسبہ کرے گا تا کہ تم اس کے حواریوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ۔ بلکہ ایسا طرز عمل اختیار کرو جب اس کے دربار میں جاؤ تو وہ دوسروں کے مقابلے میں تمہارے رتبہ کا خیال رکھے اور سلطان کے دربار میں کسی ایسے وقت نہ جاؤ جب وہاں دیگر ایسے اہل علم موجود ہوں جن کو تم جانتے نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر تمہارا علمی رتبہ ان سے کم ہوگا تو ممکن ہے تم ان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کرو مگر یہ جذبہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اگر تم ان سے زیادہ صاحب علم ہو تو شاید تم ان کو کسی بات پر جھڑک دو اور اس وجہ سے تم حاکم وقت کی نظروں سے گر جاؤ۔

جب سلطان وقت تمہیں کوئی منصب عطا کرے تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے یا تمہارے مسلک سے علم و قضایا کے بارے میں مطمئن ہے تا کہ فیصلوں میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کی حاجت نہ ہو اور سلطان کے مقربین اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھنا، صرف سلطان وقت سے رابطہ رکھنا اور اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہنا تا کہ تمہارا وقار اور عزت برقرار رہے۔

عوام کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

عوام کے پوچھے گئے مسائل کے علاوہ ان سے بلاضرورت بات چیت نہ کیا کرو۔ عوام الناس اور تاجروں سے علمی باتوں کے علاوہ دوسری باتیں نہ کیا کرو تا کہ ان

کو تمہاری محبت اور رغبت میں مال کا لالچ نظر نہ آئے ورنہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کر لیں گے کہ تم ان سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو۔ عام لوگوں کے سامنے ہنسنے اور زیادہ مسکرانے سے باز رہو اور بازار میں بکثرت جایا نہ کرو، بے ریش لڑکوں سے زیادہ بات چیت نہ کیا کرو کہ وہ فتنہ ہیں، البتہ چھوٹے بچوں سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو۔

عام لوگوں اور بوڑھے لوگوں کے ساتھ شاہراہ پر نہ چلو، اس لئے کہ اگر تم ان کو آگے بڑھنے دو گے تو اس سے علم دین کی بے توقیری ظاہر ہوگی اور اگر تم ان سے آگے چلو گے تو یہ بات بھی معیوب ہوگی کہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بزرگوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

کسی راہگزر پر نہ بیٹھا کرو اور اگر بیٹھنے کا دل چاہے تو مسجد میں بیٹھا کرو۔ بازاروں اور مساجد میں کوئی چیز نہ کھایا کرو۔ پانی کی سبیل اور وہاں پانی پلانے والوں کے ہاتھ سے پانی نہ پیو۔ مخمل، زیور اور انواع واقسام کے ریشمی ملبوسات نہ پہنو کہ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے اور رعونت جھلکتی ہے۔

ازدواجی آداب:

اپنی فطری حاجت کے وقت بقدرِ ضرورت گفتگو کے سوا بستر پر اپنی بیوی سے زیادہ بات نہ کرو اور اس کے ساتھ کثرت سے لمس و مس اختیار نہ کرو اور جب بھی اس کے پاس جاؤ تو اللہ کے ذکر کے ساتھ جاؤ، اور اپنی بیوی سے دوسروں کی عورتوں کے بارے میں بات نہ کیا کرو کہ وہ تم سے بے تکلف ہو جائیں گی اور بہت ممکن ہے کہ جب

تم دوسری عورتوں کا ذکر کرو گے تو وہ تم سے دوسرے مردوں کے متعلق بات کریں گی۔
اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرو جس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہو اور باپ، ماں یا سابقہ خاوند سے لڑکی موجود ہو۔
نکاح کے بعد تم اس بات پر راضی نہ ہو جانا کہ تم شب زفاف سسرال میں گزارو گے ورنہ وہ لوگ تمہارا مال لے لیں گے اور اپنی بیٹی کے سلسلہ میں انتہائی لالچ سے کام لیں گے اور صاحب اولاد خاتون سے شادی نہ کرنا کہ وہ تمام مال اپنی اولاد کے لئے جمع کرے گی اور ان پر ہی خرچ کرے گی اس لئے کہ اس کو اپنی اولاد تمہاری اولاد سے زیادہ پیاری ہوگی۔ تم اپنی دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں نہ رکھنا، اور جب تک دو بیویوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی قدرت نہ ہو، دوسرا نکاح نہ کرنا۔
پہلے علم حاصل کرو پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو اور پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرو۔ علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے کی جدوجہد کرو گے تو تم حصول علم سے قاصر رہو گے، اور یہ مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا، اور تحصیل علم سے قبل ہی تمہیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کر دے گا، اس طرح تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا اور جب تمہارے اہل وعیال کی کثرت ہو جائے گی تو تمہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہو جائے گی اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے۔ اس لئے علم حاصل کرو اور آغاز شباب میں جبکہ تمہارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں پھر مال کمانے کا مشغلہ اختیار کرو تاکہ شادی سے قبل تمہارے پاس بقدر ضرورت مال ہو کہ اس کے بغیر اہل وعیال کی ضروریات دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں لہٰذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ہی ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہیے۔

معاشرتی آداب:

جب تم کسی ایسے شہر میں قیام کرو جس میں اہل علم بھی ہوں تو وہاں اپنی ذات کے لئے کسی امتیازی حیثیت کو اختیار نہ کرو بلکہ اس طرح رہو کہ گویا تم بھی ایک عام سے شہری ہو تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ تمہیں ان کی جاہ و منزلت سے کوئی سروکار نہیں ہے ورنہ اگر انہوں نے تم سے اپنی عزت کو خطرے میں محسوس کیا تو وہ سب تمہارے خلاف کام کریں گے اور تمہارے مسلک پر کیچڑ اچھالیں گے اور (ان کی شہ پر) عوام بھی تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور تمہیں بری نظر سے دیکھیں گے جس کی وجہ سے تم ان کی نظروں میں کسی قصور کے بغیر مجرم بن جاؤ گے۔

اگر وہ تم سے مسائل دریافت کریں تو ان سے مناظرہ یا جلسہ گاہوں میں بحث و تکرار سے باز رہو اور جوبات ان سے کرو، واضح دلیل کے ساتھ کیا کرو اور ان کے اساتذہ کو طعنہ نہ دو، ورنہ تمہارے اندر بھی کیڑے نکالیں گے۔ تمہیں چاہئے کہ لوگوں سے ہوشیار رہو اور اپنے باطنی احوال کو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا خالص بنالو جیسا کہ تمہارے ظاہری احوال ہیں۔ مجلس فکر و نظر میں ڈرتے ہوئے کلام مت کرو کیونکہ یہ خوفزدگی کلام میں اثر انداز ہوگی اور زبان کو ناکارہ بنادے گی۔

زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ چلنے کے دوران سکون و اطمینان سے چلو اور امور زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بنو اور جو تمہیں پیچھے سے آواز دے اس کی آواز کا جواب مت دو کہ پیچھے سے آواز چوپایوں کو دی جاتی ہے۔ اور گفتگو کے وقت نہ چیخو اور نہ ہی اپنی آواز کو زیادہ بلند کرو۔ سکون اور قلت حرکت کو اپنی عادات میں شامل کرو تا کہ لوگوں کو تمہاری ثابت قدمی کا یقین ہو جائے۔

لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کرلیں اور اپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کرلو جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اور صبر واستقامت کی دولت جو رب کریم نے تم کو بخشی ہے اور دیگر جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان پر اس کا شکر ادا کرو۔

اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھو اور دوسروں کے رویہ پر بھی نظر رکھو۔ بذات خود خرید وفروخت مت کرو بلکہ اس کے لئے ایک ایسا خدمت گار رکھو جو تمہاری ایسی حاجتوں کو بحسن وخوبی پورا کرے اور تم اس پر اپنے دنیاوی معاملات میں اعتماد کرو۔ اپنے دنیاوی معاملات اور خود کو درپیش صورتحال کے بارے میں بے فکر مت رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کرے گا۔

سلطان وقت سے اپنے خصوصی تعلق کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ تمہیں اس کا قرب حاصل ہو ورنہ لوگ تمہارے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں گے۔

غلط باتوں میں لوگوں کی پیروی نہ کرو بلکہ صحیح باتوں میں ان کی پیروی کرو۔

جب تم کسی شخص میں برائی دیکھو تو اس شخص کا تذکرہ اس برائی کے ساتھ نہ کرو بلکہ اس سے بھلائی کی امید رکھو، اور جب وہ بھلائی کرے تو اس کی اس بھلائی کا ذکر کرو۔

تم موت کو یاد رکھو اور اپنے ان اساتذہ کے لئے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، استغفار کیا کرو اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔ قبرستان، مشائخ اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کیا کرو۔ کھیل کود اور گالم گلوچ سے اجتناب کرو اور جب مؤذن اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرو۔

سلطان وقت کے قرب وجوار میں رہائش اختیار نہ کرو۔ اگر اپنے ہمسائے میں کوئی بری بات دیکھو تو پوشیدہ رکھو کہ یہ بھی امانت داری ہے اور لوگوں کے بھید ظاہر نہ

کرو اور جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس کو اپنے علم کے مطابق صحیح مشورہ دو کہ یہ بات تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے۔

بخل سے اجتناب کرو کہ اس کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ لالچی اور دروغ گو نہ بنو۔ حق و باطل (یا مذاق و سنجیدگی) کو آپس میں خلط ملط نہ کیا کرو بلکہ تمام امور میں اپنی غیرت و حمیت کی حفاظت کرو، اور ہر حال میں سفید لباس زیب تن کرو۔ اپنی طرف سے حرص سے دوری اور دنیا سے بے رغبتی ظاہر کرتے ہوئے دل کا غنی ہونا ظاہر کرو، اور اپنے آپ کو مال دار ظاہر کرو اور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ فی الواقع تم تنگ دست ہو۔

اور جب بھی کسی بڑے رتبہ والے کے پاس جاؤ تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا جب تک کہ وہ خود تمہیں بلند جگہ نہ عطا کر دیں تا کہ ان کی طرف سے تم کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ کسی قوم میں نماز کی امامت کے لئے پیش قدمی نہ کرو جب تک کہ وہ خود تمہیں از راہِ تعظیم مقدم نہ کریں، اور حمام میں دوپہر یا صبح کے وقت داخل نہ ہو اور سیر گاہوں میں بھی نہ جایا کرو۔ (کہ وہ عوام کی جگہیں ہیں)۔

علمی مجلس میں غصہ سے اجتناب کرو، اور عام لوگوں کو قصہ کہانیاں سنانے کا مشغلہ اختیار نہ کرو کہ قصہ گو کو جھوٹ بولے بغیر چارہ نہیں۔

باب ہفتم

اصحابِ امام

فقہ کی فضیلت، قرآن میں:

عقل و دانش اور فہم و فراست، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ قرآن و حدیث کے دلائل و براھین، احکام و تعلیمات اور اسرار و معارف سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مومن ان نعمتوں سے مالا مال ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ان فی ذلك لایت لقوم یعقلون.

''بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے''۔ (الروم:۲۴)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

ان فی ذلك لایت لقوم یتفکرون.

''بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے''۔ (الروم:۲۱)

مزید فرمایا گیا:

وتلك الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون.

''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں''۔ (الحشر:۲۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

قد فصلنا الایت لقوم یفقهون○

''بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کردیں سمجھ والوں کے لئے''۔(الانعام:۹۸)

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے بحرِ بیکراں سے تفقہ فی الدین کے انمول موتی حاصل کرنے کے لئے عقل وفہم کا ہونا ضروری ہے۔

''تم فرماؤ، کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان؟ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔(الزمر:۹)

گویا عقل وفہم والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور نصیحتوں کو مانتے ہیں۔قرآن حکیم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ کافر اور منافق، عقل وفہم اور تفقہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ سے محروم رہتے ہیں۔ارشاد ہوا:

فمال هولاء القوم لا یکادون یفقهون حدیثاo

''تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھتے ہی نہیں''۔(النساء:۷۸)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

بانهم قوم لایفقهونo

''اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے''۔(الانفال:۶۵، کنزالایمان)

مزید ارشاد ہوا:

لو کانوا یفقهونo

''کاش انہیں سمجھ ہوتی''۔(التوبۃ:۸۱)

ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ تفقہ یعنی دین کی سمجھ سے محروم ہونا عیب اور مذموم ہے اور قرآن میں ایسے لوگوں کو ملامت کی گئی ہے اس کے برخلاف احکام دین کا علم وفہم حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور رب کریم نے اسے نعمت قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوا:

ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔

''اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی دی گئی''۔(البقرۃ:۲۶۸)

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جہاں لفظ حکمت آیا ہے اس سے مراد علم فقہ ہے۔(مناقب للموفق:۳۸۴)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کے بہتر و افضل ہونے کی خوبی فقہ کو قرار دیا ہے۔اگر کوئی اور خوبی نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس سے بہتر ہوتی تو آپ اس کا ذکر فرماتے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک مومن کی بہترین خوبی اس کا فقہ کی صفت سے موصوف ہونا ہے اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے فقیہ ہونے کی دعا فرمائی۔

رسول کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اللھم فقھہ فی الدین۔

''اے اللہ اسے دین کا فقیہ بنا دے''۔(بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا:

فقیھہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔

''ایک فقیہ، شیطان پر ہزاروں عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے''۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ کتاب العلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تفقھو اقبل ان تسودوا۔

''سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو''۔(بخاری کتاب العلم)

سردار اور رہنما ہونے کے لئے دین کا عالم و فقیہ ہونا چاہئے تا کہ علم کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی کی جائے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال زوردار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ کچھ زمین عمدہ ہے جس نے پانی جذب کر لیا اور گھاس اور سبزیاں خوب اگائیں اور کچھ زمین سخت ہے جس نے پانی جمع کر لیا اور اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا، لوگوں نے پیا اور پلایا اور کھیتی سیراب کی، اور کچھ زمین ایسی ہے جو چٹیل ہے نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ سبزہ اگایا۔ یہی مثال اسکی ہے، من فقه فی دین الله و نفعه یعنی جس نے اللہ کی اس ہدایت کی طرف سر ہی نہ اٹھایا اور نہ ہی اسے قبول کیا۔“ (بخاری کتاب العلم)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دو فرض کا اور اضافہ کرتے ہیں، یعنی نیت اور ترتیب، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بجائے ان کے موالاۃ کو فرض کہتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وان كنتم مرضى او على سفر اوجاء احد منكم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا۔

”اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کسی شخص غائط سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمّم کر لو“۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمّم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں، امام

مالک وامام شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لئے نیا تیمّم کرنا چاہئے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمّم کی ہے اور جب ہر نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں۔ البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں ادا نہیں ہوسکتیں وہ تیمّم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو اور تیمّم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی، محض بے وجہ ہے۔

ایک اہم مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ چاروں ائمہ مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہی بار تین طلاق دے دے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی۔ ان میں صرف اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز ہے اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشروع ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حرام اور ممنوع ہے اور اس طرح طلاق دینے والا گناہگار ہے۔

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس آیت مبارکہ سے ہے:

الطلاق مرتان فامساكٌ بمعروف او تسريح باحسان۔

"یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے (یعنی رجعت کر لینا ہے) یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے"۔ (البقرۃ:۲۲۹)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف یہی شرعی طلاق کا طریقہ ہے یعنی ایک وقت میں ایک یا دو بار طلاق دی جا سکتی ہے۔ احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیل کرتے ہیں حالانکہ میں تمہارے درمیان ابھی موجود ہوں''۔ (نسائی، ج ۲:۱۸۱)

معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا گناہ ہے اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔ حضور ﷺ اس لئے ناراض ہوئے کہ اس شخص نے قرآن و سنت کے خلاف طریقے سے طلاق دے کر گناہ کا ارتکاب کیا۔

ضمناً یہ بات عرض کرنی ضروری ہے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آقا و مولیٰ ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

(ابوداؤد، ج ۱:۳۰۶)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

''جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہوں گی''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو تین طلاق ایک ساتھ دیتا، آپ اسے درے مارتے تھے۔ (نووی شرح مسلم کتاب الطلاق)

فقہ سمجھ بوجھ، شرعی اصطلاح میں قرآن حدیث کی روشنی میں زندگی کے مسائل کو جاننے اور حل کرنے کا نام فقہ ہے۔

العلم بالاحکام الشرعیہ عن ادلتھا التفصیلتہ۔ (نور الانوار)

''شرعی احکام کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننا فقہ ہے۔''

صحیح بخاری جلد اول میں حدیث ہے۔ یعنی حضور ﷺ نے تفقہ فی الدین کی دعا فرمائی۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل الخلاء فوضعت لہ وضوء اقال من وضع ہذا فاخبر فقال اللہم فقھہ فی الدین۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، میں نے آپ کے لئے پانی بھر کر رکھ دیا۔ جب آپ اندر گئے پوچھا یہ کس نے رکھا ہے تو بتایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ ابن عباس کو دین میں فقہ عطا فرما۔

یعنی فقہ اس کو ہی عطا کی جاتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کا گدا اور فقیر بن جائے کسی نے حضورؐ کے لئے پانی بھرا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہوا۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک اٹھائے تو فقیہ ہوا۔

خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے۔ وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو از بر یاد ہوتی اور جو ان کو حدیث یاد نہ ہوتی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔ (مقام ابوحنیفہ، بحوالہ تہذیب التہذیب)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کن صحابہ رضی اللہ عنہم کا علم حاصل کیا:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں عظمت اور دوسرے ائمہ سے ممتاز کرنے والی چیز دراصل امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا ہے، جس کا اظہار امام صاحب نے کئی بار کیا۔ ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام اعظم ابوجعفر منصور کے پاس آئے۔ اس وقت دربار میں منصور کی خدمت میں عیسیٰ بن موسیٰ بھی موجود تھے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

هذا عالم الدنيا اليوم۔

''یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں''۔

منصور نے سن کر امام صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ اے نعمان! آپ نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: میں نے حضرت فاروق اعظم، علی المرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا علم حاصل کیا۔ منصور نے کہا: آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔ (تاریخ بغداد)

شانِ فقہاء:

خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ محدثین کرام کی ایک جماعت تشریف فرما تھی کہ مردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے سوال کیا: ''حیض والی عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟'' امام یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، خلف بن سالم وغیرہ دیگر جید محدثین کرام (رحمہم اللہ) ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور کسی کو اس کے سوال کا جواب نہ آیا۔ اس دوران امام ابوثور رحمۃ اللہ علیہ جو محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد اور فقیہ بھی تھے، وہاں تشریف لے آئے۔

اس عورت نے اپنا مسئلہ ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، ہاں حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے، کیونکہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر پانی ڈال کر مانگ نکالتی تھیں۔ جب اس مخصوص حالت میں زندہ شخص کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردے کو غسل کیوں نہیں دیا جا سکتا؟

معروف محدث امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ایک دن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف

سوالات کرتے جاتے تھے اور آپ سوالات کے جوابات دیتے جاتے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب سے پوچھا، آپ کو اس قدر علوم کہاں سے حاصل ہوئے؟ آپ نے فرمایا، انہی احادیث سے جو آپ نے روایت کی ہیں، پھر آپ نے ان کی روایت کردہ احادیث سنا دیں۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے برملا فرمایا، اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ (مناقب للموفق:۱۶۳)

یعنی جس طرح کیمسٹ یعنی عطار اور پنساری طرح طرح کی دوائیں اور مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں اپنی دکان میں رکھتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کس بیماری کا علاج ہیں؟ ان کے خواص کیا ہیں؟ خوراک کی مقدار کیا ہے؟ وغیرہ۔ یہ سب باتیں تو ڈاکٹر اور حکیم ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح محدثین کرام سینکڑوں ہزاروں حدیثیں جمع کرتے ہیں مگر ان سے مسائل اخذ کرنے پر قادر نہیں ہوتے، جبکہ فقہاء کرام کو حدیثوں کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔

امام ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"محققین نے فرمایا ہے کہ رائے کا استعمال کئے بغیر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ رائے (عقل وفہم) ہی سے حدیث کے معانی سمجھ میں آتے ہیں جس پر احکام کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ کچھ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہئے خواہ بھول کر ہی ہو۔ اسی طرح جان بوجھ کر قے کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ روزہ معدے میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹنا چاہئے لیکن کسی شے کے باہر آنے سے نہیں ٹوٹنا چاہئے"۔

(الخیرات الحسان:۲۶۴)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا، اے معاذ! اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن وسنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کی: "اجتھد برای" میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے"۔ (ترمذی ج۱:۱۵۹، ابوداؤد ج۲:۱۴۹)

ایک عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض گزار ہوئی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا باپ بوڑھا ہے اور اس پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ حج کی ادائیگی پر قادر نہیں، کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اس کو ادا کر دے تو کیا تیری ادائیگی کافی ہوگی؟ اس نے عرض کی، ہاں۔ فرمایا، پھر اللہ کا قرض (یعنی والد کی طرف سے حج) بھی ادا ہو جائے گا۔ (نسائی، جلد دوم باب الحکم بالتشبیہ والتمثیل)

ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت سے مسائل بیان فرمائے اور پھر فرمایا، اگر تم میں سے کسی شخص کو کسی مسئلہ میں فیصلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن میں نہ ملے تو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن وسنت دونوں میں نہ ملے تو نیک لوگوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیصلے کے موافق فیصلہ کرے اور اگر وہ امر نہ قرآن میں ملے، نہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور نہ صالحین کے فیصلوں میں تو وہ شخص اپنی عقل سے کام لے اور اپنی رائے سے اجتہاد کرے"۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن نسائی جلد دوم کتاب ادب القضاۃ، باب الحکم باتفاق اھل العلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اگر قرآن

اور سنت رسول ﷺ میں ان کو اس مسئلہ کی وضاحت نہ ملتی تو آپ ارشاد فرماتے:

''میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر صحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ میری خطا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں''۔

(طبقات ابن سعد ج ۳:۱۳۶)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ برگزیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے اور جب وہ حضرات ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو آپ ﷺ اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔ (مسند دارمی ج ۱:۵۸، طبع دمشق)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ایسا ہی معمول تھا۔ آپ جب لوگوں کو فتویٰ دیتے تو ارشاد فرماتے:

''یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ میری خطا ہے''۔ (کتاب المیزان للشعرانی ج ۱:۴۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰:۱۱۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ (شرح فقہ اکبر لملا علی قاری: ۷۹ طبع کانپور)

حضرت عباس ابن عباس رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ کتاب و سنت کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے فیصلوں سے رہنمائی لیتے اور اگر کوئی دلیل نہ ملتی تو پھر اپنی رائے سے فتویٰ دیتے۔ (مسند دارمی ج ۱:۵۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰:۱۱۵)

اصولِ دین چار ہیں: ''قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی بصیرات:

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایسی متعدد مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ گورنر اور قاضی، جو دور دراز

علاقوں میں تھے یا تو خودلکھ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے تھے کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے اور ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ان گورنروں اور قاضیوں نے اپنی صوابدید اور اپنے فہم کے مطابق فیصلہ کر ڈالا''۔

(خطباتِ بہاولپور:۸۱)

دینی مسائل کی ترویج و اشاعت اور فتاویٰ دینے کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک طبقہ بہت نمایاں ہے جن کی فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

ان کے بعد صحابہ کرام کا دوسرا طبقہ ہے جن حضرات نے کثیر فتاویٰ دیئے لیکن اول الذکر کی بہ نسبت یہ تعداد کم رہی۔ان صاحب علم وفضل ،نفوس قدسیہ کی تعداد بیس شمار کی گئی ہے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت ام سلمہ، معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، اسعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، عبدالرحمٰن بن عوف، امیر معاویہ، عبادہ بن صامت، عمران بن حصین اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے:

''جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو''۔(صحیح بخاری)

تابعی امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سمٹ کر ان چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتساب فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے علم پر ختم ہو گیا''۔

امام شعبی فرماتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔'' (تاریخ بغداد، ج ۱۲: ۲۹۹)

آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے:

''میں کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے سوا کسی کو فقیہ نہیں جانتا''۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱: ۷۸)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد جب کوفہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد فقہ کا درس دے رہے ہیں اور چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہیں جن سے طلبہ ان کا درس لکھ رہے ہیں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا:

''اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے، وہ ان لوگوں کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑ گئے ہیں''۔ (مناقب للموفق: ۳۸۵)

ابو مطیع بلخی کہا کرتے تھے میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا آپ بتائیں، اگر آپ نے ایک رائے قائم کی اور اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رائے قائم کر

چکے ہیں، کیا آپ ان کی رائے کی وجہ سے اپنی رائے چھوڑ دیں گے، آپ نے فرمایا، ہاں، ہم اپنی رائے چھوڑ دیں گے۔ پھر میں نے دریافت کیا اگر آپ نے ایک رائے قائم کی ہے، پھر آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم ہوئی، کیا آپ اپنی رائے کو ان کی رائے کی وجہ سے چھوڑ دیں گے، آپ نے فرمایا، ہاں چھوڑ دوں گا اور اسی طرح حضرت عثمان، علی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء کی وجہ سے اپنی رائے کو چھوڑ دوں گا۔

فقہ کی ابتداء:

''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے، نماز کا بھی یہی حال تھا، یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقین نہیں کیا کرتے تھے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں، البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفتاء کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اس پر تحسین کی یا کس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتوے عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی

ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا، اب بحث پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز کے کتنے ارکان فرض وواجب ہیں؟ کتنے مسنون اور مستحب؟ اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیئے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی آراء کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لئے مسائل میں اختلاف آراء ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کرام کی مختلف آراء قائم ہوئیں۔

بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان کا عین واثر بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، حمل النظیر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصولوں کے طریقے یکساں نہ تھے اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانے میں احکام اور مسائل کا دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے"۔ (سیرۃ النعمان:۲۱۹)

"مدینہ کے فقہاء حضرت عائشہ، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے بعد تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے، وہ ان کو دوسرے مسائل کے لئے مبنیٰ قرار دیتے تھے۔ عراق کے فقہاء ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ اور قاضی شریح وغیرہ دیگر قاضیوں کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابراھیم نخعی نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعہ میں جمع کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مجموعہ تھا تاہم یہ مجموعے کتابوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی کہ مجتہد ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کرتا تھا"۔ (حیات امام ابوحنیفہ:۳۳۸) رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسائل کے استنباط کے قواعد وضع کیے جس کی وجہ سے فقہ، جو ابتدا میں جزئیات مسائل کا نام تھا، ایک مستقل فن بن گیا۔ بعد میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ نے مرتب، منظم اور کتابی شکل میں علم فقہ کی اشاعت کی۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ فرق مراتب کو بھی مجتہدین نے قبول کیا۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن واحادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قرأت، رکوع، سجود کا حکم ہے۔ احادیث میں ان کی تفصیل ہے:

مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورۃ فاتحہ۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا، بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

فاقرو اما تیسر من القرآن.

”جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔“

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورۃ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی۔ مگر احادیث میں ہے کہ:

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب.

اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو بہ اعتبار معنی حدِ شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے نماز نہیں ہوگی۔ فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرأت فرض اور خاص سورۃ

فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ واجب۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ کوفہ میں گزارا اور درس وتدریس کے ذریعہ اپنے کئی شاگردوں کو حدیث وفقہ کا ماہر بنادیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی مدت خلافت میں کوفہ ہی میں مقیم رہے اور آپ نے بھی کئی طالبان علم کو فیض یاب کیا۔ ان دونوں صحابہ کی وجہ سے ہی کوفہ کو ''فقہ کا دارالعلوم'' کہا گیا۔

چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اجتہاد وفتوے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے متاثر تھے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوفہ میں فقہ کی اساس حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے منقول فتاوی تھے جو آگے چل کر فقہ حنفی کی بنیاد بنے۔ ان فقہاء صحابہ کی تعلیمات کو حضرت علقمہ، حضرت اسود اور قاضی شریح وغیرہ نے کوفہ میں خوب پھیلایا۔ پھر ان سے حضرت ابراھیم نخعی نے اکتساب علم وفضل کر کے تمام علم حضرت حماد کو منتقل کیا جو امام اعظم ابوحنیفہ کے استاد تھے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث روایت کرتے وقت ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی مبادا وہ ایسی چیز بیان کر دیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو مگر اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں انہیں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو قلت روایت کی تلقین کرتے تھے، مبادا وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دروغ گوئی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ثقہ راوی بھی حدیث بیان کرتا تو اسے حلف دلاتے اور اس طرح ان کی روایت کا تزکیہ کرتے''۔ (حیات امام ابوحنیفہ:۵۰۶)

حضرت ابراھیم نخعی حدیث کی روایت میں ارسال کے عادی تھے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے سے ڈرتے تھے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے پر قال الصحابی کہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ سے کہا جاتا، کیا آپ کوئی حدیث

نبوی بیان نہیں کر سکتے؟ تو فرماتے:

''حدیث تو بیان کر سکتا ہوں مگر قال عمر، قال عبداللہ، قال علقمہ، قال اسود کہنے کو آسان تر اور پسندیدہ خیال کرتا ہوں''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیں ان کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے''۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ظاہری طریقے سے احادیث بیان کرنے کی بجائے مسائل کے استنباط کے لئے اجتہاد کرتے تھے چنانچہ آپ عہدِ نبوی ہی میں فقیہ اور مفتی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں،

''ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تمہیں کوئی چیز معلوم کرنا ہو تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ماہر قانون تھے اور صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چھوٹی چیز کے متعلق زحمت دینے کی بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور ان سے پوچھ لیتے۔ انہیں ایک طرح اجازت تھی کہ وہ چھوٹے موٹے مسائل میں فتویٰ دیں''۔ (خطباتِ بہاولپور:۷۹)

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ (فقہ الفقیہ:۳۴ بحوالہ ترمذی)

امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت ہو تو امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ملحوظ رکھنی چاہئے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں فقہ کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں اور ان تینوں میں بڑے فقیہ ہیں"۔ (الخیرات الحسان:۱۰۴)

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کیا کہتے ہیں میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث سے فتویٰ دیتا ہوں"۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے گا اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

لاصلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب او کما قال.

"سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔"

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:

واذ قری القرآن فاستعموا لہ وانصتو لعلکم ترحمون.

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش ہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔ (الاعراف:۲۰۴)

حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے اور خود بولے جائے وہ کیا سنے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز میں پڑھا جاتا ہے اور کچھ میں آہستہ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جاتا ہے۔ جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوگا۔ اس لئے نماز خواہ سری ہو خواہ جہری، امام جب قرأت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہرحال ضروری ہے، کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

امام اعظم کے تلامذہ:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ان کا شمار ناممکن ہے۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جتنے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہوئے اور علماء اور عوام کو کسی سے اس قدر فیض نہیں پہنچا جتنا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب سے۔ بعض متاخر محدثین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ان کے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو لکھی ہے اور ان کے نام ونسب بھی لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم اسے حذف کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان:۸۴)

حافظ ابوالمحاسن شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۱۸ لوگوں کے نام بقید نام ونسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقۂ درس سے مستفید ہوئے۔ (سیرۃ النعمان:۳۱۹)

1-امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا نام یعقوب اور کنیت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بصیرت و فراست سے آپ کی پیشانی پر علم وفضل کے آثار دیکھے اور پھر آپ کا علم حاصل کرنے کا شوق ملاحظہ کیا تو آپ کے اخراجات اپنے ذمے لے لئے۔ آپ نے علم فقہ وحدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی نیز اس زمانے میں کئی اکابر محدثین سے بھی استفادہ کیا۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضی، فقیہ، عالم اور حدیث کے حافظ تھے۔ حدیث حفظ کرنے میں مشہور تھے۔ آپ پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے اور پھر کھڑے ہو کر دوسروں کو لکھوا دیتے تھے۔ آپ کثیر الحدیث تھے۔ آپ تین عباسی خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے عہد میں قاضی القضاء یعنی چیف جسٹس

کے عہدے پر فائز رہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۵۱)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''میرے شاگردوں میں جس نے سب سے زیادہ علم حاصل کیا وہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں''۔

آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بیس کتابوں کے نام علامہ ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیے ہیں۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ نے چالیس گراں قدر کتب تصنیف کیں۔ (حیات ابوحنیفہ: ۳۵۱)

ایک موقع پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص شاگردوں کے متعلق فرمایا:

''یہ میرے ۱۳۶ اصحاب ہیں جن میں سے ۲۸ میں قاضی بننے کی پوری اہلیت ہے اور چھ افراد میں فتویٰ دینے کی صلاحیت ہے جبکہ میرے دو شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کو مہذب اور مؤدب بنائیں''۔

(حیات امام ابوحنیفہ: ۳۵۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے، جب کسی مسئلہ میں یہ تین حضرات متفق ہوں تو ان کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ پوچھا گیا، وہ تین حضرات کون ہیں؟ فرمایا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد ابن الحسن رحمۃ اللہ علیہ۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد کے اساتذہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نیز امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی یہ تینوں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہی کے شاگرد ہیں۔ (مناقب للموفق: ۵۰۴)

آپ کا وصال ۱۸۲ھ میں ہوا۔

2-امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ:

امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق اِس قدر تھا کہ والد کی میراث سے آپ کو تیس ہزار درہم ملے۔ نصف رقم علوم نحو، لغت اور ادب وغیرہ کی تحصیل پر خرچ کی اور بقایا نصف حدیث وفقہ کا علم حاصل کرنے میں خرچ کیئے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو خاص صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اسی بناء پر آپ نے صرف ایک ہفتہ میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ (تقدیم موطا امام محمد: ۱۷)

گمان یہ ہے کہ علم نحو اور عربی زبان وادب میں مہارت کے باعث آپ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کم عمری ہی میں اپنی مجلس کا رکن بنالیا تھا۔ بعدازاں آپ نے دو سال تک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے درس لیا پھر ان کے وصال کے بعد امام ابو یوسف، معسر بن کدام، سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس طرح آپ کم عمری ہی میں عالم وفقیہ بن گئے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل بن حماد کی روایت کے مطابق، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا حلقۂ درس کوفہ میں قائم ہو چکا تھا حالانکہ اس وقت وہ صرف بیس برس کے تھے۔ (مناقب للکردری، ج ۲: ۱۵۰)

آپ کے تلامذہ بیشمار ہیں جن میں امام شافعی، ابوحفص کبیر، محمد بن سماعہ، خلف بن ایوب، قاسم بن سلام، عیسیٰ بن ابان رحمہم اللہ تعالیٰ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے نوسو سے زیادہ دینی کتب تصنیف فرمائیں۔

آپ ہی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی تربیت فرمائی جس کے باعث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ

"علم فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے"۔

ایک اور ارشاد ہے:

''میں نے ان سے زیادہ فصیح کوئی نہیں پایا، وہ جب گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا قرآن انہی کی لغت میں نازل ہوا ہے''۔

(تاریخ بغداد، ج ۲: ۱۷۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ

''میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی قرآن مجید کا عالم نہیں دیکھا''۔ (الجواہر المضیہ)

ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، کہ آپ ایسے دقیق مسائل کہاں سے بیان فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، یہ سب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا فیض ہے۔ (تاریخ بغدا، ج ۲: ۱۷۷)

خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو ''رَقہ'' کا قاضی مقرر کیا۔ آپ قاضی مقرر ہوئے اور کچھ مدت بعد بغداد چلے گئے۔ ۱۸۹ھ میں وصال ہوا۔

ایک بار خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ کی آمد ہوئی۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے لیکن آپ کھڑے نہ ہوئے۔ خلیفہ نے آپ کو خلوت میں بلا کر سبب پوچھا، تو آپ نے فرمایا، آپ نے مجھے علماء کی صف میں شامل کیا ہے اس لئے میں نے آپ کے خادموں کی صف میں شامل ہونا پسند نہ کیا۔ (سوانح: ۱۶۶)

3- امام زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۱۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بہت محبوب و معتمد شاگرد ہیں۔ امام صاحب کی مجلس میں سب سے آگے بیٹھتے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہر موقع پر آپ کی تعظیم اور مدح و ثنا فرماتے۔ آپ کو حدیث میں امامت اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں چار لوگ فقہ کے ایسے حافظ تھے

جیسے قرآن کے حافظ ہوا کرتے ہیں۔ زفر، ابویوسف، اسد بن عمرو، علی بن مسہر رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (اخبار ابی حنیفہ:۶۶)

ایک شخص امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا، اہل عراق کے سردار، پھر پوچھا، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کیا رائے ہے؟ فرمایا، وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اس نے پھر پوچھا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا، وہ تعریفات میں سب پر فائز ہیں۔ وہ بولا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمائیے، فرمایا: ''وہ قیاس واجتہاد میں سب سے زیادہ تیز ہیں''۔

(حیات امام ابوحنیفہ:۴۸۴)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نکاح پڑھایا تو خطبہ کے دوران فرمایا:

''اے حاضرین! یہ زفر ہیں جو مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام اور شرافت وعلمیت کے لحاظ سے مسلمانوں کی عظمت کا ایک نشان ہیں''۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ زہد وتقویٰ میں بھی بے مثال تھے۔ دو مرتبہ حکومت نے آپ کو قاضی بننے پر مجبور کیا مگر دونوں مرتبہ آپ نے اپنے استاد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح انکار کر دیا اور گھر چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ غصہ کے باعث دونوں بار حکومت نے آپ کا مکان گرا دیا، چنانچہ آپ کو دو مرتبہ اپنا مکان تعمیر کرنا پڑا۔

علوم القرآن، معرفت حدیث اور فن رجال کے علاوہ قیاس واستنباط میں آپ کی حد درجہ مہارت کے باعث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ آپ کو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح دیتے تھے۔ دیگر اصحاب کے مقابلے میں کم عمری میں آپ کا انتقال ہو گیا اس لئے آپ تصنیف وتالیف کا کام نہیں کر سکے۔ آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کی جگہ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(اولیاء رجال الحدیث ۱۲۷)

4-امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ:

چالیس اراکین شوریٰ کے علاوہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر اصحاب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔آپ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ جب بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں حاضری دیتے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آپ سے استفادہ کرتے۔یہ بھی پہلے بیان کیا گیا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا کی تصنیف میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے استفادہ کیا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اکثر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کو بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ کے اقوال کی تلاش میں رہتے تھے۔اسحاق بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسائل دینیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے۔

(مناقب للموفق ۳۲۴)

محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہے تھے جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو آگے کر دیا۔(ایضاً ۳۲۵)

ایک مرتبہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی گفتگو شروع ہوئی۔راوی کہتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بات کرتے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ادب اور خاموشی سے سنتے اور اس پر اعتراض نہ کرتے اور جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بات کرتے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ خاموشی سے سنتے۔اس طرح یہ سلسلہ فجر کی اذان تک جاری رہا۔(ایضاً:۴۱۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ابن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو حجازیوں کا علم نیست و نابود ہو جاتا۔

بعض لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ماننے کی بجائے ان کا

استاد قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت حدیث ثابت ہے مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ثابت نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت نہیں اور دارقطنی نے جو روایتیں ذکر ہیں وہ محلِ نظر ہیں کیونکہ وہ بطور مذاکرہ تھیں نہ کہ تحدیث بالقصد روایت۔ (انوار الباری ج ۱: ۵۴)

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ آپ ایک بار حج کے ایام کے سوا ساری عمر مدینہ منورہ میں رہے مگر زمانۂ بیماری کے سوا کبھی شہر مدینہ میں قضائے حاجت نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ حرم سے باہر تشریف لے جاتے۔ آپ مدینہ منورہ میں کبھی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری کے جانور کے سموں سے اس زمین کو روندوں جس کے چپے چپے کو میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے"۔

5-امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں ایک اہم نام امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ کا آتا ہے جو عظیم محدث تھے۔ آپ پہلے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حسد کرتے اور آپ کی غیبت بھی کرتے۔ ایک بار امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ کا زہد و تقویٰ دیکھ کر سخت نادم ہوئے۔ چنانچہ توبہ کر کے آپ کی صحبت اختیار کر لی یہاں تک کہ آپ ہی کی مسجد میں حالت سجدہ میں انتقال کیا۔

سلیم بن سالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہم امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم ان سے سوال کرتے تو وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے بات شروع کرتے۔ ایک شخص نے کہا، ہم آپ سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوچھتے ہیں تو

آپ بدعتیوں کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ امام مسعر رحمۃ اللہ علیہ اس شخص سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا، تمہاری اس بیہودہ بات کا جواب صرف یہ ہے کہ تم میری مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ، تمہیں معلوم نہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا چھوٹا سا شاگرد حج کے ایام میں خانہ کعبہ کے پاس کھڑا ہو جائے تو ساری دنیا کے علماء اسے سنتے رہیں۔ آپ نے دعا مانگی، ''اے اللہ! میں تیرا قرب چاہتا ہوں اور اس کے لئے امام ابوحنیفہ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں''۔ (ایضا: ۴۱۸)

جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے تو امام مسعر رحمۃ اللہ علیہ تعظیم میں کھڑے ہو جاتے اور جب ان کے سامنے بیٹھتے تو دوزانو ہو کر بیٹھتے اور آپ کی رائے رد نہ کرتے۔

6-امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں آپ کو ''زاہدوں کا سردار، اوتاد کا پیش رو اور اہل طریقت و شریعت کا امام'' فرمایا ہے۔ آپ علم حدیث میں اس قدر بلند مقام کے حامل تھے کہ محدثین آپ کو امیر المومنین فی الحدیث'' کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہ اور اس کی ذیلی بارہ رکنی خصوصی کمیٹی کے بھی رکن تھے۔ آپ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی پر آپ کو اس قدر فخر تھا کہ آپ اعلانیہ فرماتے:

> ''اگر اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں جیسا ہوتا''۔

آپ ہی کا ایک اور ارشاد گرامی ہے:

> ''کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام اعظم

پہنچ سکا"۔ (مناقب للموفق: ۳۴۰)

9-امام یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ:

حافظ حدیث، امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کو امام المحدثین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ بن معین، قتیبہ اور علی بن المدینی کے بھی استاد ہیں۔ آپ کے متعلق امام بخاری کے استاد، امام علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے: "یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم ختم ہوگیا"۔ (میزان الاعتدال ترجمہ یحییٰ)

یہ امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ خود اتنے بڑے عالم تھے کہ ان کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"میں نے علی بن المدینی کے سوا کسی کے سامنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھا"۔ (تذکرے الحفاظ ج ۲:۱۶)

گویا امام بخاری جن کے سامنے خود کو چھوٹا سمجھتے تھے وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد امام یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق گواہی دیتے ہیں کہ ان پر علم کا خاتمہ ہوگیا۔ اب آپ فیصلہ کیجئے کہ جس کے شاگرد کا یہ مقام ہے اس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا کس قدر اعلیٰ مقام و مرتبہ ہوگا؟

10-امام یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ:

آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے اہم رکن تھے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین جیسے بڑے بڑے ائمہ حدیث آپ کے شاگرد تھے۔

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بے شمار لوگوں سے ملا ہوں مگر میں نے کسی کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر عاقل، فاضل اور پرہیزگار نہیں پایا۔

(تبییض الصحیفہ: ۲۵)

یہ نصیحت آپ کے دل پر اثر کر گئی اور آپ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ و حدیث کا علم سیکھنا شروع کیا یہاں تک کے ان علوم کی امامت کے مقام پر فائز ہوئے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراھیم (المتوفی ۲۱۵ھ) امام احمد بن حنبل، امام یحیٰی بن معین اور امام بخاری رحمہم اللہ کے بھی استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔

امام اعظم ائمہ دین کی نظر میں

امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ:

❀ آپ ایک ملاقات میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو سے خوش ہوئے، ان کی پیشانی کو چوما اور انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ (مناقب للموفق:۱۲۶)

❀ دوسرے موقع پر فرمایا، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی اور روحانی علوم کے ذخائر ہیں۔ (ایضا:۱۹۲)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:

❀ اے ابوحنیفہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے نانا جان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ کرو گے..... تمہاری رہنمائی سے لوگوں کو صحیح راستہ ملے گا، تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق حاصل ہوگی کہ زمانے بھر کے [illegible] تمہاری وجہ سے صحیح مسلک اختیار کریں گے۔ (مناقب للموفق:۵۴)

❀ ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو آپ نے اٹھ کر امام صاحب کو گلے لگایا، ان کی خیریت پوچھی اور بڑی عزت سے بٹھایا۔

جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر چلے گئے تو کسی نے پوچھا، آپ انہیں جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، احمق ہو؟ میں ان کی خیریت پوچھ رہا ہوں اور تم پوچھ رہے ہو کہ میں انہیں جانتا ہوں یا نہیں۔ یاد رکھو! یہ شخص اپنے ملک کا بہت بڑا فقیہ ہے۔ (ایضاً:۳۲۶)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایسے ذہین عالم تھے کہ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے کے یہ ستون سونے کا بنا ہوا ہے تو وہ دلائل سے ثابت کر سکتے تھے کہ یہ واقعی سونے کا ہے۔ وہ فقہ میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ (مناقب للموفق:۳۱۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

❀ کسی ماں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر عقل وشعور والا بیٹا نہیں جنا۔ (ایضاً:۱۹۳)

❀ جو شخص دین کی سمجھ حاصل کرنا چاہے اسے چاہئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں سے فقہ سیکھے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بچے ہیں۔ (ایضاً:۳۲۲)

❀ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محتاج ہیں، میں نے ان سے زائد فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ جس نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں غور و فکر نہ کی، نہ وہ علم میں ماہر ہو سکتا ہے اور نہ ہی فقیہ بن سکتا ہے۔ (الخیرات الحسان:۱۰۳)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

❀ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر رحم فرمائے، وہ بے پناہ پرہیزگار تھے۔ انہیں منصب قضاۃ قبول نہ کرنے پر حکمرانوں نے کوڑے لگائے مگر وہ صبرو

استقلال کے ساتھ انکار کرتے رہے۔ (ایضاً: ۲۱۵)

❀ وہ علم، ورع، زہد اور آخرت کو اپنانے میں سب سے آگے ہیں۔ ان کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ: ۲۷)

امام موسیٰ کاظم علیہ رحمۃ اللہ:

❀ آپ نے جب پہلی مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو فرمایا، کیا تم ابوحنیفہ ہو؟ عرض کی، جی ہاں! آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ فرمایا، قرآن مجید میں ہے:
''ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے''۔ (الفتح: ۲۸)
اس آیت کی روشنی میں آپ کو پہچان لیا۔'' (مناقب للموفق: ۲۶۷)

امام سفیان ثوری علیہ رحمۃ اللہ:

❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت وہی کر سکتا ہے جو علم و فضل اور قدر و منزلت میں ان سے بلند تر ہو، اور ایسا شخص ملنا مشکل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۲)

❀ محمد بن بشر کہتے ہیں، میں سفیان ثوری کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے۔ فرمایا، یقیناً تم ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہو جو روئے زمین پر سب سے بڑا فقیہ ہے۔ (تبییض الصحیفہ: ۲۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ رحمۃ اللہ:

❀ کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو زیبا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ میری رائے ہے۔ (تبییض الصحیفہ: ۲۰)

❀ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ میں نے فقہ کو ان کی

مثل کسی کو نہیں دیکھا۔(ایضاً:۲۰)

❀ اگر اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری کے ذریعے میری مدد نہ فرماتا تو میں عام لوگوں کی مانند ہوتا۔(ایضاً:۱۹)

حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ:

❀ کوفہ کی دو چیزوں سے ساری دنیا نے فیض پایا ہے۔وہ ہیں غمزہ کی قرأت اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ۔(ایضاً:۳۲۳)

حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔

(تبییض الصحیفہ:۲۱)

یحیٰی بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ:

❀ خدا ہم سے جھوٹ نہ بلوائے، ہم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر رائے کسی کی نہیں پائی اور ہم نے ان کے بہت سے اقوال کو اختیار کیا ہے۔

(ایضاً:۲۱)

❀ میں عمر بھر فقہی مسائل میں لوگوں پر چھایا رہا لیکن جب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملا تو یوں محسوس ہوا کہ میں ان کے سامنے کچھ بھی نہیں، وہ فقہ کے بلند ترین مقام پر ہیں۔(مناقب للموفق:۳۴۰)

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مشکل سے مشکل تر مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

حضرت یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ:

❀ کسی نے آپ سے پوچھا، سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابوحنیفہ؟ فرمایا، سفیان ثوری حافظ حدیث ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے فقیہ۔

(تبییض الصحیفہ: ۱۹)

❀ میں نے بہت سے علماء دیکھے مگر کسی کو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عقلمند، افضل اور متقی نہیں پایا۔ (ایضاً: ۲۵)

❀ میں نے ان کے جتنے ہم عصر دیکھے سب کو یہی کہتے سنا کہ انہوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (اخبار ابی حنیفہ: ۳۶)

❀ آپ سے پوچھا گیا، امام مالک کی رائے زیادہ پسندیدہ ہے یا امام ابوحنیفہ کی؟ فرمایا، احادیث تو امام مالک سے لکھ لیا کرو لیکن جب حدیث کی تفسیر فقہ کی روشنی میں سمجھنی ہو تو پھر امام اعظم ابوحنیفہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

(مناقب للموفق: ۳۶۴)

حضرت حسن بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ:

❀ حضور ﷺ کی حدیث لاتقوم الساعة حتی یظھر العلم (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک علم خوب ظاہر نہ ہو جائے) کی تفسیر یہ ہے کہ جب تک امام ابوحنیفہ کے علم کی تشہیر نہ ہو جائے، قیامت نہیں آئے گی۔ (مناقب للموفق: ۳۹۵)

حضرت حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ:

❀ میں نے مسائل فقہ میں ان سے زیادہ بلیغ گفتگو کرنے والا کسی کو نہ پایا اور نہ ان سے بڑھ کر مختصر کسی کا جواب دیکھا۔ بلاشبہ یہ اپنے زمانے کے متکلمین کے سردار ہیں۔ جو کوئی ان کی بدگوئی کرتا ہے وہ حسد ہی کے باعث کرتا ہے۔

(تبییض الصحیفہ: ۳۱)

حضرت علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ:

❀ اگر نصف دنیا والوں کی عقل ایک پلہ میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقل ترازوں کے دوسرے پلے میں رکھی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقل زیادہ وزنی ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱:۳۵)

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام اعظم کے وصال کی خبر سن کر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آج عالم اسلام سے علم چلا گیا۔ فقہ کا آفتاب غروب ہو گیا۔ (ایضاً:۴۲۳)

❀ بیشک وہ فقیہ ہیں، بیشک وہ فقیہ ہیں، بیشک وہ فقیہ ہیں۔ (الخیرات الحسان:۱۰۸)

حضرت ابوعاصم رحمۃ اللہ علیہ:

❀ آپ سے پوچھا گیا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے فقیہ ہیں یا سفیان ثوری؟ فرمایا، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد اور غلام بھی سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ ہے۔

(مناقب للموفق:۳۲۰)

❀ خدا کی قسم! وہ میرے نزدیک ابن جریج سے بھی زیادہ فقیہ ہیں، میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ فقہ پر قادر نہ پایا۔ (الخیرات:۱۱۵)

حضرت وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ:

❀ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر کوئی عابد و متقی دیکھا ہے۔ (مناقب للموفق:۳۲۲)

❀ میں جتنے لوگوں سے ملا ہوں، ان میں مجھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلے بھاری نظر آئے ہیں۔ (ایضاً:۳۶۷)

حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مجھے تعجب ہوتا ہے کہ رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے رہتے ہیں اور دن بھر لوگوں کی مشکلات حل کرنے میں اور حدیث سکھانے میں مشغول رہتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے فقیہ ہی نہیں بلکہ فقہاء کے امام تھے۔تقویٰ اور ورع میں آپ بے مثال تھے۔اپنے مال کے ذریعے غریبوں کی مدد کرتے، جو سائل آتا اسے خالی نہ جانے دیتے۔شب و روز عبادت میں اور علم سکھانے میں مصروف رہتے۔کم گو اور خاموش طبع تھے۔حلال وحرام کے مسائل پر تفصیل سے گفتگو فرماتے اور بادشاہ اور امراء کے مال سے دور رہتے تھے۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ:

❀ اے فقہائے اسلام! آپ لوگ عطار ہیں اور ہم دوافروش مگر اے ابوحنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لئے۔

❀ اگر علم فقہ صرف طلب اور ملاقات سے حاصل ہوتا تو میں آپ سے زیادہ فقیہ ہوتا لیکن فقہ تو اللہ کی عطا ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ:

❀ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔کوفہ میں دو لوگوں سے حسد کیا جاتا ہے، امام اعظم سے ان کے فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح سے زہد و عبادت کی وجہ سے۔

❀ جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امام ابوحنیفہ کو ڈال دیا، مجھے امید ہے اس کو کوئی ڈر نہ ہوگا اور اسے زائد احتیاط کی حاجت باقی نہ رہے گی۔ (الخیرات: ۱۱۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ:

❀ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قضاۃ العلماء پایا یعنی وہ تمام محدثین اور فقہاء کے امام یا چیف جسٹس تھے۔ اگر کوئی شخص تمہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بات کرتا ہوا ملے تو اس کی فضول باتوں کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دو۔ (ایضاً: ۳۴۱)

حضرت خارجہ بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ:

❀ میں اپنی زندگی میں ہزاروں علماء و فقہاء سے ملا ہوں مگر ان میں مجھے صرف تین چار حضرات صاحب علم و بصیرت ملے۔ ان سب میں بلند پایا یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کے سامنے تمام فقیہانِ علم طفل مکتب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کا علم، فقہی بصیرت، زہد و تقویٰ سب پر حاوی تھا۔

حضرت ابراہیم بن رستم رحمۃ اللہ علیہ:

❀ جس کو اپنی زندگی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم حاصل نہیں ہوا، میرے نزدیک وہ جاہل ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۴۶)

حضرت یزید بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ:

❀ آپ سے پوچھا گیا، ایک عالم کب فتویٰ دینے کے قابل ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا صاحب علم و بصیرت ہو جائے۔ عرض کی گئی، یہ تو ممکن نہیں۔ فرمایا، پھر ان کی کتابیں یاد کرے، ان پر گہری نظر رکھے اور ہر مسئلہ میں ان سے رہنمائی حاصل کرے۔ (ایضاً: ۳۴۴)

حضرت محمد بن میمون رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ان سے زائد عالم، متقی، زاہد، عارف اور فقیہ کوئی نہ تھا۔ خدا کی قسم! مجھ کو ان سے علمی باتیں سننے کی بجائے کوئی شخص اگر ایک لاکھ دینار بھی دیتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی۔ (الخیرات الحسان:۱۱۴)

حضرت ابراہیم بن فیروز رحمۃ اللہ علیہ:

❀ میرے والد نے بتایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد حرام میں بیٹھے دیکھا، آپ کے اردگرد مشرق ومغرب کے علماء حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ آپ انہیں فتویٰ جاری کر رہے تھے حالانکہ حرمین شریفین میں بڑے بڑے علماء وفقہاء موجود تھے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ سب کے لئے معتبر تھا۔ (مناقب للموفق:۳۵۴)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ:

❀ جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے، اسی یقین کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہم نشین اور ساتھی ہیں۔ (سیرۃ النعمان:۵۱)

حضرت محمد بن المروزی رحمۃ اللہ علیہ:

❀ اللہ تعالیٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر رحمت فرمائے، ان کی زبان جب کھلتی ہے، حق بولتی ہے۔ (ایضاً:۳٦٨)

حضرت ابن زیاد حسن رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ کا ایسا سمندر تھے جس کا کنارہ نہ تھا اور جس کی گہرائی

کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضا: ۳۳۸)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ:

❀ میرا تمام علم فقہ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم فقہ کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے دریائے فرات کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی نہر ہو...... میں نے احادیث کی تفسیر کرنے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

(مناقب للموفق: ۳۴۷)

❀ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلاف کے جانشیں تھے، خدا کی قسم! انہوں نے روئے زمین پر اپنے جیسا عالم وفقیہ نہیں چھوڑا۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۱)

حضرت شداد بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ:

❀ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کی شکل میں انعامات نہ فرماتا تو ہم عملی طور پر مفلس اور محروم رہ جاتے۔ نہ ہم احادیث کو سمجھ پاتے اور نہ دین کے مسائل سے صحیح واقف ہوتے۔ (ایضا: ۳۶۰)

امام سیدی علی خواص شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم انتہائی دقیق ہیں، انہیں صرف بلند مرتبہ اہل کشف اولیاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱: ۱۲۳)

ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے ہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ردو قبول میں ان پر اعتبار

کیا جاتا ہے۔(مقدمہ:۴۴۵)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ:

❀ وہ امام ہیں، عراق کے فقیہ، اسلام کے اماموں میں سے اور بڑی شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔(البدایہ والنہایہ، ج۱۰:۱۰۷)

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ:

❀ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عابد وزاہد اور عارف باللہ تھے۔آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور اپنے علم سے صرف اس کی رضا چاہتے تھے۔(احیاء العلوم ج۱:۹۸)

امام شعرانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

❀ تم علم کے بغیر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں بدگوئی کرنے والوں سے بچو ورنہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھاؤ گے کیونکہ امام اعظم قرآن وحدیث کے پابند تھے اور رائے سے بیزار تھے۔جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تحقیق کرے گا وہ اسے سب سے زیادہ احتیاط والا پائے گا اور جو اس کے سوا کچھ اور کہے، وہ جاہل ہے۔(کتاب المیزان الشریعۃ الکبریٰ، ج۱:۶۳)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ:

❀ اماموں کے امام، اہلسنت کے پیشوا، فقہاء کا شرف اور علماء کی عزت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ مجاہدہ وعبادت میں ثابت قدم بزرگ تھے اور تصوف وطریقت میں بھی بڑی شان کے مالک تھے۔(کشف المحجوب:۱۶۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور فقہ حنفی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے:

"تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھو"۔ (بخاری)

آقا و مولیٰ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے شریعت اخذ کر کے ہم تک پہنچانے کا فریضہ ائمہ اربعہ نے انجام دیا جن میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سب سے اول ہیں کیونکہ آپ تابعی ہیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔ آپ نے 26 صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلاواسطہ احادیث سنی ہیں۔

❀ حضرت عبدالجبار بن وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر بلند کرتے کہ آپ کے ہاتھوں کے انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے مقابل ہو جاتے۔

(نسائی ج ۱ ص ۱۰۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۴، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۵)

❀ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تم نماز ادا کرو تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر کرو اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ ہاتھوں کو سینے کے برابر کریں۔ (نمازِ حبیب کبریا: ۷۹ بحوالہ معجم طبرانی کبیر ج ۲۲: ۱۸)

نماز میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھیں:

❀ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سنت ہے کہ نماز میں ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(ابوداؤد مطبوعہ مصر، ج ۱: ۴۸۰، مسند احمد ج ۱: ۱۱۰، سنن دار قطنی، ج ۱: ۲۸۶، سنن الکبریٰ، ج ۲: ۳۱، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱: ۳۹۱، زجاجۃ ج ۱: ۵۸۴)

❀ حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔ (مصنف ابن شیبہ، ج ۱: ۳۹۰، زجاجۃ المصابیح، ج ۱: ۵۸۴)

❀ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ میں آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دیکھوں گا کہ وہ کس طرح نماز ادا فرماتے ہیں۔
چنانچہ میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تکبیر کہہ کر اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا پھر آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھا کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے جوڑ کر پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ کی باقی تین انگلیاں کلائی پر تھیں۔

امام کے پیچھے قرأت کرنا منع اور نا جائز ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:
''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم ہو''۔ (الاعراف:۲۰۴)

❀ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے''۔

❀ ''جمہور صحابہ و تابعین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ نماز سے متعلق ہے یعنی مقتدی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرے''۔ (تفسیر مدارک التنزیل، زجاجۃ المصابیح باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم نے فرمایا، یہ حدیث ہے۔
(صحیح مسلم، ج۱:۱۷۴)

❀ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھائی اور فرمایا، جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (صحیح مسلم، ج۱:۱۷۴)

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (یہ حدیث ہے)

(زجاجۃ المصابیح، ج ۱: ۲۲۸، ابوداؤد، ج ۱: ۸۹، نسائی، ج ۱: ۹۳، ابن ماجہ، ۶۳، مسند احمد ج ۲: ۳۷۶)

❀ امام بخاری کے اساتذ الاستاذ امام عبدالرزاق (م ۲۲۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (مصنف امام عبدالرزاق، ج ۲: ۱۳۹)

❀ مشہور کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں قرأت نہ کی جائے (خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری)۔

(صحیح مسلم، ج ۱: ۲۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱: ۳۷۶)

❀ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب تم امام کے پیچھے نماز پڑھو تو تمہیں امام کی قرأت کافی ہے اور جب اکیلے نماز پڑھو تو قرأت کرو۔

(موطا امام مالک باب ترک القرأۃ خلف الامام: ۶۸، موطا امام محمد: ۹۴)

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

(مسند امام اعظم: ۱۰۲، ابن ماجہ: ۶۱، سنن دار قطنی، ج ۱: ۳۲۴، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۲: ۱۵۹، مصنف عبدالرزاق، ج ۲: ۱۳۶)

امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا سنت ہے:

فرمان الٰہی ہے، ادعوا ربکم تضرعا و خفیه.

''اپنے رب سے دعا کرو گڑ گڑاتے (عاجزی سے) اور آہستہ''۔

(الاعراف: ۵۵، کنز الایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ دعا آہستہ آواز میں مستحب ہے۔ آمین کے معنی ہیں

''اے اللہ! اسے قبول فرما''۔ پس آمین دعا ہے اور اسے آہستہ ہی کہنا چاہئے۔

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ فرشتوں کا آمین کہنا آہستہ ہے اس لئے موافقت کی یہی صورت ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے۔ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

❀ حضرت علقمہ وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آہستہ آواز میں آمین کہی۔ (جامع ترمذی ابواب الصلوٰۃ، جلد ا: ۶۳)

❀ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، امام کو چار چیزیں آہستہ کہنی چاہئیں۔ ثناء (سبحانک اللّٰھم)، تعوذ (اعوذ باللہ)، تسمیہ (بسم اللہ) اور آمین۔

(مصنف امام عبدالرزاق ج ۲: ۸۷)

❀ حضرت ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، امام چار چیزیں آہستہ کہے، ثناء، تعوذ، تسمیہ اور آمین۔ امام محمد حسن نے فرمایا، یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار: ۱۶، مصنف عبدالرزاق، ج ۲: ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲: ۵۳۶)

نماز میں رفع یدین جائز نہیں، منسوخ ہے:

❀ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''میں دیکھتا ہوں کہ تم نماز کے دوران رفع یدین کرتے ہو جیسے سرکش گھوڑے اپنی دمیں ہلاتے ہیں، نماز سکون سے ادا کیا کرو''۔

(صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ، ج ۱: ۱۸۱، سنن نسائی، ج ۱: ۱۷۶)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا میں تمہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے۔

(سنن ابوداؤد، ج۱:۱۰۹، سنن نسائی، ج۱:۱۱۹، شرح معانی الآثار ج۱:۱۳۲، مصنف امام عبدالرزاق ج۲:۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱:۲۳۶)

امام ترمذی فرماتے ہیں:

''یہ حدیث حسن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ اور تابعین کرام اسی کے قائل ہیں''۔ (جامع ترمذی، ج۱:۶۴)

❀ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، ان میں سے کسی نے بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کیا۔ (سنن دار قطنی ج۱:۲۹۵، سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲:۸۰)

❀ امام بخاری کے استاد امام ابوبکر ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱:۲۳۶، سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲:۸۰)

❀ امام طحاوی نے فرمایا، یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا (جس کا ذکر بخاری و مسلم میں ہے) پھر خود انہوں نے رفع یدین ترک کر دیا کیونکہ وہ منسوخ ہو گیا تھا۔

(شرح معانی الآثار ج۱:۱۳۳، زجاجۃ ج۱:۵۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱:۲۳۷)

پھر آپ سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو زمین پر بچھائے بغیر رکھتے اور ان کو پہلوؤں سے نہ ملاتے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھتے۔ آپ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے۔

(صحیح بخاری جلد اول باب سنۃ الجلوس فی التشھد)

❀ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے، ان کا حسن اور طوالت نہ پوچھو پھر آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے پھر آپ تین رکعت وتر ادا فرماتے۔

(بخاری کتاب الہند ج ۱:۱۵۴، مسلم ج ۱:۲۵۴)

❀ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دو دو رکعت کر کے چھ رکعت (تہجد) پڑھی اور اس کے بعد آپ نے تین رکعت وتر ادا کیے۔ (صحیح مسلم، ج ۱:۲۶۱)

❀ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا، اہل علم صحابہ وتابعین کرام کا یہی مذہب ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الوتر ج ۱:۱۱۰، زجاجۃ المصابیح باب الوتر ج ۲:۲۶۳)

❀ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے اور تینوں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

(سنن نسائی، ج ۱:۱۷۵)

❀ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح ادا کرتے تھے۔ ان دونوں احادیث کی اسناد صحیح ہیں۔ (سنن الکبریٰ ج ۲:۴۹۶، مصنف عبدالرزاق ج ۴:۲۶۱)

❀ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت تراویح اور نماز وتر ادا فرماتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲:۳۹۴، زجاجۃ المصابیح ج ۲:۳۰۷)

نماز جنازہ میں قرأت جائز نہیں:

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ یا کوئی اور سورت بطور قرأت جائز نہیں، اس اثناء میں درود اور دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ اگر سورۃ فاتحہ بطور حمد وثناء پڑھے تو حرج نہیں۔

❀ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔

(موطا امام مالک: ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳: ۲۹۹)

❀ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ نماز جنازہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا ہے اور پھر میت کے لئے دعا مانگنا ہے۔

(جامع ترمذی، ابواب الجنائز ج ۱: ۱۹۹)

❀ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں قرآن کریم سے کچھ مقرر نہیں فرمایا۔ (زجاجۃ المصابیح کتاب الجنائز)

☆ حضرت شعبی نے فرمایا، میت پر نماز جنازہ پڑھتے وقت پہلی تکبیر کہہ کر ثناء پڑھی جائے، دوسری تکبیر پر آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور تیسری تکبیر پر میت کے لئے دعا پڑھی جائے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیر لیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳: ۲۹۹، مصنف امام عبدالرزاق، ج ۳: ۴۹۱)

ہر شخص پر عالم وفقیہ بننا ضروری نہیں لہٰذا غیر مجتہد یا غیر عالم کو مجتہد یا عالم کی تقلید کرنی چاہئے۔ فرمایا:

یایها الذین امنوا اطیعو اللّٰه واطیعو الرسول واولی الامر منکم.

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی اور ان کی جو تم میں سے حکم والے ہوں"۔(النساء:۵۹)

دارمی باب الاقتدا بالعلماء میں ہے:

"اولی الامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں"۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس سے مراد علماء لینا اولیٰ ہے۔

(تفسیر کبیر ج۳:۳۳۴)

اس آیت کے تحت تفسیر جمل میں ہے، یہ آیت شریعت کے چاروں دلائل کی قوی دلیل ہے یعنی کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجماع اور قیاس۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں فرماتے تھے:

"جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو"۔(بخاری)

ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیے:

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون.

"اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو"۔(الانبیاء:۷)

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کیونکہ ناواقف کو اس سے چارہ ہی نہیں کہ واقف سے دریافت کرے اور مرض جہل کا علاج یہی ہے کہ عالم سے سوال کرے اور اس کے حکم پر عامل ہو۔ اس آیت سے تقلید کا وجود ثابت ہوتا ہے"۔

(خزائن العرفان)

اس آیت کی تفسیم میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

سرکارِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بیشک ایک شخص نماز پڑھے گا، روزے

رکھے گا، حج اور جہاد بھی کرے گا لیکن وہ منافق ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ اپنے امام پر طعنہ زنی کی وجہ سے منافق ہوگا''۔

جب بزرگانِ دین کی بے ادبی دونوں جہان میں نقصان وہلاکت کا باعث ہے تو پھر سرکار دوعالم نور مجسم ﷺ کی بے ادبی کس قدر ہلاکت وعذاب کا باعث ہوگی!!!

حدیث قدسی ہے کہ رب تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔

''جس نے میرے ولی سے عداوت کی یا اسے ایذا دی، میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے''۔ (بخاری)

جب امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ میں ہوئی تو انہی مسائل میں آپ سے بحث کی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسائل کی ایسی تشریح فرمائی کہ ملاقات کے اختتام پر امام اوزاعی نے فرمایا:

''میں اس شخص کے علم کی کثرت اور عقل کی وسعت پر رشک کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں کیونکہ میں غلطی پر تھا۔ تم ان کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ ان صفات سے مختلف ہیں جو مجھ سے (حاسدوں نے) بیان کی تھیں''۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۸)

محمویہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو ابدال میں سے تھے، فرمایا، میں نے امام محمد کو بعد وصال خواب میں دیکھا تو پوچھا، کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا:

''مجھے بخش دیا اور فرمایا، اگر تمہیں عذاب دینا ہوتا تو تمہیں علم کا خزانہ نہ دیتا''۔

میں نے کہا: ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا: ''مجھ سے اوپر کے درجہ میں ہیں''۔ میں نے پوچھا، اور امام ابوحنیفہ؟ فرمایا، ''وہ ابو یوسف سے بہت سے طبقے اوپر یعنی اعلیٰ علیین میں ہیں''۔ (تاریخ بغداد ج ۲: ۱۸۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو بھی مجھ پر سلام کرے گا، اللہ میری روح کو مجھ پر لوٹا دے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ ابوداؤد نے اور دعواتِ کبیر میں بیہقی نے روایت کی ہے۔

میرے پیرومرشد حضرت سید عبداللہ شاہ قدس سرہ حدیث شریف میں مولانا عبدالرحمٰن فرزند مولانا احمد علی سہارنپوری ناظر صحیح البخاری ہیں، خادم نے جس وقت یہ حدیث شریف آپ کو سنائی، آپ نے فرمایا، ہمارے استاذ مولانا عبدالرحمٰن سہارنپوری نے اپنے اساتذہ کے حوالہ سے یہ نکتہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے بعد پہلی مرتبہ جب آپ پر درود پڑھا گیا اور سلام کے جواب کے لئے روح مبارک جسم اطہر میں داخل ہوئی تو پھر نہیں نکلی۔ فرشتے گوشہ گوشہ سے تسلسل کے ساتھ آپ کے امتیوں کا تحفہ صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچاتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں اور یہ سلسلہ ایک لمحہ کے لئے منقطع نہیں ہوتا۔

علامہ ابن جوزی کا بیان ہے کہ مسلم بن عقبہ کو یزید نے ایک بڑا لشکر دے کر اہل مدینہ سے جنگ کرنے کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ اولاً ان کو بیعت کی پیشکش کرنا، قبول کرلیں تو دست کش رہنا اور انکار کی صورت میں تین دن تک شدت کے ساتھ قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھنا

مسلم بن عقبہ نے حرہ دارارقم میں قیام کیا۔ یہ جگہ مسجد نبوی شریف سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ مسلم بن عقبہ تین دن تک شرفائے مدینہ سے یزید کی بیعت پر

مذاکرات کرتا رہا، لیکن حضرات صحابہ اور تابعین کرام ایک فاسق و فاجر کے سامنے سرتسلیم خم کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، لہٰذا فریقین کے درمیان زبردست جنگ شروع ہوگئی۔

امام قرطبی بیان فرماتے ہیں کہ حضرات انصار، مہاجرین اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ ایک ہزار سات سو باشندگان مدینہ منورہ کو تہ تیغ کیا گیا۔ سات سو حفاظ قرآن اور ستانوے سرداران قریش کو ذبح کرڈالا گیا۔ اس روح فرسا سانحہ میں جب قتل و غارت کا بازار گرم ہوا تو کچھ لوگ شہر چھوڑ بیٹھے۔ بعض حضرات گھروں میں چھپ گئے۔ شہر کی ویرانی کے ساتھ مسجد نبوی بالکل ویران ہوئی۔ تین دن تک نہ مسجد میں اذان ہوئی اور نہ جماعت۔ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں: مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی آدمی نہ تھا، کوئی آدمی نماز پڑھنے نہیں آیا، گرد و غبار کا یہ عالم تھا کہ نمازوں کے اوقات بھی معلوم نہیں ہو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے:

اذا حانت الصلاة اسمع اذانا يخرج من قبل القبر الشريف. لاياتي وقت اصلاة الا سمعت الاذان من القبر ثم اقيمت الصلاة فتقد مت فصليت وما في المسجد احد غيرى. (وفاء الاوفا، ۱:۹۴، خلاصۃ الوفاء: ۳۸، ترجمان السنۃ ۳:۳۰۴)

"جب بھی نماز کا وقت آتا قبر اطہر سے اذان کی آواز سنتا، پھر اقامت ہوتی اور میں آگے بڑھتا اور نماز پڑھتا اور مسجد میں میرے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا"۔

باب ہشتم

جواہر الکوفہ

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ ابتدائی زمانہ مالی دشواریوں میں گزارا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے خاص شاگرد تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی مالی مدد بھی کرتے تھے اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر قاضی ابو یوسف خلیفہ عباسی مہدی (متوفی ۱۶۹ھ) کے قاضی ہو گئے۔ مہدی کے بعد ہادی (متوفی ۱۷۰ھ) نے انہیں اس منصب پر برقرار رکھا اور جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا (۱۷۰ھ) تو اس نے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے تجربے، فقہی لیاقت اور دینی بصیرت سے متاثر ہو کر حکومت کا چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) مقرر کر دیا۔

بشر بن یحییٰ نے کہا، میں نے کوفہ کے جلیل القدر فرد ابو معاویہ ضریر سے سنا، وہ کہہ رہے تھے میں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں پایا۔ ان پر کسی کے غالب آنے کا کھٹکا نہ تھا۔ مجادلہ کے وقت غصہ نہیں کرتے تھے اور مناظرہ میں ان سے زیادہ حلم والا کوئی نہ تھا۔

عبداللہ بن عبداللہ نے کہا کہ مجھ سے سلیمان بن شعیب کیسانی نے کہا، انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب میں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے

کافی علم حاصل کرلیا خیال آیا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شہر میں میری قدر نہ ہوگی لہٰذا میں کوفہ کے بعض مضافات کی طرف گیا اور ایک جگہ اترا۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا، اے ابویوسف! ایک شخص دریائے عرفات کے کنارے وضو کررہا تھا، اس سے اوپر کی طرف ایک بڑا خم شراب کا ٹوٹ گیا اور وہ شراب ملا پانی اس پر آیا، بتاؤ اس کا وضو ہوا یا نہیں۔ ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں کچھ جواب نہ دے سکا اور میں نے لڑکے (غلام) سے کہا سامان باندھو، ہمارے لئے وہی شہر صلاحیت رکھتا ہے جس میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیام ہو اور جب میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا، آپ نے پوچھا کہاں گئے ہوئے تھے، میں نے واقعہ بیان کیا، آپ ہنسے اور فرمایا تم جواب نہ دے سکے۔ ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میری سمجھ میں کچھ نہ آیا میں جواب کیا دیتا۔ آپ نے فرمایا، اگر شراب کی بو یا اس کے مزے کا اثر پانی میں ہو تو وضو نہیں ہوا ورنہ کچھ نہیں۔

خطیب بغدادی نے حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ واقعہ لکھا ہے۔ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں علم حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کررہا تھا اور میری معاشی حالت اچھی نہ تھی۔ ایک دن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا تھا میرے والد صاحب آئے میں ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا ان کے ساتھ باہر چلا گیا۔ میرے والد صاحب فرمانے لگے دیکھو بیٹا، تم ابوحنیفہ کے قدم بہ قدم نہیں چل سکتے، ان کے پاس سب کچھ ہے جو چاہیں کھائیں، تمہاری معاشی حالت اچھی نہیں، خود سوچو۔ آپ فرماتے ہیں والد صاحب کی بات میرے دل پر اثر کرگئی۔ میں نے حصول علم کی طرف توجہ کم کردی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیکھا کہ ابویوسف کی حاضری کم ہوگئی ہے تو میرے بارے میں انہیں تشویش ہوئی۔ ایک دن جب میں حسب معمول دیر سے پہنچا تو پوچھا تم کہاں رہتے ہو پابندی سے کیوں نہیں آتے، میں نے جواب دیا۔

شغل معاش میں رہتا ہوں، والد صاحب کا یہی حکم ہے۔ یہ کہہ کر میں مجلس میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اٹھنا چاہا مگر امام صاحب نے روک لیا۔ جب درس کی مجلس برخاست ہوئی اور لوگ چلے گئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تھیلی میرے ہاتھ میں دے دی، فرمایا، اس سے اپنا کام چلاؤ اور اسباق پر پوری توجہ دو۔ میں نے تھیلی کھول کر دیکھی تو اس میں سو درہم تھے۔ امام ابو یوسف نے بیان فرمایا کہ امام ابوحنیفہ نے اس وقت مجھے تاکید فرمائی، یہ رقم جب ختم ہو جائے تو مجھے بتا دینا لیکن مجلس درس میں اب پابندی سے آیا کرو۔ میں نے پابندی سے مجلس درس میں جانا شروع کر دیا۔ کچھ مدت بعد امام صاحب نے پھر سو درہم کی تھیلی مجھے عطا کی اور درس میں حاضری کی بھی تاکید فرمائی۔ اس کے بعد معمول بن گیا، نہ جانے کس طرح امام صاحب محسوس کر لیتے کہ میرے پاس رقم ختم ہو چکی ہے۔ فوراً پھر سو درہم کی تھیلی مجھے عنایت فرماتے، حالانکہ میں نے کبھی پیسے مانگے بھی نہیں، یہاں تک کہ میں اچھا بھلا ہو گیا، میری معاشی حالت بہتر ہو گئی اور ٹاٹ باٹھ سے زندگی گزارنے لگا۔ (مناقب للموفق)

امام ابو یوسف کو امام ابوحنیفہ کی ذات سے اتنا گہرا ربط پیدا ہو گیا تھا اور ان کی مجلس درس سے ان کے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا ہر کام چھوڑ سکتے تھے مگر مجلس درس کی حاضری ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ محمد بن قدام سے روایت ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا:

> ''میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے لیکن میں نے نہ اس کی تدفین و تجہیز میں حصہ لیا، نہ تکفین میں، یہ سارا کام میں نے اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں پر چھوڑ دیا۔ مجھے یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجلس درس سے بچھڑ جاؤں اور یہ حسرت رہ جائے کہ فلاں وقت میں موجود نہ تھا۔''

کوفہ کی عظیم درسگاہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس درسگاہ سے دینی تعلیم حاصل کی وہ کوفہ کی سب سے بڑی درسگاہ تھی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں الکوفة قبته الاسلام، کوفہ اسلام کا قبہ ہے (مستدرک)۔ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ تشریف لائے، جن میں چوبیس بدری صحابی بھی شامل تھے اور تین سو اصحاب بیعت رضوان میں شامل تھے تو اس طرح کوفہ کو کئی لحاظ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے اور کوفہ کی اس درسگاہ کے سرپرست اعلیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور صدرِ مدرس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔

مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد سے قبل بھی مرکز علم وعرفان کا گہوارہ بن چکا تھا۔ کوفہ کی اس عظیم درسگاہ میں قرآن، حدیث اور تفسیر کا درس دیا جاتا تھا اور یہ کام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرانجام دیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ اور آراء کو اگرچہ سبھی مسالک کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن فقہ حنفی کا دارومدار انہی کے فتاویٰ پر ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں باقاعدہ تعلیم دیتے تھے اور ان کے شاگردان فتاویٰ کو تحریر کر لیتے تھے۔ علامہ ابن القیم کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتاویٰ کو جمع نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے تین نامور شاگردوں علقمہ بن قیس، اسود بن یزید اور مسروق بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم نے فقہ اور اجتہاد میں بڑی شہرت پائی۔ ان میں سے علقمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کی وفات کے بعد ابراہیم نخعی نے ان کی مسند فضیلت کو رونق بخشی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ فقہ کے امام تھے اور ان کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔ ابرہیم نخعی کے فتاویٰ کے سب

سے بڑے عالم امام حماد تھے اور انہی سے امام ابوحنیفہ نے تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ فقہ حنفی کی عمارت بالواسطہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کی اساس پر تعمیر ہوئی۔ امام ابوحنیفہ نے اپنے علم، اجتہاد سے کام لے کر فقہ حنفی کو اس قدر ترقی دی۔ دنیائے اسلام کا زیادہ حصہ اسی فقہ حنفی پر چلتا ہے۔ (تیس پروانے شمع رسالت)

ابوجعفر منصور کو جواب:

خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ تم قیاس کرتے ہو اور قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہو۔ آپ نے جواب میں لکھا، اے امیر المومنین! تم نے غلط سنا بلکہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں، اس کے بعد سنت رسول ﷺ پر اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر، اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے ہیں تو مجبوراً قیاس کرتا ہوں۔ (میزان)

امام عبدالوہاب شعرانی میزان میں فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس سفیان ثوری، حماد بن مسلمہ، امام جعفر صادق اور دوسرے فقہاء تشریف لائے۔ امام صاحب سے کہنا شروع کیا کہ ہم نے سنا ہے آپ دین میں قیاس کرتے ہیں اور ہم کو خوف ہے کہ کہیں یہ کثرت قیاس آپ کے لئے نقصان دہ نہ ہو کیونکہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا چنانچہ امام صاحب نے اس بارے میں جمعہ کے دن صبح سے لے کر دوپہر تک مناظرہ کیا اور اپنا مذہب ان کو بتلایا۔ فرمایا میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔ اس کے بعد حدیث پر اس کے بعد صحابہ کے فیصلوں پر اور جس حکم میں ان سب

کا اتفاق ہو اس کو عملاً مقدم جانتا ہوں اور ان احکام پر جن میں مذکورین میں اختلاف ہو، اس اختلاف کی صورت میں مجبوراً قیاس کرتا ہوں۔ یہ سن کر وہ سب حضرات کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اور گھٹنے کو بوسہ دیا اور آپ سے کہنے لگے، آپ علماء کے سردار ہیں۔ ہمارا سابق قصور معاف کیجئے کہ ہم نے آپ پر اعتراض کیا۔ ہم کو آپ کے مذہب کا اچھی طرح علم نہ تھا۔ آپ نے فرمایا:

غفر اللّٰہ لنا ولکم اجمعین۔ (میزان شعرانی)

صحابہ کرام کے مختلف اقوال اور اجتہادات میں سے کسی ایک کے موقف کو اپنایا جا سکتا ہے کیونکہ تمام صحابہ کو مجموعی طور پر ترک کر دینا سنت نہیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم"

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم نے اقتدا کی، ہدایت پا جاؤ گے۔"

امام شافعی کا فرمان:

اگر صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔

(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب)

امام شافعی کے اس قول سے بات واضح ہے کہ وہ بھی سب سے پہلے مسئلہ کو قرآن و سنت کے ذریعہ حل کرتے، اس کے بعد صحابہ اگر اس کے بعد تینوں میں حل نہ ملتا تو پھر وہ اجتہاد کرتے۔

امام احمد بن حنبل کا فرمان:

امام احمد بن حنبل بھی سب سے پہلے قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

رجوع کرتے جب ان سے مسئلہ کا حل نہ ملتا تو پھر اجتہاد کرتے۔ فرماتے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی موجودگی میں کسی بات کی ضرورت نہیں۔ (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب)

مناظرے:

یہ مناظرے اس دور کے ہیں جب امام صاحب کلیتہ فقہ کی طرف مائل ہو چکے تھے، مگر اصول عقائد میں بعض اوقات مجادلے کے باوجود اپنے اصحاب اور مقربین کو بحث و جدل میں الجھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے صاحبزادے حماد کو علم کلام میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا تو منع کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ خود تو مناظرے کرتے ہیں اور ہمیں منع کرتے ہیں۔ اس پر امام صاحب نے جواب دیا:

> ''مناظرہ کرتے وقت ہماری حالت تو یہ ہوتی تھی کہ گویا ہمارے سروں پر پرند بیٹھے ہیں۔ اس اندیشے سے کہیں ہمارا مدمقابل لغزش نہ کھا جائے اور تمہاری کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ مدمقابل لغزش کھائے، جو دشمن اپنے مقابل کو مبتلائے لغزش کرنے کے لئے مناظرہ کرتا ہے، گویا وہ اسے کفر میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور جو شخص کسی کو مبتلائے کفر کرنا چاہتا ہے وہ اپنے حریف سے پہلے خود کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے''۔

کوفہ میں امام صاحب شیعی معاشرت میں رہتے تھے اور اپنے عہد کے ائمہ شیعہ سے انہوں نے ملاقات بھی کی جیسے زید بن علی، محمد الباقر، جعفر الصادق، عبداللہ بن حسن وغیرہ، مگر باوجود اہل بیعت کی طرف مائل ہونے اور ان سے انتہائی محبت کرنے اور ان کی خاطر ہر طرح کے مصائب کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے

انہوں نے اپنی رائے کبار صحابہ سے متعلق ہمیشہ محتاط رکھی۔ ابن عبدالبر ''الانتقاء'' میں کہتے ہیں:

سعید بن ابوعروتبہ کا قول ہے کہ میں ایک مرتبہ کوفہ گیا اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ انہوں نے ایک روز حضرت عثمان بن عفان کا تذکرہ کیا تو ان کے لئے دعائے رحمت کی۔ میں نے عرض کیا تم پر بھی خدا رحم فرمائے، میں نے اس شہر میں تمہارے سوا کسی کو نہیں دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے رحمت کرتا ہو۔

پہلا مناظرہ...... اندھے کی گواہی:

مروی ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت امام ابوحنیفہ کی غیر حاضری میں ان کے لئے وصیت کی کہ امام صاحب نے قاضی کی عدالت میں مرافعہ دائر کر دیا اور شہادت پیش کی کہ فلاں شخص نے مرتے وقت میرے لئے وصیت کی ہے۔ اس پر قاضی ابن شبرمہ نے امام صاحب سے دریافت فرمایا:

''کیا آپ حلف اٹھا سکتے ہیں کہ آپ کے گواہوں نے صحیح صحیح شہادت دی ہے؟''

اس پر امام صاحب نے فرمایا:

''میں چونکہ حاضر نہیں تھا لہٰذا مجھ پر حلف عائد نہیں ہوتا''۔

ابن شبرمہ نے (طنزاً) کہا:

''ضلت مقایسک...... تمہاری قیاس آرائیاں گمراہ کن ہیں''۔

امام صاحب نے فرمایا:

''اگر کسی اندھے آدمی کا سر پھوڑ دیا جائے اور دو گواہ اس امر واقعہ کی شہادت بھی دے دیں تو کیا اس اندھے سے قسم لی جائے گی کہ آیا وہ

سچی شہادت پیش کر رہا ہے؟ حالانکہ وہ بے چارہ دیکھ ہی نہیں سکتا تھا''۔

آخرکار ابن شبرمہ کو امام صاحب کے حق میں فیصلہ دینا پڑا اور وصیت کو نافذ کرنا پڑا۔

دوسرا مناظرہ......ایک خارجی سے:

ضحاک بن قیس خارجی، جس نے بنی امیہ کے عہد میں خروج کیا تھا، ایک مرتبہ کوفے کی مسجد میں آیا اور امام صاحب سے کہنے لگا:

''توبہ کیجئے''۔

امام صاحب نے پوچھا:

''کس بات سے توبہ کروں؟''

اس نے کہا:

''تم نے ''حکمین'' کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس سے توبہ کرو''۔

امام صاحب نے ارشاد فرمایا:

''مجھے قتل کرنا چاہتے ہو یا بحث کرو گے؟''

اس نے کہا:

''مناظرہ کروں گا''۔

پھر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر کسی امر میں ہماری رائے مختلف ہوگی تو ثالث کسے مانا جائے گا؟''

ضحاک نے کہا:

''آپ جسے چاہیں ثالث مقرر کرلیں''۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ضحاک کے اصحاب میں سے ایک شخص سے کہا:

''تم ہمارے درمیان ثالث کی حیثیت سے بیٹھ جاؤ، اگر ہم کسی امر میں اختلاف کریں تو فیصلہ کر دینا''۔

پھر ضحاک سے پوچھا:

''کیا تم رضامند ہوں کہ یہ شخص ہمارے درمیان ثالث ہو؟''

ضحاک نے کہا:

''ہاں مجھے منظور ہے''۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بس تم نے خود ہی تحکیم کو مان لیا، پھر مناظرہ کیسا؟'' آخر ضحاک لاجواب ہو کر رہ گیا۔

فقہی کمالات:

سوانح اور تذکرہ نگاروں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نسب کے بارے میں مختلف لوگوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ بعض آپ کو کابلی، بعض بابلی اور بعض متعصب امام صاحب کو عربی النسل بتاتے ہیں۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ آپ فارس النسل تھے اور یہی راجح ہے۔ مگر اس سے نہ تو آپ کی عظمت اور شان میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ خدمت واشاعت دین کے کارنامے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ اور آپ کے والد پیدائشی طور پر آزاد تھے۔ آپ کے دادا کے غلام ہونے یا نہ ہونے کی بحث بھی اس جگہ بے سود ہے۔ اس سے آپ کی عزت اور وقار، علمی وجاہت اور ذاتی شرافت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر بالفرض بذات خود امام صاحب بھی غلام ہوتے، تب بھی اخلاقی اور اسلامی نقطہ نگاہ سے آپ کے ان اوصاف میں کوئی فرق نہیں آتا۔ امام اعظم کی مقبولیت، امامت، علمی ودینی سیادت، حسب ونسب اور کسی مال

ومنال کی مرہون منت نہ تھی بلکہ یہ سب کچھ محبتِ خداوندی، بلند اوصاف و خصائل، ذہانت وفطانت اور ورع وتقویٰ کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوا تھا۔ علامہ مکی لکھتے ہیں کہ تقویٰ بہترین نسب اور ثواب کا عمدہ ترین ذریعہ ہے۔

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم۔ (الحجرات)

"جو زیادہ متقی ہو اللہ کی بارگاہ میں وہی زیادہ معزز ہے۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

آلي كل بر و تقي۔

"ہر متقی شخص میری آل ہے۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل بیت میں شمار کیا اور فرمایا:

سلمان منا اهل البيت.

"سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں۔"

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد سے خارج کر دیا۔

انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح...... (ھود)

"یہ آپ کے اہل سے نہیں کیونکہ اس کے عمل ٹھیک نہیں۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو (غلام ہونے کے باوجود) اپنا مقرب بنایا اور اپنے چچا ابولہب کو قریش ہونے کے باوجود دھتکارا۔

جس دور میں نسبی شرافت کو معاشرہ میں تقدس اور عظمت حاصل تھی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بھی کسی احساس کمتری کا شکار نہ تھے۔

قبیلہ بن تیم (جس کی طرف سے امام صاحب کی ولاء منسوب ہے) کسی شخص نے امام صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔

انت مولای۔

''آپ تو میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہو۔''

امام صاحب نے جواباً فرمایا:

انا واللہ اشرف لك منك لی.

''میری وجہ سے تم کو عزت و وقار حاصل ہوا لیکن تمہارے سبب میری عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔''

امام مکی نے مناقب ابی حنیفہ میں اسے ہشام اور عطا کے درمیان بطور مکالمہ کے نقل کیا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ ابن شہاب زہری عبدالملک کے دربار میں پہنچے تو اس نے کہا زہری! کیا تم بتا سکتے ہوں کہ مسلمانوں کے مختلف امصار اور شہروں میں آج کل سب سے بڑے عالم جو مرجع انام ہوں، کون کون لوگ ہیں؟ زہری نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایئے کس کس شہر کے ائمہ بتاؤں۔ تو عبدالملک نے حسب ذیل ترتیب کے ساتھ پوچھنا شروع کیا۔

عبدالملک: تم اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟

زہری: مکہ معظمہ سے۔

عبدالملک: مکہ میں کس شخص کو چھوڑ کر آئے ہو جو اس وقت مکہ والوں میں دینی وعلمی اور روحانی پیشوائی کررہا ہے۔

زہری: عطا ابن رباح (مجاہد، سعید بن جبیر اور سلمان بن یسار)

عبدالملک: عرب خاندان کے آدمی ہیں یا موالیٰ سے ان کا تعلق ہے؟

زہری: موالیٰ سے۔

عبدالملک: کس چیز نے عطاء اور ان کے رفقاء کو یہ مقام بخشا؟

زہری: علم دین اور احادیث کی روایت نے۔

عبدالملک: ٹھیک ہے، یہ دونوں چیزیں ہیں ایسی کہ آدمی کو پیشوائی عطا کریں۔ اچھا بتاؤ کہ یمن میں مسلمانوں کا پیشوا اور رہنما آج کل کون ہے؟

زہری: طاؤس بن کیسان (اس کا بیٹا اور ابن منبہ)

عبدالملک: کیا وہ عرب سے نسلی تعلق رکھتے ہیں یا موالی سے ہیں؟

زہری: موالی سے۔

عبدالملک: ان کو کس چیز نے یہ بڑائی عطا کی ہے؟

زہری: ان ہی باتوں نے جس نے عطاء اور ان کے رفقاء کو بڑھنے کا موقع دیا۔

عبدالملک: اچھا مصر کا امام ان دنوں کون ہے؟

زہری: یزید بن حبیب۔

عبدالملک: عرب ہیں یا موالی میں سے یہ بھی ہیں؟

زہری: ان کا بھی موالی ہی سے تعلق ہے۔

عبدالملک: اور شام کا پیشوا آج کل کون ہے؟

زہری: مکحول۔

عبدالملک: عرب ہیں یا موالی؟

زہری: ان کا بھی موالی سے تعلق ہے۔ غلام تھے اور قبیلۂ عزیل کی ایک عورت سے ان کو آزاد کیا تھا۔

(عبدالملک یہ سن کر غصہ سے سرخ ہو رہا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، سرد آہیں بھرنے لگا، رگیں پھول گئیں اور تن کر کھڑا ہو گیا، پھر پوچھا)

عبدالملک: جزیرہ یعنی فرات اور دجلہ کے درمیانی علاقوں کا امام کون ہے؟

زہری: میمون بن مہران۔

عبدالملک: موالی ہیں یا عربی؟

زہری: مولیٰ ہیں۔

عبدالملک: فقیہ عراق کون ہیں جن پر عراقیوں کو اعتماد ہو؟

زہری: حسن بن ابی الحسن، محمد بن سیرین۔

عبدالملک: دونوں کی حیثیت کیا تھی، مولیٰ تھے یا عربی؟

زہری: دونوں مولیٰ یعنی عجمی تھے۔

عبدالملک: مدینہ کے فقیہ کون ہیں جن کو وہاں پر دینی اور علمی سیادت حاصل ہو؟

زہری: زید بن اسلم، محمد بن المنکدر اور نافع بن ابی نجیح۔

عبدالملک: ان کی حیثیت اور نسبت کیا ہے؟

زہری: مولیٰ سے ہیں۔ یہ سن کر عبدالملک کا سانس پھولنے لگا۔

عبدالملک: خراسان کا سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟

زہری: ضحاک بن مزاحم اور عطاء بن عبداللہ خراسانی۔

عبدالملک: یہ لوگ کون تھے؟

زہری: مولیٰ۔

عبدالملک: ویلک (تجھ پر افسوس ہو)

(اس وقت عبدالملک کے چہرے کا مٹیالا پن اور بھی بڑھ رہا تھا اور اس پر ایسی سیاہی چھا رہی تھی کہ دیکھنے والے کو ڈر لگتا تھا) کہنے لگا: آخر یہ بتاؤ کہ کوفہ میں مسلمانوں کی دینی پیشوائی اور فقہی سیادت کون کر رہے ہیں؟

زہری: ابراہیم النخعی اور شعبی!

(زہری کہتے ہیں کہ بخدا، اگر میں اس سے خائف نہ ہو گیا ہوتا تو میں حکم بن عتبہ اور حماد بن ابی سلیمان کے نام لیتا۔ یہ حضرات مولیٰ سے تھے مگر مجھے اس میں شر کے آثار نظر آرہے تھے)

جب میں نے ابراہیم نخعی کا نام لیا تو عبدالملک نے بے ساختہ نعرہ تکبیر لگایا اور اسے اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔اس کے بعد کہنے لگا:

اف زہری! اب جا کر تم نے ایک بات سنائی جس سے غم کا بادل میرے دل سے کچھ ہٹا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالملک نے کہا کہ یہ آخری جواب تم اگر نہ سناتے تو قریب تھا کہ میرا کلیجہ پھٹ جاتا اور جس روایت میں یہ قصہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے منسوب ہے، اس میں ہشام کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ:

''میرا خیال تھا کہ میری جان نکل جائے گی اور کسی عربی کا نام تمہاری زبان پر نہیں آئے گا''۔

بہر حال ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تحصیل علم کے زمانہ میں علم زیادہ تر موالی اور اہلِ عجم میں پایا جاتا تھا اور ان کے ذریعہ سے پھیل رہا تھا۔

عدل وانصاف اور دیانت کی ایک نادر مثال:

سفیان بن زیاد بغدادی کی ایک روایت ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ و پرہیز گاری اور ورع و احتیاط کے لحاظ سے بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ کاروبار کے لحاظ سے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خزار تھے۔ کپڑوں کی بڑی تجارتی منڈی کے مالک تھے۔ خرید و فروخت میں بھی غایت درجہ ورع، حزم و احتیاط اور بیع و شرار میں شرعی تقاضوں کو بڑی دقیقہ رسی سے ملحوظ رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے کوئی صاحب کوفہ اس غرض سے آئے کہ اپنے گھریلو ضرورت کا سامان خرید لے۔ دوسری چیزوں کے علاوہ اسے کپڑے کی بھی ضرورت تھی۔ اپنے دوستوں کے سامنے اس نے مطلوبہ کپڑے کا ذکر کیا تو اسے بتایا گیا کہ ان صفات کا کپڑا آپ کو سوائے ایک فقیہ خزاز جس کا نام ابوحنیفہ ہے، دوسری کسی بھی جگہ آپ کو نہیں ملے گا۔ چنانچہ وہ امام صاحب کی دکان کی جانب روانہ ہوا تو دوستوں نے

اسے سمجھایا کہ بھائی! جب تم اس کی دکان پر جاؤ اور وہ مطلوبہ کپڑا نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیں تو جو قیمت وہ بتائیں اس پر لے لینا۔ کم کرانے پر ہرگز نہ جھگڑنا کہ وہاں بات ایک ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ امام صاحب کی دکان دریافت کر کے دکان پر پہنچے۔

دکان میں امام صاحب کا ایک شاگرد بیٹھا ہوا تھا اس شخص نے گمان کیا کہ یہی ابوحنیفہ ہیں، چنانچہ مطلوبہ کپڑے کا مطالبہ کیا۔ ابوحنیفہ کے شاگرد نے وہ کپڑا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے قیمت دریافت کی تو بتایا گیا کہ اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے چنانچہ اس نے بھاؤ کم کرانے اور آخری قیمت چکانے کے جھگڑے میں پڑنے کی بجائے اسے ہزار درہم ادا کر دیئے۔ کوفہ میں دیگر سامان ضرورت اور سودا سلف سے فارغ ہونے کے بعد وہ شخص مدینہ منورہ چلا گیا۔

ادھر کچھ عرصہ بعد امام ابوحنیفہ نے کسی ضرورت سے اسی کپڑے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ کے شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت! وہ تو میں نے بیچ دیا۔

امام صاحب نے پوچھا کتنے میں؟ اس نے بتایا کہ ہزار درہم میں۔ امام ابوحنیفہ یہ سن کر غصہ ہوئے اور فرمایا:

تغرالناس و انت معی فی دکانی۔

''تم میرے ساتھ دکان میں رہتے ہوئے بھی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہو۔''

چنانچہ آپ نے اس شاگرد کو اپنے کاروبار اور دکان سے علیحدہ کر دیا اور خود ہزار درہم لے کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر اس شخص کو تلاش کر لیا جو ہزار درہم میں آپ کی دکان سے کپڑا لے کر گیا تھا۔ دیکھا کہ وہ شخص وہی کپڑا پہنے ہوئے مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ امام صاحب نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔

جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو امام صاحب آگے بڑھے اور فرمایا:

بھائی! یہ جو کپڑا تم نے پہن رکھا ہے یہ میرا کپڑا ہے۔

وہ شخص حیران ہوا اور کہنے لگا کہ وہ کیسے؟ حالانکہ یہ کپڑا تو میں نے کوفہ میں ابوحنیفہ فقیہ کی دکان سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔

امام صاحب نے فرمایا: اگر تم ابوحنیفہ کو دیکھ لو تو کیا اسے پہچان لو گے، بالکل۔

امام صاحب نے فرمایا کہ ابوحنیفہ میں ہی ہوں کیا آپ نے یہ کپڑا مجھ سے خریدا تھا؟

کہنے لگا: نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا، اچھا! اپنے ہزار درہم لے لو اور مجھے میرا کپڑا واپس کر دو اور اس پر صحیح صورتحال اور حقیقت واقعہ ظاہر کر دی۔

وہ صاحب کہنے لگا حضرت! میں اس کپڑے کو کئی مرتبہ پہن چکا ہوں یہ ہرگز مناسب نہیں کہ استعمال کرنے کے بعد اب آپ کو واپس کر دوں اور اگر آپ چاہیں تو اس کی اصل قیمت ہزار درہم سے جو زائد بنتی ہے وہ میں اپنے پاس سے ادا کر دوں۔

امام صاحب نے فرمایا: نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں آپ سے اس کی زائد قیمت کی وصولی کے لئے نہیں آیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کپڑے کی قیمت چار سو درہم ہے۔ میرے ساتھی نے آپ کو ایک ہزار درہم پر اسے فروخت کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چھ سو درہم آپ کو واپس کر دوں اور کپڑا ابھی آپ کے پاس رہے اور مجھے یقین ہے کہ اس معاملے پر آپ رضا مند بھی ہو جائیں گے، اور اگر یہ صورت آپ کو پسند نہ ہو تو از راہ کرم میرا کپڑا مجھے واپس کر دیں اور ہزار درہم کی رقم واپس لے لیں اور اس دوران آپ نے جو بار بار یہ کپڑا استعمال کیا ہے اس کی میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔ مگر وہ شخص بھی کسی صورت میں کپڑا واپس کرنے کے لئے رضا مند نہیں تھا اور اس کا اصرار تھا کہ جس طرح اس حقیقت کے ظاہر ہونے سے قبل ہزار درہم کے دام یہ کپڑا میں نے لیا ہے اسی قیمت میں اب بھی میرے پاس رہے، مگر امام صاحب نے اس پر راضی ہونے سے انکار کر دیا اور اپنی طرف سے تجویز کردہ مذکورہ دونوں

صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ وہ شخص مجبور ہو کر اس پر رضامند ہو گیا کہ 600 درہم واپس کر دیا جائے اور کپڑا ابھی اصل قیمت 400 درہم کے عوض میرے پاس رہے، چنانچہ امام صاحب نے 600 درہم بھی اسے واپس کر دیئے اور کپڑا ابھی اس کے پاس رہنے دیا۔ اس کے بعد بڑی مسرت سے واپس کوفہ لوٹ آئے۔

بابِ نہم

صفاتِ محمودہ

اولین درس گاہ کوفہ:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ ''کوفہ'' تھی جس کے سرپرست حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صدر مدرس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اہل کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے پیشتر بھی علم حدیث رکھتے تھے۔

اہل کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ جن کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ بھیجا تھا، سے دین و علم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کر چکے تھے۔

اہل کوفہ نے کون کون سے علوم حاصل کیے؟ صاحب منہاج السنہ لکھتے ہیں:

فان اھل الکوفة التی کانت دارہ کانوا قد تعلموا الایمان والقرآن و تفسیرہ والفقه و السنه عن ابن مسعود وغیرہ قبل ان یقدم علی الکوفه۔

''اہل کوفہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ایمان، قرآن، تفسیر فقہ، سنت کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوفہ تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔''

اس لئے تو شارح مسلم شیخ الاسلام امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وھی دار الفضل و محل الفضلاء۔

''کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔''

سفیان بن عینیہ (المتوفی ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں:

خذو الحلال و الحرام عن اھل الکوفہ۔

''حرام اور حلال کے مسائل اہل کوفہ سے حاصل کرو۔''

صرف یہ نہیں بلکہ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے:

''ستر بدری صحابہ اور تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ تشریف فرما ہوئے تھے۔''

حضرت قتادہ سے روایت ہے:

نزل الکوفہ الف و خمسون رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ و عشرون من اھل بدر۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہزار اور پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم اور 24 بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ میں تشریف فرما ہوئے۔''

کوفہ اور علم حدیث:

کوفہ علم حدیث کا بھی اچھا خاصا مرکز تھا۔ محمد بن سیرین (المتوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

قدمت الکوفۃ و بھا اربعۃ الاف یطلبون الحدیث۔

''میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث موجود تھے۔''

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری (المتوفی:۲۵۶ھ) طلب حدیث

کے سلسلہ میں کوفہ اور بغداد میں بار بار حاضر ہوتے رہے۔خود فرماتے ہیں:

لا احصیٰ کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین۔

''میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا۔''

درس گاہِ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت:

درس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ کوفہ کی درسگاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقہ میں آملیں۔ بڑے بڑے ائمہ فن اور آپ کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام اور امام اعمش بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہونے لگے۔آپ کی درس گاہ میں مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسطہ، موصل، جزیرہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استرآباد، ہمدان، رے، قوس، ذوامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، بخارا، سمرقند، کس، صغار، ترمذ، ہرات، نہستار، الزم، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ اور حمص وغیرہ کے باشندے مستفیض ہو رہے تھے۔

عالم الدنیا:

ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین ابوجعفر منصور کے پاس آئے۔اس وقت دربار میں امیر کی خدمت میں عیسیٰ بن موسیٰ بھی موجود تھے۔عیسیٰ نے امیر المومنین کو مخاطب کر کے کہا، اے امیر المومنین! ''ہذا عالم الدنیا الیوم ...... یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں''۔ابوجعفر منصور نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: ''اے نعمان! تم نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے؟'' امام صاحب نے فرمایا: ''امیر المومنین! میں نے فاروق اعظم، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا ہے''۔ابوجعفر نے کہا کہ ''آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں''۔(تاریخ بغداد جامع المسانید)

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام حسنات اور صفاتِ محمودہ کے جامع تھے:

ابن مبارک سے یہ بھی منقول ہے کہ:

جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے سوال کیا کہ تمہارے شہر میں کون سب سے بڑا عالم ہے۔ سب نے کہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! میں نے پوچھا سب سے زیادہ پرہیزگار کون ہے۔ سب نے کہا امام ابوحنیفہ! پھر میں نے پوچھا سب سے زیادہ زاہد کون ہے۔ سب نے کہا امام ابوحنیفہ! پھر پوچھا سب سے زیادہ عابد اور علم کا شغل رکھنے والا کون ہے؟ تو سب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ۔ غرض میں نے اخلاق محمودہ وحسنہ میں جس وصف کا بھی سوال کیا سب نے امام صاحب ہی کو افضل و برتر بتایا۔

فضل بن موسیٰ نے کہا:

''ہم حجاز و عراق کے علماء کی مجلسوں میں پھرا کرتے تھے مگر جو برکت اور نفع امام ابوحنیفہ کی مجلس میں تھا وہ کہیں نہ تھا۔''

حضرت وکیع جو امام بخاری کے کبار مشائخ سے ہیں اور محدث کبیر ہیں، ان کی مجلس میں ایک حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا۔ وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا:

''اب ندامت سے کیا فائدہ؟ وہ شیخ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہوتا''۔

امام ابوداؤد (صاحب سنن) کا قول ہے کہ ''امام ابوحنیفہ امام شریعت تھے''۔

امام اعمش کا قول ہے کہ

''ابوحنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں جنہیں نہ حسن بصری جانتے ہیں نہ ابن سیرین نہ قتادہ جانتے ہیں نہ فلاں اور فلاں اور نہ ان کے سوا کوئی اور''۔

مقاتل فرماتے ہیں کہ

''میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا مگر ان میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا نقطہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا''۔

امام شافعی کا ارشاد ہے۔فرمایا:

''لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں کیونکہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ تو علم میں معتبر ہوگا اور نہ فقیہ بنے گا۔''

ایک واقعہ قاضی عیاض نے مدارک میں بیان کیا ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہوئی اور کافی دیر تک دونوں کے درمیان علمی مباحثہ و مذاکرہ ہوتا رہا۔اس کے بعد امام مالک وہاں سے نکلے تو پسینہ میں نہائے ہوئے تھے۔لیث بن سعد نے پوچھا،کیا بات ہے آپ پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں؟ امام مالک نے جواب دیا،میں ابوحنیفہ کے ساتھ مناظرہ و مناقشہ میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ بلاشبہ یہ تو اے مصری! بڑا بھاری فقیہ ہے۔

کتب فقہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوحنیفہ کی قائم کردہ دستوری کمیٹی نے 30 سال تک مسلسل کام کیا اور قانون اسلامی کی تدوین کی جس کی مدون کتابیں کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔اس مجموعے میں ۸۳ ہزار دفعات تھے اور جب امام اعظم ابوحنیفہ کو کوفہ سے بغداد جیل میں منتقل کیا گیا تب بھی تدوین فقہ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔امام محمد کا تعلق ابوحنیفہ سے یہیں سے قائم ہوا۔اضافہ کے بعد اس دستوری خاکہ میں کل مسائل کی تعداد 50 لاکھ تک پہنچ گئی۔

چنانچہ کتب فقہ ابی حنیفہ کو چہار دانگ عالم میں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے نسخے عدالتوں اور مختلف حکومتوں نے حاصل کیے۔ اسلامی حکومتوں نے سرکاری طور پر ان نسخوں کو اپنی عدالتوں کے قضاۃ کے ہاں رکھوالیا۔ وقت کے علماء، قضاۃ اور والیان ریاست ان سے مستفید ہوتے رہے، یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں:

قضیٰ به الخلفاء والائمة و استقر علیه الامر۔

"خلفاء، حکام اور ائمہ، امام ابوحنیفہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے بالآخر اسی پر عمل ہونے لگا۔"

دستور اسلامی کی تدوین، کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے جن کتابوں میں ہوئی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کتب ظاہر الراویۃ، اس میں چھ کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔

1- جامع صغیر، جسے امام محمد نے امام ابویوسف کی روایت سے مرتب کیا ہے اور اس کی چالیس شروحات لکھی گئی ہیں۔

2- جامع کبیر، جامع صغیر سے اس کے مسائل کی تعداد زیادہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کے علاوہ اس میں امام ابویوسف اور امام زفر کے قوال بھی موجود ہیں۔ یہ بھی امام محمد کی تصنیف ہے جسے ایک نصرانی نے پڑھا تو مسلمان ہوگیا اور کہا جب مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا یہ حال ہے تو بڑے محمد کا کیا حال ہوگا۔

3- مبسوط، امام محمد کی پہلی تصنیف اور اصل کے نام سے مشہور ہے۔

4- زیادات، ان مسائل کا مجموعہ ہے جو جامع صغیر اور جامع کبیر میں درج نہ ہو سکے۔

5- السیر الصغیر، حکومت وسیاست اور جہاد کے مسائل پر مشتمل ہے۔

6- السیر الکبیر، یہ امام محمد کی سب سے آخری کتاب ہے۔

عباسی شہزادے اور فقہ حنفیہ:

مورخین نے لکھا ہے کہ عباسی شہزادوں کو دوسرے علوم وفنون کے ساتھ فقہ حنفی کی بھی باضابطہ استدلالی رنگ میں تعلیم دی جاتی تھی۔

مامون اپنے والد ہارون کی طرف سے خراسان کے والی ہونے کی حیثیت سے مرو میں مقیم تھا۔نضر کی تحریک پر مقامی علماء کی ایک جماعت جو حنفی علماء سے ناراض تھی مامون سے حنفی علماء اور فقہاء کا اثر کم کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئی۔

اتفاق سے دربار میں دونوں فریق کے بڑے بڑے علماء جمع تھے۔

مامون نے نضر کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا کہ حنفی فقہ کے ساتھ آخر آپ لوگوں کے اس مخالفانہ طرزِ عمل کی وجہ کیا ہے؟

خود نضر تو جواب نہ دے سکا مگر ان کے ایک ہم خیال عالم احمد بن زہیر نے عرض کیا کہ مجھے حکم ہو تو عرض کروں۔ مامون نے کہا یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں، تو احمد بن زہیر نے کہا، ابوحنیفہ کی فقہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں صراحت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مخالفت کی گئی ہے۔قاضی خالد بن صبیح حنفی نے متعلقہ مسائل میں مامون کی دریافت پر امام ابوحنیفہ کا جو فتویٰ تھا وہی بیان کر دیا۔ احمد بن زہیر نے کہا لیجئے، اس فتویٰ کے مقابلہ میں یہ قرآن کی آیت ہے۔ یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ابوحنیفہ نے قطعی نصوص کے خلاف گویا فتویٰ دیا ہے۔ جب ابن زہیر کی بات ختم ہوئی تو قاضی خالد کے بجائے خود مامون ابن زہیر کی طرف متوجہ ہوا اور صرف ایک ہی حدیث نہیں بلکہ لکھا ہے خود مامون ابوحنیفہ کی تائید میں بطور دلیل کے ایسی چند حدیثیں پیش کرنے لگا کہ مخالف جماعت کے لوگ اس سے ناواقف تھے۔

اور ایک ہی مسئلہ نہیں بلکہ جس جس مسئلے کے متعلق مخالف فریق کا الزام تھا

....

مامون پوچھتا جاتا تھا اور امام ابوحنیفہ کی تائید میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرتا جاتا تھا۔ جب اس قسم کے مسائل پر کافی بحث ہو چکی تب مامون نے کہا کہ اگر حنفی فقہ کو ہم کتاب اللہ اور حضور اقدس ﷺ کی سنت کے مخالف پاتے تو دستور العمل کی حیثیت سے ہم اسے کبھی بھی اختیار نہ کرتے۔ لکھا ہے کہ ان الفاظ کے بعد نضر اور ان کی جماعت کی طرف خطاب کر کے مامون نے کہا:

"خبردار آئندہ پھر اس قسم کی حرکت کی جرأت تم میں کوئی نہ کرے۔ اگر تمہاری جماعت میں اس وقت یہ شیخ (نضر) نہ ہوتے تو تم میں سے ہر ایک کو ایسی سزا دیتا جسے تم کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔"

سیرت امام پر ایک نظر:

امام صاحب صدیقوں اور شہیدوں کی طرح ۱۵۰ھ میں فوت ہو گئے۔ بعض نے ان کا سال وفات ۱۵۱ھ اور بعض نے ۱۵۳ھ لکھا ہے۔ مگر پہلی روایت صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب جیسے ضمیر معنیٰ وجدان دینی، قلب قوی، عقل رسا، نفس صبور رکھنے والے شخص کے لئے موت ہی موجب راحت ہو سکتی تھی۔

انہوں نے مخالفین کی طرف سے ہر تکلیف کو صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ نادانوں، امراء اور پھر خلفاء کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں مگر انہوں نے کسی طرح کی کمزوری سے کام نہیں لیا۔ اگر جہاد نفس کوئی چیز ہے اور اس کے مختلف میدان ہیں تو ہماری نظر میں امام صاحب اس جہاد کے بطل عظیم تھے۔ ہر میدان میں انہی کی جیت رہی۔ وہ جہاد میں ثابت قدم اور مصائب میں راضی بہ رضا رہے حتیٰ کہ زندگی کے آخری لمحوں میں بھی وصیت کرتے ہیں کہ انہیں پاک زمین میں دفن کیا جائے جو مغصوبہ نہ ہو اور اس زمین میں دفن نہ کیا جائے جس کے متعلق خلیفہ پر یہ الزام

لگایا گیا ہے کہ اس نے دھاندلی سے غصب کر لی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب ابو جعفر کو اس وصیت کا علم ہوا تو اس نے تاسف کے ساتھ کہا:

من یعذر نی من ابی حنیفه حیاو میتا۔

''مجھے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کون معذور ٹھہرا سکتا ہے، زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی''۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ اور مشایعت عام:

اس میں شک نہیں کہ علمی، دینی اور اخلاقی وروحانی عظمتوں کا بھی لوگوں کے دلوں پر کچھ اس قسم کا اثر ہوتا ہے جو سلطنت وحکومت کے جاہ وجلال سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔

چنانچہ تمام اہالیان بغداد نے اس فقیہ عراق اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کی مشایعت کی۔ بعض نے حاضرین کی تعداد پچاس ہزار بتائی ہے حتیٰ کہ خود ابو جعفر نے بعد میں قبر پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ منصور نے حضرت امام صاحب کے خلق ودین اور جلالت تقویٰ کے اعتراف میں یہ کام کیا یا اس کا یہ اقدام محض عوام کو راضی کرنے کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے اس کے سامنے یہ دونوں مقصد ہوں۔ بہرحال کچھ بھی ہو، یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ امام صاحب ایک عظیم وجلیل شخصیت کے مالک تھے۔

کیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حلقۂ درس بغداد میں منتقل ہو گیا؟

اس باب میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے، مگر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا زمانہ قیام بغداد میں انہوں نے اپنا

حلقہ درس بھی وہیں منتقل کرلیا تھا؟ یا حلقہ درس بدستور کوفہ میں قائم رہا۔ کسی مورخ نے بھی حلقہ درس کے بغداد میں منتقلی سے متعلق نہیں لکھا بلکہ تمام روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا حلقہ درس بدستور کوفہ میں رہا، یہاں تک کہ انہیں درس وافتا سے روک دیا گیا چنانچہ ابتلاؤمحن کی تمام روایتوں میں اشارہ وتصریح کے ساتھ یہی مذکور ہے کہ امام صاحب کو زبردستی سواری پر بٹھا کر بغداد پہنچایا گیا۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعمیر بغداد کے بعد جب تک وہ زندہ رہے، کوفہ میں ہی درس وافتا کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ابتلا وآزمائش سے دوچار ہوئے اور وفات پا گئے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ امام صاحب نے کوفہ کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر حلقہ درس قائم ہی نہیں کیا بلکہ مروی ہے کہ جب آپ حج کو تشریف لے جاتے تو وہاں فتوے دیتے۔ جدل ومناظرے میں مشغول رہتے اور کبھی کبھی مسجد حرام میں حلقہ درس قائم کرکے بھی بیٹھ جاتے۔ پھر جب آپؒ نے امویوں کے ظلم سے راہ گریز اختیار کرکے حرم میں پناہ لی تو اس عرصے میں انہوں نے اپنی فقہ اور آراء کو متعارف کراتے ہوئے وہاں یعنی مکہ مکرمہ مین بھی اپنا حلقہ درس قائم کرلیا تھا۔ اگرچہ مورخین اور اصحاب مناقب اس سلسلے میں خاموش نظر آتے ہیں، انہوں نے نہ ایجاباً کچھ لکھا ہے نہ سلباً۔

ابوحنیفہ کی سیاسی تدبیر اور ابوجعفر منصور کی بدحالی:

ابوحنیفہ کی اس سیاسی تدبیر سے ابوجعفر منصور باوجود سیاسی مدبر، دلیر اور بہادر ہونے کے بوکھلایا، پریشان ہوا اور اس حد تک مایوس ہوا کہ کوفہ کے ہر دروازے پر تیز روسواریاں بندھوادی تھیں کہ وقت آنے پر جس طرف بھی بھاگنے کا موقع ملے بھاگ جاؤں گا۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر اس کے باوجود حکومت امام ابوحنیفہ پر ہاتھ ڈالنے کی

جرأت نہ کر سکی کہ اللہ نے سارے عراق بلکہ سارے مشرق کا ان کو امام اور پیشوا بنا دیا تھا۔ ابوجعفر منصور اضطراب و سراسیمگی کے جس حال میں اس وقت مبتلا تھا، بھڑ کے چھتے میں ہاتھ دے دیتا اگر ایسے نازک وقت میں امام ابوحنیفہ پر ہاتھ ڈالتا اور بجائے ''یک نہ شد دو شد'' کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔ بہر حال تقدیر، تدبیر پر غالب آئی اور تحریک کچل دی گئی۔ حضرت محمد نفس زکیہ اور ابراہیم نفس رضیہ شہید کر دیئے گئے اور فتنہ فرو ہو گیا۔ تب بھی امام ابوحنیفہ کی پکڑ دھکڑ کی طرف فوراً منصور متوجہ نہ ہوا اس میں بھی رائے عامہ کے دباؤ اور ابوحنیفہ کی علمی و دینی، فقہی اور سیاسی عظمت کو دخل تھا۔

قاضی القضاۃ کا تصور سب سے پہلے ابوحنیفہ نے پیش کیا:

کہا جاتا ہے کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کی طرف سب پہلے ہارون الرشید کا ذہن منتقل ہوا اور اس نے قاضی ابو یوسف کا اس عہدے پر تقرر کیا لیکن تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے لئے سب سے پہلے ابوحنیفہ ہی نے زمین ہموار کی تھی۔ ابوجعفر مجبور ہو گیا تھا اور ابوحنیفہ کی خدمت میں قاضی القضاۃ کے عہدے کو قبول کرنے کی پیشکش کر دی تھی۔ اگر ابوحنیفہ، ابوجعفر منصور کی درخواست قبول کر لیتے تو بالفعل ابو یوسف نہیں بلکہ اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ ابوحنیفہ ہی قرار پاتے۔

ابو یوسف کا قاضی القضاۃ بننا یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ یہ ابوحنیفہ کے ایام انتظار کی محنت اور ایک خاص حکمت عملی اور لائحہ عمل تھا جسے ابوحنیفہ نے مسلمانوں کے متعلق تیار کیا تھا جس کے مطابق واقعہ کا ظہور ہوا اور ہوتا رہا۔ قاضی ابو یوسف ابوحنیفہ کی اس دور اندیشی کو یاد کر کے کبھی کبھی کہہ اٹھتے۔

''ابوحنیفہ کتنے بابرکت آدمی تھے کہ دنیا اور آخرت کی دونوں راہیں ہم پر ان ہی کی کھولی ہوئی ہیں''۔

اجتہادِ رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

ایک اعرابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ کالا ہے، مجھے اس پر شک ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ہاں اونٹ ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کون سا رنگ؟ عرض کیا سرخ۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس میں کچھ خاکی رنگ کے بھی ہیں؟ اعرابی نے مثبت جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، یہ خاکی رنگ کہاں سے آگیا؟ اعرابی بولا ممکن ہے کوئی رگ کھینچ کر آ گئی ہو۔ تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہی حال اس لڑکے کا ہے۔

طلق بن علی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص وضو کرنے کے بعد اپنی پیشاب گاہ کو ہاتھ لگا لے تو کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هل هو الا بضعة منك۔

"نہیں ہے وہ مگر تیرے جسم کا ایک ٹکڑا۔"

اس حدیث میں جناب شارع نے عضو مخصوص کو دیگر اعضا پر قیاس فرمایا ہے۔

چونکہ نجاست کا عدمِ خروج ہی ہر دور میں متحقق ہے اس لئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان كان شيئ منك نجساً فليقطعه لا باس به۔

"اگر وہ ایسی ناپاک شے ہے تو اسے کاٹ کر پھینک دو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

ما ابالي مسست انفي او اذني او ذكري۔

"مجھے تو اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں نے ناک، کان کو ہاتھ لگایا یا

پیشاب گاہ کو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا۔ ایک آدمی کو اس کی سوتیلی ماں اور آشنا نے قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا اگر کئی آدمی ذبح شدہ اونٹ کے چرانے میں اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک، ایک عضو چرا کر لے جائے تو کیا آپ ان سب کے ہاتھ کاٹیں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ایسے ہی معاملہ ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو لکھ بھیجا کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص اپنے غلام کو پکڑ کر لایا اور عرض کیا کہ اس نے میرا آئینہ چرا لیا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا غلام بھی تیرا ہے اور آئینہ بھی تیرا ہے۔ یہاں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قیاس سے کام لیا کہ غلام میں حق ملکیت موجود ہے تو جہاں جہاں حق ملکیت پایا جائے گا چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو، اس میں قطع ید نہ ہوگا، مثلاً لڑکا باپ کا مال چرا لے یا بیوی خاوند کا مال چرا لے۔

باب دہم

عظمتِ امام

اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی' امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے' ان کے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں' علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام مالک کے سامنے ابو حنیفہ اس طرح مؤدب بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے'' اس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اس کو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں' امام مالک بھی ان کا نہایت احترام کرتے تھے' عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا' ایک بزرگ آئے جن کی انہوں نے تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ ان کے جانے کے بعد فرمایا'' جانتے ہو یہ کون شخص تھا'' یہ ابو حنیفہ عراقی تھے' جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔'' ذرا دیر کے بعد ایک بزرگ آئے' امام مالک نے ان کی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ کی کی تھی۔ وہ اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔ حجاز و عراق کے آئمہ فن روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے' طرز تعلیم بھی مختلف تھا' بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا' بعض مثلاً ابراہیم و شعبی صرف حافظہ کو سند سمجھتے تھے اور اکثر لوگوں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے' بعض اس کے بالکل خلاف تھے' ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جب تک سامنے نہ ہو اس سے روایت نہیں کی جا

سکتی‘ شعبی جو امام صاحب کے استاد تھے ان کا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بناء پر روایت کرنے کو جائز سمجھتا تھا‘ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ ومطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے‘ لیکن بعض لوگ اس کے سخت مخالف تھے‘ یہاں تک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ ”حدیث نبویؐ میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں۔ امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں‘ بعض اس کے مخالف تھے یحیٰی بن سلام اتنی بات پر ان کے حلقہ درس سے ناراض ہوکر اٹھ آئے کہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جن کو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلے سے خود ایک مستقل اور جچی ہوئی رائے قائم کرسکیں۔ امام موصوف نے اصول فن میں جو اصلاحیں کیں ان کا بیان آگے آئے گا۔

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان کے آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہوچلا تھا‘ اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا۔ بعض آئمہ حدیث کتابت کو تقریباً ناجائز سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

انظروا بما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبوه۔

حالت میں دیکھتے تو بے تاب ہوجاتے۔

ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کو ٹھے پر سے گر پڑا دفعتاً اس زور سے چیخ اٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا۔ حلقہ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غم خواری اور ہمدردی کی‘ جب تک وہ اچھا نہ ہوا

روزانہ صبح کو جاتے اور اس کی تیمارداری کرتے‘ تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا‘ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر ان کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا مایۂ خمیر تھا۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے‘ مستفیدوں اور ارادت مندوں کا مجمع تھا‘ اتفاقاً چھت سے ایک سانپ گرا‘ امام کی گود میں آیا‘ تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے‘ امام مالک کو بھی ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا اور وہ ان کی زندگی کا مشہور تاریخی اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے‘ درس میں بھی معمول تھا کہ شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے۔ آپ چپ بیٹھے سنا کرتے جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی۔

غیبت سے پرہیز رکھتے‘ اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا۔ کسی نے کہا‘ حضرت لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے‘ مگر آپ سے میں نے برائی نہیں سنی۔ فرمایا: ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔ امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا ابوحنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا‘ انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ ایسے بے وقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو آپ برباد کر دیں۔

قسم کھانی برا جانتے تھے، اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے‘ عہد کرلیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہوں گا تو ایک درہم کفارہ دوں گا۔ اتفاق سے بھول کر کسی موقع پر قسم کھالی اس کے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دوں گا۔

نہایت صاحب ریاضت اور زاہد تھے' ذکر و عبادت میں ان کو مزہ آتا تھا، اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے' اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی' علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی پرہیز گاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے میں رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے' امام بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نے نماز میں یہ آیت پڑھی۔" و لا تحسبن اللّٰہ غافلا عما یعمل الظلمون"۔ یعنی خدا کو ظالموں کے کردار سے بے خبر نہ سمجھنا' امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔

امام اوزاعی جو کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے ملے اور کہا کہ "عراق والوں پر نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین نہیں کرتے' حالانکہ میں نے زہری سے' انہوں نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے۔" امام ابوحنیفہ نے اس کے مقابلے میں حماد' ابراہیم نخعی' علقمہ' عبداللہ بن مسعودؓ کے سلسلے سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت ﷺ ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔" امام اوزاعی نے کہا "سبحان اللہ میں تو زہری' سالم عبداللہؓ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں' آپ اس کے مقابلے میں حماد' نخعی' علقمہ کا نام لیتے ہیں' ابوحنیفہ نے کہا" میرے رواۃ آپ کے رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں' اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح ہے۔

ایک شخص نے پوچھا: فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: "دلجمعی" اس نے عرض کیا کہ دلجمعی کیوں کر حاصل ہو' ارشاد ہوا کہ

تعلقات کم کئے جائیں' پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں' جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لے لے اور غیر ضروری چھوڑ دے۔"

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علیؓ اور میر معاویہؓ کی لڑائیوں کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں' فرمایا کہ قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھ کو ان کا ڈر لگا رہتا ہے' ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا اس لئے اس پر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔"

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے' خود ان کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے' البتہ ان باتوں کو اسلام کا ضروری مسئلہ قرار دینا اور اس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا علم میں سعی و سفارش کا کام نہیں' علماء کا خود فرض ہے کہ ان کو جو کچھ آتا ہو دوسروں کو بھی بتائیں' علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں۔"

ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں؟ فرمایا: "روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے ملتا جائے تو اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے' لیکن تشبیب وغزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

ومن المروة للفتیٰ ماعاش دار فاخرة

فاشكر اذا اوتيتها واعمل لدار الاخرة

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اس کو ایک اچھا مکان چاہیے۔ ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیے اور عافیت کے مکان کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی تو ابتدا ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں اور ان کی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہو سکی۔ حضرت عمرؓ نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا، لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نہ کر دے صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں اور ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا' چلتے وقت ان سے فرمایا کہ تم لوگ کوفہ جا رہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے ملو گے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں وہ تمہاری آمد سن کر مشتاق ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہئیں تو حدیثیں نہ بیان کرنا، اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگی تو حضرت عمرؓ نے خود ان کی مشایعت کی اور ان سے پوچھا کہ "جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آ رہا ہوں۔" لوگوں نے کہا تکرمة علينا' یعنی ہماری عزت افزائی کے لئے۔ فرمایا کہ ہاں' لیکن ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں کے لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ ﷺ سے کم روایت کرنا۔" چنانچہ جب یہ لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سن کر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے اس بناء پر انکار کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

منع کیا ہے۔ جب ابوہریرہؓ سے ابو اسلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بولے کہ "نہیں ورنہ عمرؓ درے مارتے۔"

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس تک رہی اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی' صحابہ دور دور پہنچ گئے تھے' ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں' نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے' ان اسباب نے حدیث و روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی' حضرت عثمانؓ کے اخیر زمانے میں بغاوت ہوئی جس کا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا، اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پر آشوب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی۔

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے اس وقت ان کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا' مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے' اس لئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں' قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو' امام ابوحنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا' مدعی کا بیان لینا چاہئے کہ اس کی ماں زندہ ہے یا نہیں کیونکہ اس کو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہئے یا اگر اس نے اس کی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اس کو مختار نامہ پیش کرنا چاہئے قاضی صاحب نے مدعی کا بیان لیا' معلوم ہوا کہ اس کی ماں مر چکی ہے اس پر قاضی صاحب سے کہا کہ مدعی سے پوچھنا چاہئے کہ اس کے بہن بھائی ہیں یا نہیں' کیونکہ وہ اگر دعویدار موجود ہیں تو ان کو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہئے۔ اسی طرح امام صاحب نے اور چند سوالات کئے' جب وہ مراتب طے ہو چکے تو فرمایا کہ "اب مقدمہ قائم ہوا اور اب مدعا علیہ کا بیان لیجئے۔"

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی

کارروائی شروع کی تھی وہ اس حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں' لیکن امام صاحب باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے' جس کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہو سکتے ہیں ان سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہئے تا کہ عدالت کو ایک ہی حق کے فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے مقدمہ کے اس دوسرے حصہ کی جس طرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اس کی جزئیات کا استقصاء کیا وہ اس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا۔ اگر چہ اس کی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کی جاتی ہے، لیکن درحقیقت اس میں بہت سے قوانین شامل تھے' چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں انہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دیئے گئے ہیں وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہیں۔ مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع، قانون لگان و مال گزاری، تعزیرات، ضابطۂ فوجداری وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے آئمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چوپاؤں کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے' امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زکوۃ میں جانور یا اس کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوۃ ادا ہی نہیں ہوسکتی حالانکہ زکوۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اس کی قیمت دونوں برابر ہیں' اس لئے شارع نہیں بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے اور سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے۔ معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب کس قدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور یسیرا التعمیل ہے۔

قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں'' بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے' اس میں عبادات شاقہ نہیں ہیں' اس کے مسائل آسان اور یسیرا التعمیل ہیں' حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعراء اور مصنفین اس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں' انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ برے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کہا۔

چوں رخصتہائے ابو حنیفہ

تاہم اصل مدعا کا ثبوت اس کے کلام سے بھی ہوتا ہے' عبادات اور معاملات کا کوئی باب' کوئی فصل لے لو' یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو آسان شریعت کی شان ہی' بخلاف اس کے اور آئمہ کے بہت سے احکام بہت سخت اور دشوار العمل ہیں' مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل' انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں۔ چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے' لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی' ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کے جزئیات سے معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب کس قدر آسان اور تمدن و شائستگی کے

کس قدر موافق ہے۔

نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے	ایک اشرفی کا ربع
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
نادان بچہ پر قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص نے کوئی چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اس کا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن کے سرقہ پر قطع ید نہیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔
لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں ان کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور آئمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال، جائز و ناجائز کی

تفصیل اس باب میں یہ دعویٰ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے' اور آئمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جن کی پابندی کی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے بخلاف اس کے امام ابوحنیفہؒ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں۔ مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ اسی طرح مٹی کے برتن جو اپلوں کی آگ سے پکائے گئے ہوں ان میں کھانا ناجائز ہے۔ رانگ' کانچ' بلور' عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے' پشمینہ' آمور' پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور ان کو پہن کر نماز نہیں ہو سکتی۔ برتن' کرسیاں اور زمین وغیرہ جن پر چاندی کا کام ہو ان کا استعمال ناجائز ہے' بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جس میں بیع و شرا کی تصریح نہیں کی جاتی ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مذہب امام شافعی سے مخالف ہے۔

امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لئے بالکل ناکافی تھے' نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے' نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا' نہ فصل قضایا اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا' امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے' لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین ان کے بعد ہوئے انہوں نے بجائے اس کے کہ اس کو اور وسعت دیتے' اسی غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا' جس کا منشاء وہ زاہدانہ خیال تھے جو علمائے مذہب کے دماغوں میں جاگزین تھے' ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعویٰ کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضروری ہے کہ عرضی دعوے میں زمین کا موقع بتایا جائے' اس کی حدود اربعہ دکھائی جائیں' حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا' محدث مذکور کے نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے' لیکن اگر ان کو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات

سمجھتے ہیں ان کے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔

امام شافعی ہبہ کے لئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے' شفعۂ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے' تمام معاملات میں مستورالحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں' گواہان نکاح کے لئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں۔ ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی ان کی شہادت جائز نہیں قرار دیتے' بے شبہ یہ باتیں ان ممالک میں آسانی سے چل سکتی ہیں' جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے' اور معاملات کی صورتیں بالکل سادہ اور نیچرل حالت میں ہیں' لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو معاملات کی مختلف پیچ در پیچ صورتیں پیدا ہو جاتی ہوں' حقوق کی تجدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہیں' اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ سے مخالف ہیں' مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پا سکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔

امام ابو حنیفہؒ نے وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے۔

امام صاحب کے نزدیک طلاق کے بعد عورت کو مہر ادا کرنا ہوگا اور تین مہینے تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہوگی' اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے گزر اور بسر اوقات کے لئے اس کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے اس باب میں امام صاحب کے مسائل جو اور آئمہ سے مختلف ہیں ان کو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب نے معاملۂ نکاح کو کیسا مہتمم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حیثیت سے میں اس کے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

ا۔ جب تک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔

۲۔ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔

۳۔مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی۔اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب کے بس سے باہر ہے اس کو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔

امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مرد بیدریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے، اور عورت کو بوجہ اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہے گی سخت تکلیف کا احتمال ہے۔

۴۔خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔

۵۔جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔

امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔

۶۔اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملے گی۔

امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔

۷۔طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے، یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔

امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی۔

۸۔ رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں، ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے، مطلب یہ ہے کہ آسانی دی جائے تا کہ رجعت بادنیٰ مسامحت ہو سکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
۹۔ رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضاء ہے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے قواعد مرتب ہونے کے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کے ساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل نہ ہونے پائے۔ کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہئے نہ یہ کہ اس کے اصلی حقوق میں بھی زوال آئے۔ یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جس کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں مل سکتی کہ اس نے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو تمام مسائل میں ملحوظ رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں جہاں اور آئمہ نے ان سے اختلاف کیا ہے صریح غلطی کی ہے مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

اس باب میں سب آئمہ متفق ہیں کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے، اسی طرح عورت کو کچھ معاوضہ دے کر خلع کا اختیار ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اس معاملہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے

اورخوداس کی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہےتو اس کے مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہئے' مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہوتو مکروہ ہے لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے، اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اولاً مرد جس قدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے اور اس پر عورت کو مجبور کر سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ گو شرارت وزیادتی مرد کی ہی ہو' تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جس قدر چاہے لے سکتا ہے حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ عورت بے گناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

نکاح وطلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض بعض میں مجتہدین مختلف الآراء ہیں' ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر ان کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کر سکتی' امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے۔ اس دعوی پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شفاعی کا جو استدلال ہے اور جس کو خود انہوں نے کتاب الام میں بڑے شدومد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے۔

و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن۔ اور جب تم طلاق دو عورتوں کو اور وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں۔'' امام شفاعی کہتے ہیں کہ تعضلوھن میں اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ

روکیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے۔'' امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے کر دی تھی۔ شوہر نے چندروز کے بعد طلاق دے دی لیکن عدت گزر جانے کے بعد اس کو ندامت ہوئی' اور اس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ عورت بھی راضی ہو گئی۔ معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے نکاح کر دیا تھا اس نے طلاق دے دی۔ اب میں کبھی اس سے نکاح نہ ہونے دوں گا اس پر یہ آیت اتری۔'' امام شافعیؒ نے آیت کے جو معنی لئے ہیں اگر ہم نے خود ان کی کتاب میں اس کو صریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ یہ انہی کا قول ہے۔

اول ہم کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم میں شوہروں کی طرف خطاب ہے اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے تعضلوھن میں بھی انہی کی طرف سے خطاب ہو۔ ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شوہرو! جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں تو اے نکاح کے اولیاء تم ان عورتوں کو نکاح سے مت روکو۔'' اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہ کر سکتا ہے؟ شرط میں تو شوہروں سے خطاب ہو اور جزا میں ان سے کچھ واسطہ نہ رہے اور اولیائے نکاح سے تخاطب کیا جائے' یہ کون سا طریقہ کلام ہے؟ امام رازی باوجود یکہ شافعی ہیں' تاہم انہوں نے تفسیر کبیر میں صاف تصریح کی ہے کہ یہ معنی بالکل غلط ہیں اور ایسی بے ربط عبارت بول نہیں سکتا۔ اگر ہم یہ معنی بھی تسلیم کر لیں تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اس کام کا حق بھی رکھتا ہو۔

اب ہم اس آیت کا محل بیان کرتے ہیں۔ جاہلیت میں دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت ان کے ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کے آغوش میں نہ جانے پائے۔ اس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے' اس بری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے شوہرو! جب تم عورت کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے (یعنی جن کو وہ اب شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کریں۔'' امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لئے ہیں، اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ عورتیں نکاح کے معاملہ میں خودمختار ہیں اس استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیائے نکاح کی طرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے' اس قدر تو چاروں آئمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں' امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور خدا نے اس کی اجازت دی ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے، اور طلاق دینے والا گنہگار ہے۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے جو طلاق کا طریقہ بتلایا ہے وہ اس آیت پر محدود ہے۔ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان۔ یعنی طلاق دو بار کر کے ہے' پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے۔ یعنی رجعت کر لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔'' پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتی ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر ایک بار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اس کے نفاذ کے کیا معنی' حالانکہ نفاذ سے امام

ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے، جس کا یہ موقع نہیں، مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا دوسری چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے۔ باپ کا اولاد کو کم وبیش حصوں میں جائیداد کا ہبہ کرنا شرعاً ممنوع ہے لیکن اگر کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اس کا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کی نسبت یہ عام دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے۔ اس لئے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان، بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت، قضا، قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا قتل بالمثقل، نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا، ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہوسکتی۔ ایسے اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صائب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اس حد تک صائب الرائے تھے۔

دہریہ کی ایک جماعت کا قبول اسلام:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے دہریوں کی جماعت کو مسلمان کر دیا۔ یہ جماعت آپ کے ساتھ ہستی باری تعالیٰ پر بحث کرانے آئی تھی آپ نے فرمایا کل دوپہر کے وقت آنا۔ چنانچہ وہ دوسرے دن دوپہر کے وقت آ گئے، لیکن امام صاحب کو کچھ دیر ہوگئی۔ آپ تشریف لائے کہنے لگے۔ معاف کرنا مجھے دیر ہوگئی وجہ یہ تھی میں دریائے دجلہ کی دوسری طرف گیا تھا جب واپس آیا تو کوئی کشتی موجود نہ تھی ناچار کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ لکڑی کے تختے خود بخود کنارے پر آ لگے، اور آپس میں جڑ کر کشتی

کی شکل اختیار کر لی اس کے بعد وہ کشتی دریا میں داخل ہوگئی، اور چل کر میرے سامنے کھڑی ہوگئی، اور جب میں اس پر بیٹھا تو خود بخود چلنے لگی، اور مجھے دریا کے پار پہنچا دیا۔

یہ سن کر دہریوں نے کہا کہ مسلمانوں کے امام جھوٹ بولتے ہیں آپ نے فرمایا جھوٹ نہیں سچ ہے۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے آپ نے فرمایا اگر یہ ممکن نہیں تو کائنات کا نظام خود بخود کیسے چل رہا ہے۔ اس پر وہ خدا کی ہستی کے قائل ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (مشاہدہ حق)

حضرت امام حماد

آپ کی کنیت ابو اسماعیل ہے اور والد کا نام مسلم اور کنیت ابو سلیمان ہے۔ فقیہ کوفہ کے نام سے حضرت حماد کی شہرت تھی۔ آپ امام ابراہیم نخعی کے علوم کے حامل اور ان کے جانشین تھے۔ آپ مردِ یگانہ اور صاحبِ احوال تھے۔ حدیث شریف کی روایت حضرت انس بن مالک، سعید بن المسیت وغیرہما سے کی تھی۔ امام مسلم اور اصحابِ سنن نے آپ کی مرویات کو لیا ہے۔ جس وقت آپ حدیث شریف کی روایت کیا کرتے تھے آپ پر ایک حال طاری ہو جاتا تھا۔ بسا اوقات غلبۂ احوال کی وجہ سے آپ پر بے خودی چھا جاتی تھی، ہوش آنے پر وضو کرتے اور جس جگہ سے حدیث رہ گئی تھی اُسی جگہ سے آپ اس کی روایت کرتے تھے۔ آپ نہایت سمجھدار اور حساس شخص تھے۔ ماہِ رمضان شریف میں ہر روز پچاس افراد کو کھانا کھلاتے تھے اور عید کے دن ان میں سے ہر ایک کو ایک کپڑا اور ایک سو درہم عنایت کرتے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے کہا۔ آپ میرے لیے اس کام کی سفارش ابن زیاد سے کر دیں، ابن زیاد کوفہ کا گورنر تھا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا۔ تم کو اس کام میں کتنے منافع کی توقع ہے، اس نے ایک ہزار درہم بتائے۔ آپ نے اس کو پانچ

ہزار درہم دیئے اور فرمایا۔ اس حقیر رقم کے واسطے ابنِ زیاد کے سامنے اپنی آبرو کیوں ضائع کروں۔

امام ابوعصمہ نوح بن ابی مریم نے بیان کیا کہ میں حضرت امام عالی مقام سے احادیث مبارکہ کے معانی دریافت کیا کرتا تھا اور آپ بہت اچھے پیرایہ میں ان کا بیان کیا کرتے تھے اور میں آپ سے دقیق مسائل پوچھتا تھا۔ ایک دن حضرت امام نے فرمایا۔ اے نوح تم قضا کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو، اور جب میں اپنے وطن مرد پہنچا، کچھ ہی دن گزرے تھے کہ میں قضا میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے حضرت امام کو خط لکھا کہ میں نے مجبوراً قاضی کا عہدہ قبول کرلیا ہے۔ حضرت امام نے تحریر فرمایا: تمہارے گلے میں بہت بڑی امانت ڈال دی گئی ہے۔ اس بھنور سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کرو۔ اللہ کے خوف کو لازم پکڑو، اور آپ نے تحریر فرمایا: یہ بات خوب جان لو کہ فیصلوں کے ابواب ایسے ہیں کہ ان کو بڑا عالم ہی سمجھ سکتا ہے۔ جو اصول علم (قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ) سے واقف ہو اور خود بھی صاحب بصیرت ہو، وہ فیصلہ کرسکتا ہے۔ جب تم کو کسی واقعہ میں اشکال پیش آئے تو کتاب وسنت اور اجماع کی طرف رجوع کرو، اگر واضح طور پر مسئلہ مِل جائے تو اس پر عمل کرو ورنہ نظائر تلاش کرو اور اس پر عمل کرو۔ جب مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوں تو ضعیف وقوی، شریف اور وضیع میں فرق نہ کرو۔ ایسی بات ظاہر نہ ہو کہ بڑا یا شریف تم سے بے جا اُمید رکھنے لگے اللہ تم کو سلامت رکھے اور ہم تم کو اچھی بات اور آخرت میں بہتر مقام نصیب کرے۔

خطیب نے اپنی کتاب "المتفق والمفترق" میں ابن سوید حنفی سے سنا کہ میں نے ابوحنیفہ سے پوچھا، وہ مجھ پر بہت کرم کرتے تھے، اسلام کا فرض حج کر لینے کے بعد آپ کس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ جہاد کے واسطے جانا یا حج کرنا۔ ابوحنیفہ نے کہا، فرض حج کے بعد ایک مرتبہ جہاد کو جانا پچاس حج سے بہتر ہے۔

اور حفص بن غیاث نے کہا ہے: كَلَامُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْفِقْهِ اَرَقُّ مِنَ الشَّعْرِ وَلَا يَعِيْبُهُ اِلَّا جَاهِلٌ کہ فقہ میں ابوحنیفہ کا کلام بال سے باریک تر ہے، جاہل ہی اس پر عیب لگائے گا، اور لکھا ہے کہ اعمش سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، انہوں نے کہا کہ اس میں درست قول نعمان بن ثابت ہی کا ہے۔

ابو محمد حارثیؒ نے حبان بن موسیٰ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مبارک لوگوں سے ایک دن احادیث شریفہ بیان کر رہے تھے، آپ نے کہا: مجھ سے حدیث بیان کی نعمان بن ثابت نے۔ بعض افراد نے کہا: ابو عبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ مبارک) نعمان سے کس کو مراد لے رہے ہیں۔ ابن مبارک نے کہا: میرا مقصد ابوحنیفہ ہیں جو علم کا مغز ہیں۔ یہ سن کر بعض افراد نے حدیث کا لکھنا چھوڑ دیا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوئے، پھر کہا۔ اے لوگو، تم کس قدر بے ادب ہو اور تم ائمہ کے بارے میں کس قدر جاہل ہو، اور اہلِ علم کی معرفت تمہاری کتنی کم ہے، ابوحنیفہ سے زیادہ کوئی حقدار نہیں ہے کہ اس کی اقتدا کی جاوے۔ کیونکہ وہ امام تھے، صاحبِ تقویٰ تھے، پاک صاف تھے، صاحبِ ورع تھے، عالم تھے، فقیہ تھے، انہوں نے علم کو ایسا واضح کیا، اپنی دید سے، سمجھ سے، ہوشیاری سے اور تقویٰ سے کہ کوئی شخص ایسا واضح نہیں کر سکا ہے۔ یہ کہہ کر ابنِ مبارک نے قسم کھائی کہ ان کو ایک مہینہ نہ پڑھائیں گے۔

جہم سے مناقشہ

امام الموفق بن احمد المکی نے مناقب الامام الاعظم میں لکھا ہے:

جہم بن صفوان ابوحنیفہ کے پاس کلام کرنے کو آیا۔ اس نے کہا: اے ابوحنیفہ میں نے بعض مسائل تم سے دریافت کرنے کے لیے رکھ چھوڑے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا تم سے بات کرنی عار اور جس میں تم مشغول ہو وہ نار (دوزخ) ہے۔ جہم نے کہا کہ میرے متعلق تمہارا یہ کلام کس بنا پر ہے حالانکہ مجھ سے نہ تمہاری ملاقات ہوئی۔

ہے اور نہ مجھ سے تم نے کچھ سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری ایسی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں کہ کوئی نماز گزار اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا۔ اس نے کہا: تم مجھ پر غائبانہ حکم لگاتے ہو۔ آپ نے فرمایا: وہ باتیں تم سے مشہور ہوگئی ہیں اور عام و خاص ان سے واقف ہیں۔ لہٰذا میرے لیے جائز ہے کہ ان باتوں کو تم سے منسوب کروں۔ اس نے کہا: میں تم سے صرف ایمان کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا اب تک تم کو ایمان کی معرفت نہیں ہوئی ہے جو تم پوچھتے ہو۔ اس نے کہا: ہاں یہی بات ہے کیونکہ مجھ کو ایک طرح کا شک پڑ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ایمان میں شک کا واقع ہونا کفر ہے۔ اس نے کہا تم پر لازم ہے کہ مجھ کو بتاؤ کہ مجھ سے کفر کیسے لاحق ہوگا۔ آپ نے فرمایا: اچھا مجھ سے دریافت کرو۔ اس نے کہا: مجھے اس شخص کے بارے میں بتاؤ جو اللہ کو ایک جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس جیسا ہے، وہ اللہ کو اس کے اوصاف سے مانتا ہے اور اپنی زبان سے اقرار کرنے سے پہلے وہ مر گیا، کیا وہ مومن مرا یا کافر مرا۔ آپ نے فرمایا وہ کافر مرا ہے اور وہ اہلِ نار میں سے ہے جب تک کہ وہ اپنی زبان سے اس کا اعتراف نہ کرلے جو اس کے دل میں ہے۔ اس نے کہا: بھلا وہ غیر مومن کیسے ہوگا جب کہ وہ اللہ کو اس کی صفات سے اپنے دل میں مانتا ہو۔ ابوحنیفہ نے کہا۔ اگر تمہارا ایمان قرآن پر ہے اور تم قرآن کو حجت سمجھتے ہو تو میں تم سے قرآن سے بات کروں اور اگر تم قرآن کو حجت نہیں تسلیم کرتے تو میں اس طرح بات کروں گا جس طرح غیر مسلموں سے بات کرتا ہوں۔ جہم بن صفوان نے کہا۔ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کو حجت تسلیم کرتا ہوں یہ سن کر امام ابوحنیفہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایمان کا تعلق دو اجزا کے ساتھ رکھا ہے۔ ایک دل دوسرا زبان۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود معروف بہ ابن ام عبد

آپ سابقین اولین میں سے ہیں، امام بغوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہے۔ اسلام لانے والوں میں چھٹا شخص میں ہوں، آپ کے اسلام لانے کا واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرا رہے تھے کہ اُدھر سے سردارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیق کا گزر ہوا۔ آپ نے دودھ طلب کیا۔ ابن مسعود نے فرمایا: اِنِّیْ مُؤْتَمَنٌ۔ مجھ کو امانتدار بنایا گیا ہے کہ بکریاں چراؤں اور اُن کی حفاظت کروں۔ آنحضرت ﷺ نے بکریوں میں سے ایسی بکری تلاش کی جو بچہ دینے کے قابل نہ ہوئی تھی، آپ نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیرا اور اس کو دوہا۔ آپ ﷺ نے اور حضرت ابوبکر نے دودھ پیا، اس کیفیت کو دیکھ کر ابن مسعود نے آنحضرت ﷺ سے کہا:

عَلِّمْنِیْ مِنْ هٰذَا الدُّعَاءِ۔

''مجھ کو اس دعا کی تعلیم کریں۔''

آپ نے ابن مسعود کے سر پر رحمت سے بھرا ہوا ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِنَّكَ عَلِیْمٌ مُعَلِّمٌ۔

''اللہ تم پر رحم فرمائے تم تعلیم دینے والے چھوٹے لڑکے ہو۔''

حضرت ابن مسعود کا مشرف بہ اسلام ہونا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے پیشتر ہے۔ سردارِ دو عالم ﷺ کو آپ سے خصوصیت کے ساتھ محبت تھی۔ آپ نے ابنِ مسعود سے فرما دیا تھا: اِذْنُكَ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَ اَنْ تَسْمَعَ سِوَارِیْ حَتّٰی اَنْهَاكَ وَ كَانَ یُعْرَفُ فِی الصَّحَابَةِ بِصَاحِبِ السِّوَادِ وَالسِّوَاكِ۔ تم کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، پردہ اُٹھا کر اندر آجاؤ اور ہماری خاص باتیں سُنو، جب تک کہ میں تم کو روکوں۔ آپ صحابہ میں صَاحِبُ السِّوَادِ

والسِّوَاکِ کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ سے آنحضرت ﷺ کی خصوصی خدمتیں متعلق تھیں، مثلاً چپل کا اُٹھانا، مسواک کا ساتھ رکھنا، آپ کے آگے چلنا، نہاتے وقت پردہ کرنا، خواب سے بیدار کرنا، چنانچہ صاحب النعلین اور صاحب الوساد بھی آپ کے مبارک القاب تھے۔

آپ کو ذوالہجرتین بھی کہتے تھے یعنی دو ہجرت کرنے والے۔ کیونکہ آپ نے حبشہ کو ہجرت کی جب وہاں آپ نے سنا کہ اہلِ مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ ظلم وتعدّی چھوڑ دی ہے، آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ چوں کہ وہاں کے احوال بد سے بدتر تھے۔ آپ پھر حبشہ چلے گئے اور پھر آنحضرت ﷺ کی مبارک خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے اور تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ کیا غزوۂ بدر، کیا غزوۂ اُحد اور کیا دوسرے غزوات آپ ہر جگہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے۔

آپ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے اس لیے آپ کو ذوالقبلتین بھی کہتے ہیں۔ آپ پہلے شخص ہیں کہ بیت اللہ شریف کے پاس بلند آواز سے کلامِ پاک کی تلاوت کی ہے۔ اس وقت کوئی اپنا اسلام ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ بیت اللہ شریف کے پاس تلاوت کون کر سکتا تھا۔ آپ مستانہ وار بیت اللہ شریف کے پاس گئے اور بلند آواز سے سورۂ الرحمٰن کی تلاوت کی۔ اشقیا نے آپ کو زدوکوب کر کے اپنی بدبختی کا اظہار کیا۔

ابن قیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

خُذُوْا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِنْ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ، وَمِنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمِنْ سَالِمٍ مَوْلَى حُذَيْفَةَ، وَمِنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔

قرآن مجید کو ان چار افراد سے حاصل کرو اور سب سے پہلے حضرت ابن مسعود کا نام لیا ہے۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا۔ مجھ کو قرآن مجید سناؤ۔ ابن

مسعود نے کہا: آپ پر کلامِ پاک کا نزول ہوتا ہے میں آپ کو کیا سناؤں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے پسند ہے کوئی کلام پاک مجھ کو سنائے۔ چنانچہ ابن مسعود نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی، جب آپ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (آیت نمبر ۴۰) پر پہنچے آپ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے آنسو بہہ رہے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بس کرو۔

علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو چاہے کہ قرآن مجید کی ایسی تلاوت کرے جیسا کہ اس کا نزول ہوا ہے وہ ابن مسعود کی طرح تلاوت کرے اور پھر آنحضرت ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا: "سَلْ تُعْطَه" مانگو تم کو دیا جائے گا۔ اس یقینی مقبولیت کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَ نَعِيْمًا لَا تَنْفَدُ وَ مُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ فِىْ اَعْلٰى جَنَّةِ الْخُلْدِ۔

"اے اللہ! میں تجھ سے وہ ایمان طلب کرتا ہوں جو پھرے نہیں اور ایسی نعمتیں چاہتا ہوں جو تمام نہ ہوں اور تیرے نبی ﷺ کی رفاقتِ اعلیٰ جنت خلد میں چاہتا ہوں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کی بشارت دی جو جنت خلد میں ہوگی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادات اور اطوار میں عبداللہ بن مسعود سے مشابہت رکھنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے محفوظ اصحاب سمجھتے ہیں۔ "اِنَّ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ اَقْرَبُهُمْ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" کہ اُن میں عبداللہ بن مسعود اللہ کے زیادہ قریب ترین درجات میں۔

بدر کے دن معاذ اور معوذ پسران عفراء نے ابوجہل کو گھائل کیا۔ حضرت ابن

مسعود کا گزر اس طرف ہوا۔ ابوجہل کی آخری گھڑی قریب آ گئی تھی۔ حضرت ابن مسعود کی تلوار کام کی نہ تھی۔ آپ نے ابوجہل کی تلوار اٹھائی۔ ابوجہل کی نظر آپ پر پڑی وہ آپ کے ارادہ کو بھانپ گیا اور اس نے کہا:

لَقَدْ رَقِيْتَ مُرْقًى صَعْبًا يَارُوَيْعِ الْغَنَمِ۔ اے بھیڑوں کے حقیر چرواہے تو نے کٹھن کام پر ہاتھ ڈالا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے اُسی کی تلوار سے اس کی گردن کاٹی اور اس کا سر اور اس کی تلوار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آنحضرت نے وہ تلوار آپ ہی کو عنایت کی۔

حضرت ابن مسعود کا قد چھوٹا تھا۔ پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے درخت پر سے کسی چیز کے لانے کو فرمایا۔ لہٰذا وہ درخت پر چڑھے۔ ان کی باریک پنڈلیوں کو دیکھ کر حضرات صحابہ کو ہنسی آ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم ہنستے کیا ہو عبداللہ کی ٹانگیں میزان میں (اللہ کی ترازو میں) اُحد پہاڑ سے زیادہ بھاری ہیں۔

حضرت ابن مسعود نے ایک دن کسی کو دکھا کہ اس کا تہبند لٹکا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ تہبند اُٹھاؤ۔ اس نے کہا: اے ابن مسعود تم بھی اپنا تہبند اُٹھاؤ۔ آپ نے فرمایا: میری پنڈلیاں پتلی پتلی ہیں اور رنگ سانولا ہے، تمہاری طرح نہیں ہوں۔ اس واقعہ کی خبر حضرت عمر کو ہوئی۔ آپ نے اس شخص کے کوڑے لگائے اور فرمایا تو ابن مسعود کی بات لَوٹاتا ہے۔

حضرت عمر نے ایک دن ابن مسعود کو بیٹھا دیکھا۔ فرمایا: كَنِيْفٌ مُلِئَ عِلْمًا علم و معرفت سے بھری چھاگل ہیں۔

ابن قیم نے لکھا ہے۔ اہلِ کوفہ حضرت عمر کے پاس آئے۔ آپ نے ان کو تحفہ دیا۔ آپ نے اہلِ شام کو بھی تحفہ دیا اور اہلِ شام کا تحفہ اہلِ کوفہ کے تحفے سے زیادہ تھا۔ اس پر اہلِ کوفہ نے آپ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا اگر میں نے اہلِ شام کو بُعدِ

مسافت کی وجہ سے تحفہ زیادہ دیا ہے میں نے عبداللہ بن مسعود کو تمہارے ساتھ کر کے تم کو نوازا ہے۔

حضرت عمر نے ۲۰ ھ میں حضرت عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود کو کوفہ بھیجا اور اہلِ کوفہ کو لکھا:

میں نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ اصحاب اور اہلِ بدر میں سے ہیں۔ تم ان دونوں کی پیروی اور اطاعت کرو اور ان کے ارشاد کو دھیان سے سنو۔ میں نے اپنے نفس پر ایثار کر کے عبداللہ کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یعنی ابن مسعود کو۔

ابن سعد نے ابوعمرو شیبانی سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''جب تک تم میں حبر موجود ہے مجھ سے نہ پوچھا کرو یعنی جب تک جلیل القدر عالم عبداللہ بن مسعود ہیں ان سے مسائل دریافت کرلیا کرو۔

آپ ۲۰ ھ سے ۳۰ ھ تک کوفہ میں مقیم رہے۔ یہ وہی کوفہ ہے جس کو ۱۷ ھ میں یا ۱۸ یا ۱۹ ھ میں حضرت عمر نے بسایا اور حضرت علیم معلم عبداللہ بن مسعود کو وہاں قرآن مجید کی تعلیم دینے اور مسائلِ دین بتانے کے واسطے بھیجا، آپ کی برکت سے کوفہ پہلا اسلامی مدرسہ بنا اور حضرت عمر نے اس مبارک مدرسہ کو کنز الایمان قرار دیا اور حضرت علی نے اس کو جمجمۃ الاسلام اور حضرت سلمان نے قبۃ الاسلام کا لقب دیا۔

کسی نے کہا ہے اور حقیقتِ امر کا اظہار کیا ہے:

فقہ ابن مسعود کا کھیت ہے اور علقمہ اس کے کاٹنے والے ہیں اور ابراہیم اس کے روندنے والے ہیں۔ ابوحنیفہ نعمان اس کے پیسنے والے، یعقوب ابو یوسف اس کے گوندھنے والے اور محمد پکانے والے اور بندگانِ خدا کھانے والے ہیں۔

مآخذ وحوالہ جات

کتاب	مصنف
فتح القدیر	از امام ابن ہمام
درمختار	از علامہ علاؤالدین
دارمی	از علامہ دارمی
احکام سلطانیہ	از ابوالحسن مصری
ردالمختار	از علامہ ابن عابدین
ہدایہ	از علامہ کمال الدین
عقدالجید	از شاہ ولی اللہ
مسند امام اعظم	از علامہ حصفکی
ہدایۃ المجتہد	از ابن رشد
عقود الجواہر	
مجمع الانہر	از علامہ اسفندی
شرح عقائد	از علامہ نسفی
الرد علی سیر الاوزاعی	از امام ابو یوسف
مکتوبات	از شیخ الاسلام
حدائق الحنفیہ	از مولانا............
تذکرۃ الاولیاء	از شیخ فریدالدین عطار
بخاری شریف	از امام بخاری
مسلم شریف	از امام مسلم
اوشحۃ الجید	از علامہ شوق نیموی

معانی الاخبار	از امام ابوبکر
فیوض الحرمین	از شاہ ولی اللہ محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ
الخیرات الحسان	از علامہ ابن حجر مکی
الیواقیت والجواہر	از امام شعرانی
احیاء العلوم	از امام غزالی
فقہ اکبر	از ابو یوسف بخاری
تاریخ	از علامہ طبری
ابوحنیفہ	از علامہ ابوزہرہ مصری
مسند	از امام اعظم
تاریخ بغداد	از خطیب بغدادی
تاریخ الفقہ	از مولانا نعیم صاحب مجددی
فقہ الاسلام	از الخطیب حسین احمد مصری ترجمہ رشید احمد
الجواہر المضیہ	از ابن ابی الوفاء
جامع المسانید	از امام ابوالموید
مجمع المصنفین	از شیخ محمود حسن خاں
مناقب	از علامہ موفق
سیرت النعمان	از علامہ شبلی
مناقب	از علامہ کردری
نفحات الانس	از مولانا عبدالرحمٰن جامی
کشف المحجوب	از شیخ ہجویری (علی بن عثمان)
مکتوبات	از حضرت مجدد الف ثانی
الانتباہ	از شاہ ولی اللہ
موضوعات کبیر	از ملا علی قاری

بزرگ خواتین
اللہ والے
اللہ والیاں
ماہِ صیام اور اسوۂ رسول ﷺ
عجائب القرآن مع غرائب القرآن
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ لاہور
Voice: 042-7248657
Mobile: 0300-9467047